ترجمہ وتشریح

محمد فاروق خاں

ترتیب

دینِ حق

دعوتِ دین

حدیث رسولؐ اور ہماری زندگی

خوشتر آں باشد

بہترین چیزیں

صورت خرابی کی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

کلامِ نبوت جلد پنجم کو جو کلام نبوت کی آخری جلد ہے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے دلی مسرت حاصل ہو رہی ہے۔ اللہ رب العزت کی توفیق ہے ہی اس کام کی تکمیل ہو سکی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ اس نے اس عاجز کو دین کی ایک خدمت انجام دینے کی توفیق عطا فرمائی۔

اس جلد میں دعوتِ دین اور اس کے مختلف پہلوؤں سے متعلق احادیث اور ان کی تشریح پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کلامِ نبوت کی یہ آخری جلد ہے اس لیے یہ ضروری معلوم ہوا کہ اس کتاب کو ختم کرتے ہوئے اس کے آخری ابواب میں پورے دین اور اس کے تقاضوں اور اس کی اصل روح اور اسپرٹ پر ایک بار مزید نظر ڈال لی جائے۔ چناں چہ ان ابواب میں احادیث کی روشنی میں انسان کی فکری و عملی زندگی پر ایک عمیق نظر ڈالتے ہوئے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ انسان کی کام یابی اور ناکامی کا جو تصور احادیث نبویؐ میں پیش کیا گیا ہے وہ ہر طرح کے نقائص سے پاک ہے۔ انسان کی اصل کام یابی یہ نہیں ہے کہ دنیا میں اسے عیش و آرام کی زندگی میسر آجائے، بلکہ انسان کی اصل کام یابی اس میں ہے کہ دنیا کی زندگی میں وہ ایک اعلیٰ کردار کا حامل ہو اور اپنے فکر و عمل سے وہ دنیا کو وہ راہ دکھائے جو سچائی، کام یابی اور فلاح کی راہ ہے۔ وہی راہ جسے قرآن نے صراط مستقیم سے موسوم کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس خدمت کو شرفِ قبولیت عطا کرے اور زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔

خاکسار

محمد فاروق خاں

خدمتِ دین اور دعوتِ اسلامی

اسلام ساری انسانیت کے لیے ایک پیغام ہے۔ وہ صراط مستقیم ہے جس پر چل کر انسانیت دنیوی واخروی فلاح وکامرانی سے ہم کنار ہوسکتی ہے۔اور خدا کی رضا اور اس کی خوش نودی اس کے حصے میں آسکتی ہے۔ اسلام حقیقت میں خدا کی اطاعت اور فرماں برداری کا دین ہے۔ اسلام ہمیں خدا کے اس منصوبے سے آگاہ کرتا ہے جس کے تحت اس نے کائنات کو وجود بخشا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ کون سے نظریات صحیح اور انسانوں کے لیے کون سے اعمال درست ہیں۔ وہ ہمیں اس سے مطلع کرتا ہے کہ کن نظریات اور عقائد کو خدا نے باطل قرار دیا ہے اور کون سے اعمال ہیں جو اس کے نزدیک ظلم اور حق وانصاف کے بالکل خلاف ہیں۔ ایسی صورت میں اسلام کی تعلیمات سے بے نیاز ہو کر کسی شخص کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ رشد وہدایت سے سرفراز ہوسکے۔ قرآن میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ:۳)

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے تمھارے لیے بہ حیثیت دین اسلام کو پسند کیا۔''

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○ (آل عمران:۸۵)

''جو اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا تو اس کی طرف سے کچھ بھی قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ گھاٹا اُٹھائے گا۔''

خدا کی طرف سے جتنے بھی انبیاء آئے وہ سب کے سب اسی دینِ حق کے داعی تھے۔ ان کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ خدا کے پیغام کو اپنی قوم تک پہنچائیں اور اسے ہلاکت اور تباہی سے بچانے کی کوشش کریں۔ خدا کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی بعثت کسی خاص قوم کے لیے نہیں بلکہ دنیا کی ساری قوموں کی طرف ہوئی ہے اور آپؐ سارے انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپؐ نے دنیا کو جو پیغام دیا اور جس دین کی طرف لوگوں کو بلایا وہ وہی ہے جس کی طرف دوسرے تمام انبیاء اور رسل دعوت دیتے آئے ہیں۔ پچھلی قومیں انبیاء کی لائی ہوئی تعلیمات اور ان کے دیے ہوئے پیغام کی حفاظت سے قاصر رہیں۔ نبیوں کی تعلیمات میں بہت کچھ تصرفات ہوئے اور جس شکل میں وہ تعلیمات آج پائی جاتی ہیں انھیں مستند ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔ اب یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں کہ ان میں حق کتنا باقی رہ گیا ہے اور باطل کی آمیزش ان میں کتنی ہو چکی ہے۔

حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ سے درحقیقت دینِ حق کی تجدید ہوئی۔ آپ کی رسالت نے دینِ حق کو زندہ کر دیا اور آج وہ کامل اور مستند شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ یہ دین ساری ہی انسانیت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ یہ دین اپنی فطرت اور مزاج کے لحاظ سے بھی کسی خاص قوم و نسل میں محدود ہو کر نہیں رہنا چاہتا۔ اس کی فطرت میں آفاقیت ہے۔ یہ اپنے دامنِ رحمت میں ساری انسانیت کو سمیٹ لینا چاہتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اس کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ جبر و اکراہ کو پسند نہیں کرتا۔ یہ دین دنیا کے سامنے ایک نعمت اور رحمت کی شکل میں نمایاں ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ خود اسے بیش قیمت دولت اور خیر سمجھتے ہوئے اس سے مستفید ہوں۔ لیکن اسے دنیا کے سامنے کون پیش کرے۔ اس کا پیغام دنیا کی مختلف قوموں اور دنیا میں بکھرے ہوئے کروڑوں انسانوں کی آبادیوں تک کیسے پہنچے۔ خدا نے اسی ضرورت کے پیشِ نظر ایک امت برپا کی ہے۔ جو امتِ مسلمہ کے نام سے موسوم ہے اس امت کی یہ منصبی ذمہ داری ہے کہ یہ خدا کے بندوں تک خدا کا پیغام پہنچانے میں ہرگز تساہل سے کام نہ لے۔ قرآن میں ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ (آل عمران:۱۱۰)

''تم ایک بہترین امت ہو جو لوگوں کے سامنے لائی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرہ:۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تمھیں ایک درمیانی امت بنائی ہے تاکہ تم سارے انسانوں پر حق کی گواہی قائم کرنے والے بنو اور رسول تم پر گواہی قائم کرنے والا ہو۔''

ایک جگہ فرمایا:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(آل عمران:۱۰۴)

''اور تمھارے پیکر میں ایک ایسی امت ظاہر ہونی چاہیے جو نیکی کی طرف دعوت دے۔ اور بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے، یہی فلاح پانے والے ہیں۔''

اس امت کی ذمہ داری ہے کہ جس طرح خدا کے رسول نے اس تک خدا کا پیغام پہنچایا ہے، اسی طرح وہ اس پیغام کو دنیا میں عام کرنے کی سعی میں لگ جائے۔ اس کے بغیر یہ امت کسی طرح بھی اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتی۔ دنیا میں جو بگاڑ اور فساد پایا جاتا ہے اسے ختم کرنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ دینِ حق کے عادلانہ نظام کو قائم کرنے کے لیے لوگوں کو آمادہ کیا جائے۔ دنیا انسانوں کے وضع کردہ نظاموں کی خرابیوں سے واقف بھی ہوچکی ہے۔ اسے ایک ایسے دین اور نظامِ زندگی کی ضرورت ہے جو مبنی بر عدل ہو، جس کی پیروی ہر طرح کی بھلائی اور خیر کی ضمانت ہو۔

پھر انسانی ہمدردی اور اخلاق انسانی کا بھی یہ تقاضا ہے کہ انسانوں کو سب سے بڑی

ہلاکت یعنی عذاب جہنم سے بچانے کی فکر کی جائے۔ جو چیز انسانوں کو جہنم کی آگ سے بچا سکتی ہے وہ خدا کی بندگی اور اس کی اطاعت کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ امت مسلمہ اپنے فرض منصبی کی طرف سے غافل ہے۔ دعوتِ دین کے سلسلے میں جو کوشش ہونی چاہیے اور جس طرح ہونی چاہیے وہ نہیں ہو پا رہی ہے۔ حالاں کہ اس فرض منصبی کے ادا کرنے ہی سے امت مسلمہ کے وہ مسائل بھی حل ہو سکتے ہیں جن میں یہ امت الجھی ہوئی ہے اور اس کی توانائی کا بڑا حصہ ان میں ضائع ہو رہا ہے۔

اگر امت اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے کی فکر کرتی ہے تو خدا کی تائید اور اس کی مدد یقیناً اسے حاصل ہوگی۔ خدا اپنے فرماں بردار بندوں کو کبھی بھی اپنی مدد سے محروم نہیں رکھ سکتا۔ پھر لوگوں کے قلوب اسی کی انگلیوں کے درمیان ہیں۔ دلوں کو حق کی طرف پھیرنے والا وہی ہے۔

دینِ حق

دین جس کی دعوت دینی ہے

دعوتِ دین ایک فریضہ ہے۔ اس فریضہ کو انجام دینے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس دین کی حقیقت اس کے مزاج اور اس کی روح سے بہ خوبی واقف ہوں جس کی دعوت ہم دنیا کو دینی چاہتے ہیں۔ کیوں کہ واقفیت کے بغیر دین کا صحیح تعارف ہم نہیں کرا سکتے۔ یہ وہ دین ہے جس کے ذریعہ سے خود انسان کی اپنی قدر و قیمت کا تعین بھی ہوتا ہے اور اس قدر و قیمت کی محافظت بھی اسی دین کے ذریعہ سے ممکن ہے۔ دعوتِ دین کا مفہوم و منشا یہ ہے کہ انسان کو صحیح معنی میں اپنی قدر و قیمت کا علم و احساس ہو جائے اور وہ جان لے کہ دین کی پیروی کا مفہوم اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ انسان اپنے آپ کو پہچان لے اور اس کے خالق نے اسے جو عظمت بخشی ہے اسے وہ ضائع نہ ہونے دے۔ اس دین کے اتباع میں انسان کی اپنی بھلائی اور اس کی خلاف ورزی میں اس کا اپنا ہی نقصان ہے۔

دین کی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اپنی فطرت کے مطابق زندگی بسر کرنی آ جائے اور وہ اس طرز زندگی کو اختیار کرے جس کی تلاش و جستجو ہمیشہ انسان کو رہی ہے۔ جس کسی نے اسے اختیار کر لیا تھا بقا اور خوشتر حیات اس کی تقدیر بن گئی۔ اس کی زندگی نے فطری پاکیزگی اور اس کے وجود نے یہ استحقاق حاصل کر لیا کہ خدا کی دائمی نوازشات اس کے حصے میں آئیں۔ اور وہ حرف غلط کی طرح کبھی مٹایا نہ جا سکے۔ دین کی پیروی کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ آدمی تاریکیوں سے نکل کر روشنی میں آ گیا۔ اب وہ سب کچھ اس کے لیے ہے جس کی طلب اور آرزو سے زندگی عبارت ہے۔ یعنی خوشیاں اور مسرتیں، قرب خداوندی اور حیات جاوداں!۔

دین کی طرف دعوت دینے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو ایسے فکر سے آشنا کیا جائے

جس سے بلند کسی فکر کا ہم تصور نہیں کر سکتے اور انھیں اس چیز کا آرزومند بنایا جائے جس سے بڑھ کر کوئی شے انسان کے لیے مطلوب نہیں ہوسکتی۔ دین وہ طریقِ زندگی اور اسلوبِ حیات ہے جو نہایت پُرکشش اور جاذبِ قلب ونگاہ ہے۔ جس کی طرف آدمی کھنچے تو کھنچتا چلا جائے۔ دین کا وقوف اس کے لیے ایک جمالیاتی احساس بن جائے جس سے صرفِ نظر کرنا اپنا فطرت کی اہانت ہے۔ اگر کوئی اس سے صرفِ نظر کرتا ہے تو حقیقت کی نگاہ میں ظالم اور مجرم ٹھہرے گا۔

دین خدا کی اطاعت بھی ہے اور خدا کے تصور اور اس کی یاد سے لذت گیر ہونا بھی۔ یہ دین علم بھی ہے اور عمل بھی۔ یہ دین بنی آدم کو اس کے مقام بلند سے آشنا کرنا اور اسے ہر قسم کی نکبتوں اور ہلاکتوں سے نجات دلاتا ہے۔ دین شناسی حقیقت میں خود شناسی سے مختلف کوئی چیز نہیں ہے، اسی لیے علامہ حمید الدین فراہیؒ دین کو سیر باطن سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس سے ان کی فکری گہرائی کا بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ دین بے حسی کا نام ہرگز نہیں ہے۔ نہ یہ خشک مزاجی سکھاتا ہے۔ دین نام ہے لطافتِ احساس کا۔ خدا کی حمد اور اس کی محبت دین کی اصل اساس ہے۔ خدا کی تحمید ہی ہماری اصل زندگی ہے۔ یہ حمد وثنا خدا کی محبت سے لبریز ہوتی ہے۔ اس حمد وثنا سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ بندہ خدا کا انتہائی شکرگزار ہے۔ خدا نے اس پر جو عنایات کی بارش کی ہے اس کا اسے پورا احساس ہے۔ اس نے ذرّہ کو آفتاب کے درجہ تک پہنچایا اور اسے وہ کچھ عطا کیا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس نے انسان کے مستقبل کو اس کے حال سے زیادہ معتبر اور بہتر بنایا۔ اس نے موجودہ زندگی کو اس کے مستقبل سے وابستہ کیا۔ اور دونوں کے درمیان گہرا رشتہ قائم فرمایا کہ بندہ اپنے حال کے آئینہ میں اپنے شان دار اور وجد آفریں مستقبل کا مشاہدہ کرسکتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو مومن کی زندگیوں میں ایمان کی قوت بن کر کارفرما ہوتی ہے۔ اور آدمی کو شک اور ریب اور بے یقینی کی زندگی سے نجات دلاتی ہے۔ اور بندہ زندگی ہی نہیں موت کے بھی راز سے واقف ہو جاتا ہے۔ وہ جان جاتا ہے کہ موت زندگی کے خاتمہ کا نام ہرگز نہیں بلکہ موت سے دوامِ حیات کی ابتدا ہوتی ہے ؎

ہے یہ شامِ زندگی، صبحِ دوامِ زندگی

یہ دین اخلاق بھی ہے اور کردار بھی ہے۔ لیکن اخلاق وہ جو اپنے اندر آفاقیت لیے ہوئے ہوتا ہے اور کردار وہ جس میں انسانوں ہی کو نہیں پوری کائنات کو مسخر کرنے کی قوت ہوتی

ہے۔ یہاں بے دلی اور بے حوصلگی نہیں پائی جاسکتی۔ یہاں بے کیفی اور اُداس شامیں نہیں ہوتیں۔ یہاں یقین ہوتا ہے، اعتماد ہوتا ہے۔ یہاں زندگی کی عمارت کی بنیاد خدا کے تقویٰ اور اس کی رضا پر رکھی گئی ہوتی ہے، جس سے بڑھ کر کسی مضبوط چٹان کا بھی تصور نہیں کر سکتے۔ یہاں یاس اور شکستگی نہیں۔ یہاں ایسا کوئی نقص اور عیب نہیں پایا جاتا جسے لوگوں کی نگاہوں سے چھپانے کی ضرورت پیش آئے۔

یہ وہ دین ہے پوری انسانیت کو جس کی ضرورت ہے۔ یہ انسان کی نفسیاتی اور روحانی ضرورت بھی ہے اور اس کی اخلاقی اور سماجی ضرورت بھی۔ یہ دین زندگی کے اُلجھے ہوئے حل طلب مسائل کا حل بھی ہے۔ اور انسانی روح کے طرب اور سکون و مسرت کا سامان بھی ہے۔ اسلام کے نام سے تو سبھی واقف ہیں لیکن اسلام کی معنویت اور اس کی قدر و قیمت سے لوگوں کو واقف کرانا امت مسلمہ کی منصبی ذمہ داری ہے۔ کاش، اس کی طرف توجہ دینے کی ہمیں توفیق ہوسکے۔

دینِ فطرت

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ کَمَا تُنْتَجُ الْبَھِیْمَۃُ بَھِیْمَۃً جَمْعَآءَ ھَلْ تُحِسُّوْنَ فِیْھَا مِنْ جَدْعَآءَ؟ ثُمَّ یَقُوْلُ: فِطْرَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جس طرح جانوروں کے بچے تندرست و کامل جانور پیدا ہوتے ہیں۔ کیا تم ان میں کوئی نقص پاتے ہو؟'' اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی: فِطْرَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ''اللہ کی (بنائی ہوئی) فطرت کا اتباع کرو جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی سیدھا اور اُستوار دین ہے۔'' (سورہ روم:۳۰)

تشریح: اس حدیث میں واضح الفاظ میں اس کا اظہار کیا گیا ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ انسان کا ہر نو مولود جس فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور جو صلاحیت لے کر دنیا میں آتا ہے اسلام کی اس کے ساتھ انتہائی مطابقت پائی جاتی ہے۔ بچہ کی فطرت حقیقت میں جس رہ نمائی کا تقاضا کرتی ہے وہ اسلام کے سوا کوئی اور دین نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ بچے کے سرپرست یا اس کے والدین اسلام کے سوا اگر کسی دوسرے دین کے پیرو ہیں تو وہ اپنے بچے کو اسی دین کے سانچے میں ڈھال دیتے ہیں۔ مثلاً بچہ مسلم ہونے کے بہ جائے یہودی، عیسائی یا مجوسی یا کسی اور مذہب کا پیرو بن جاتا

ہے۔ اوراس کی اصل فطرت مسخ ہوکر رہ جاتی ہے۔ فکر وخیال اور سیرت کے لحاظ سے اسے خدا کا وفادار اور طاعت گزار بندہ بن کر دنیا میں رہنا چاہیے تھا لیکن اس کے بالکل برعکس وہ خدا کا نافرمان اور اپنی فطرت کا محض مخالف بن کر رہ جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے چار پایوں یعنی بھیڑ، بکری یا اونٹنی کی مثال پیش فرمائی کہ یہ جانور اپنی ماں کے پیٹ سے صحیح وسالم پیدا ہوتے ہیں ان کے جسم میں کوئی نقص نہیں ہوتا وہ اپنے صحیح وسالم جسم کو لے کر بڑے ہوتے ہیں الا یہ کہ وہ کسی حادثے کے شکار ہو جائیں اور ان کا کوئی عضو ضائع ہو جائے۔ ٹھیک اسی طرح بگاڑ انسان کے اندر اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اسے اس کی اصل فطرت سے برگشتہ کر کے گم راہی کے راستے پر ڈال دیا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے اپنی بات کی تصدیق وتائید میں سورہ روم کی وہ آیت تلاوت فرمائی جس میں اللہ نے اپنی بنائی ہوئی فطرت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ انسان کو اس فطرت کی پیروی کرنی چاہیے جس پر خدا نے اسے پیدا کیا ہے۔ خدا کی تخلیق اور اس کی بنائی ہوئی فطرت میں کسی قسم کی تبدیلی روا نہیں ہوسکتی۔ انسان کے لیے صحیح رویہ یہی ہوسکتا ہے کہ وہ خودساختہ مسالک و مذاہب کو ترک کر کے اس دین کو اختیار کرے جو خدا کی جانب سے نازل ہوا ہے اور جو اس کی اس فطرت کے عین مطابق ہے جس پر اس کے خدا نے اسے پیدا فرمایا ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اُتِیَ لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِهٖ بِاِیْلِیَآءَ بِقَدَحَیْنِ مِنْ خَمْرٍ وَ لَبَنٍ فَنَظَرَ اِلَیْهِمَا ثُمَّ اَخَذَ اللَّبَنَ، فَقَالَ جِبْرِیْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰکَ لِلْفِطْرَةِ وَلَوْ اَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ اُمَّتُکَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ معراج کی شب مقام ایلیاء میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو پیالے لائے گئے ایک شراب کا اور دوسرا دودھ کا۔ آپؐ نے ان دونوں کی طرف دیکھا پھر دودھ کو لے لیا۔ اس پر حضرت جبریلؑ نے فرمایا: ’’خدا کا شکر ہے جس نے آپؐ کی فطرت کی طرف رہ نمائی فرمائی۔ اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپؐ کی امت گم راہ ہو جاتی۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں دین فطرت کی مثال دودھ سے دی گئی ہے اور گم راہی اور ضلالت کو شراب نوشی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دودھ میں بھرپور غذائیت پائی جاتی ہے اس کے برعکس شراب مخرب اخلاق ہی نہیں صحت جسمانی کے لیے بھی انتہائی مضرت رساں ہے۔ ان مثالوں سے بہ خوبی اس کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ اسلام انسانوں کے لیے دودھ کی طرح ایک نعمت ہے۔

اسلام کی برکتوں کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔اس کے مقابلے میں غیر اسلامی طریقے اور غیر اسلامی فکر و نظر انسانی زندگی کے لیے عذاب محض ہیں۔ان کے ذریعہ سے نہ فکری و علمی ارتقاء ممکن ہے اور نہ ان کے ذریعہ سے انسانی معاشرہ میں صحیح معنی میں عدل وقسط کا قیام ممکن ہے۔

(۳) وَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: رَأَيْتُ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِيْمَا يَرَى النَّآئِمُ كَاَنَّا فِيْ دَارِ عُقْبَةَ بْنِ رَافِعٍ فَاُتِيْنَا بِرُطَبٍ مِّنْ رُطَبِ ابْنِ طَابٍ فَاَوَّلْتُ الرِّفْعَةَ لَنَا فِى الدُّنْيَا وَالْعَاقِبَةَ فِى الْاٰخِرَةِ وَ اَنَّ دِيْنَنَا قَدْ طَابَ. (مسلم، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے ایک شب دیکھا جس حالت میں کہ سویا ہوا آدمی دیکھتا ہے کہ جیسے ہم عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں۔اور ہمارے پاس ابن وطاب کی تر کھجوریں لائی گئیں۔میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ دنیا میں ہمارے لیے بلندی اور آخرت میں انجام نیک ہے۔اور یہ کہ دین ہمارا بہتر اور عمدہ ہے۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ دنیا میں حقیقی سر بلندی اور رفعت خدا کے رسولؐ اور اس کے پیروؤں کے لیے ہی رکھی گئی ہے اور قیامت کے روز جس میں لوگوں کے آخری انجام کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا انجام نیک بھی آپؐ اور آپ کے پیروؤں کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔خدا کے نافرمان، سرکش اور باغی لوگ اس دن انجام بد سے دوچار ہوں گے۔پھر ان کے لیے اس کا کوئی موقع نہ ہوگا کہ وہ اپنے جرموں کی تلافی کر سکیں۔ذلت اور خدا کے عذاب سے وہ کبھی بھی نجات نہ پاسکیں گے۔دین حق یعنی اسلام کے متعلق فرمایا کہ یہ ایک عمدہ اور بہترین دین ہے جو ہمیں عطا ہوا ہے۔یہ دین جس نفاست، عمدگی اور حسن و دل کشی کا حامل ہے وہ اس کی دلیل ہے کہ یہ دین اپنے پیروؤں کی سربلندی، عزت اور آخرت میں ان کے انجام نیک کا ضامن ہے۔

حضور ﷺ نے یہ حقائق اپنے ایک خواب کی تعبیر کی صورت میں بیان فرمائے۔ بلندی اور رفعت کا مفہوم آپؐ نے لفظ 'رافع' سے اخذ فرمایا اور لفظ 'عقبہ' سے آپؐ نے آخرت کے نیک انجام کے معنی لیے، اور 'رطب من رطب ابن طاب' کی تاویل آپ نے یہ فرمائی کہ دین جو ہمیں عطا فرمایا گیا ہے وہ بہترین ہے۔اس کی پاکیزگی اور عمدگی میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔خواب کی تعبیر کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ لفظوں سے بہ طور فال مطلب سمجھا۔ابن طاب ایک ایسے شخص کا نام ہے جس سے ایک خاص قسم کی اچھی کھجور منسوب کی جاتی ہے۔

〈۴〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ اَوْ خَمْسٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ اَلْخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَ تَقْلِیْمُ الْاَظْفَارِ وَ نَتْفُ الْاِبْطِ وَ قَصُّ الشَّارِبِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''فطرت پانچ چیزیں ہیں یا پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، زیرِ ناف بال مونڈنا، ناخون کاٹنا، بغل کے بال اکھیڑنا اور مونچھ کترنا۔''

تشریح: یعنی آدمی اگر اچھے ذوق اور پاک اور ستھری طبیعت کا حامل ہے تو لازماً وہ ان پانچوں چیزوں کو پسند کرے گا۔ اور اس طرح پسند کرے گا کہ گویا یہ چیزیں پیدائشی طور پر اس کی طبیعت کے عین مطابق ہیں۔ ان کے لیے کسی تائید اور تعلیم کی چنداں حاجت نہیں۔ یہ پانچوں چیزیں ایسی ہیں جن سے پاکیزگی اور ستھرائی حاصل ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ ان سے طبی فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ چناں چہ بعض ڈاکٹروں کی تحقیق ہے کہ جن لوگوں کے ختنے ہوئے ہوتے ہیں وہ شرم گاہ کے سرطان (Panis Cancer) سے محفوظ رہتے ہیں۔

مونچھیں کتروانے سے صفائی کے علاوہ ایک طبی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اوپر کے ہونٹ کے گلینڈ میں ایسے ہارمونز پیدا ہوتے ہیں جن کے لیے بیرونی اثرات اور پانی بہت ضروری ہے۔ مونچھیں پانی اور ہوا کو روکتی ہیں۔ اس لیے ان کا کتروانا طبی لحاظ سے مفید رہتا ہے۔ بعض کے نزدیک مونچھیں یہاں تک لازماً کتروانا چاہیے کہ ہونٹ کا کنارہ کھل جائے۔

ایک دوسری حدیث میں نبی ﷺ نے ان پانچ چیزوں کے علاوہ مزید پانچ چیزوں کو فطرت میں شامل فرمایا ہے۔ وہ ہیں: سر میں مانگ نکالنا جس کے سر پر بال ہو (یعنی بال اُلجھے ہوئے ہوں یہ ٹھیک نہیں)، کلّی کرنا، ناک صاف کرنا، مسواک کا التزام، اور پانی سے استنجا کرنا۔ یہ پانچ چیزیں بھی فطری اور ستھرے ذوق کے عین مطابق ہیں۔ نبی ﷺ کے ارشاد سے اس کا بہ خوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ طہارت اور صفائی ستھرائی کو اسلام کس درجہ پسند کرتا ہے۔

〈۵〉 وَ عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ثَلَاثٌ لَّا یَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ یَّفْعَلَهُنَّ: لَا یَؤُمُّ رَجُلٌ قَوْمًا فَیَخُصُّ نَفْسَهٗ بِالدُّعَآءِ دُوْنَهُمْ فَاِنْ فَعَلَ فَقَدْ خَانَهُمْ. وَلَا یَنْظُرُ فِیْ بَیْتٍ قَبْلَ اَنْ یَّسْتَاْذِنَ فَاِنْ فَعَلَ فَقَدْ دَخَلَ، وَلَا یُصَلِّیْ وَ هُوَ حَقِنٌ حَتّٰی یَتَخَفَّفَ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''تین کام ایسے ہیں جو کسی کے لیے روا نہیں۔ جو شخص امام ہو اس کے لیے جائز نہیں کہ لوگوں کو چھوڑ کر صرف اپنے ہی لیے دعا کرے۔ دوسرے یہ کہ (کسی کے دروازے پر جائے) اجازت لیے بغیر گھر کے اندر جھانکے۔ اگر کوئی یہ حرکت کرتا ہے تو یوں سمجھو کہ وہ اجازت کے بغیر گھر کے اندر چلا گیا۔ (جو اس کے لیے جائز نہیں)۔ تیسرے یہ کہ شدید ضرورت لاحق ہے پیشاب یا پاخانہ کی اور کوئی قضائے حاجت سے پہلے نماز پڑھنی شروع کر دی تو یہ اس کے لیے جائز نہیں۔''

تشریح: اس حدیث میں جو باتیں بتائی گئی ہیں وہ نہایت فطری اور اعلیٰ تہذیب کی مظہر ہیں۔ امام جب دعا کر رہا ہو تو یہ بے مروتی اور بے تعلقی کی بات ہوگی کہ وہ صرف اپنے لیے دعا مانگے۔ جماعت میں شامل دوسرے افراد کو نظر انداز کر دے۔ اسے چاہیے کہ جب دعا مانگے تو سبھی کے لیے مانگے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اس کا اپنے مقتدیوں کے ساتھ تعلق بڑھے گا۔ اجتماعیت کے پہلو سے دیکھا جائے تو اس کی اہمیت سے کسی کو انکار نہ ہوگا۔

اجازت کے بغیر کسی کے گھر میں جھانکنا نہایت بدتہذیبی کی بات ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ اندر جھانکنا ایسا ہے گویا اجازت کے بغیر گھر میں داخل ہو گیا۔ یہ بات بھی جان لینا ضروری ہے کہ پیشاب پاخانہ کی شدید حاجت ہو تو قضائے حاجت سے پیشتر نماز نہ پڑھے، کیوں کہ اس صورت میں یکسوئی کے ساتھ نماز ادا نہیں کر سکتے۔ یہ تعلیمات کس درجہ فطری ہیں اور ہماری سہولت اور ہماری بھلائی کا کس درجہ لحاظ رکھا گیا ہے، اسے ہر شخص بادنیٰ تامل سمجھ سکتا ہے۔

(۶) وَ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَآ اَطْعَمْتَ نَفْسَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَمَآ اَطْعَمْتَ وَلَدَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَمَآ اَطْعَمْتَ زَوْجَتَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَمَآ اَطْعَمْتَ خَادِمَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ. (احمد)

ترجمہ: حضرت مقدام بن معد یکرب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کھانا تم کھاؤ وہ تمھارے لیے صدقہ ہے، اور جو کھانا تم اپنے بچوں کو کھلاؤ وہ بھی تمھارے لیے صدقہ ہے، اور جو تم اپنی بیوی کو کھلاؤ وہ بھی تمھارے لیے صدقہ ہے اور جو کھانا تم اپنے خادم کو کھلاؤ وہ بھی تمھارے لیے صدقہ ہے۔''

تشریح: حضور ﷺ کے اس ارشاد کے بعد اسلام کے دینِ فطرت ہونے میں کس کو شبہ ہوسکتا ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ مومن کے لیے صرف وہی انفاق صدقہ نہیں ہے جو وہ دوسرے حاجت مندوں کی حاجت روائی میں اور مساکین وفقراء پر خرچ کرتا ہے۔ بلکہ جو مال وہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے اور جو کھانا وہ اپنی بیوی یا اپنے بچوں اور اپنے خادموں کو کھلاتا ہے اس کا شمار بھی خدا کے یہاں صدقات میں ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مومن کے ہر عمل سے خواہ اس کا تعلق اس کی اپنی ذاتی ضروریات ہی سے کیوں نہ ہو اس کے اطاعت گزار اور بندۂ صادق ہونے کا ہی اظہار ہوتا ہے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ عُثْمَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَاَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَ مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَاَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهٗ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے عشا کی نماز باجماعت ادا کی اُس نے گویا نصف شب تک عبادت کی اور جس نے صبح کی نماز جماعت سے ادا کی اُس نے گویا تمام شب عبادت میں گزاری۔''

تشریح: یہ ایک اہم حدیث ہے۔ جو بات اس حدیث میں بیان ہوئی ہے وہ ایک خاص موقع کی ہے۔ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ شب بیداری اور قیام لیل کی فضیلت بیان فرما رہے تھے۔ اس پر بعض لوگوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم لوگ محنت کش ہیں۔ دن بھر محنت مزدوری کرتے ہیں۔ رات میں تہجد کے لیے اٹھنا ہمارے لیے ممکن نہ ہوگا۔ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ جس نے عشاء کی نماز باجماعت ادا کی اس نے گویا نصف شب عبادت میں گزاری اور جس نے نماز فجر باجماعت ادا کی، اس نے گویا تمام ہی رات نماز میں گزاری۔ مطلب یہ ہے کہ تمھارے لیے یہی قیام لیل ہے کہ تم نماز باجماعت عشا اور فجر کی ادا کرتے رہو۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیداری کی حالت میں نماز ادا کرکے جو شخص اپنا تعلق اپنے رب سے ظاہر کرتا ہے تو یہ تعلق نیند کی حالت میں منقطع نہیں ہوتا بلکہ یہ تعلق باقی رہتا ہے۔ محنت کش کے لیے چوں کہ شب میں اُٹھنا نہایت دشوار ہے اس لیے اگر وہ اپنے ایمان ویقین میں مخلص ہے تو اس کا سونا اور استراحت کرنا بھی عبادت میں داخل ہے۔ البتہ جو لوگ رات میں اُٹھ سکتے ہوں انھیں

قیام لیل کا اہتمام کرنا چاہیے۔ان کا یہ عمل اس بات کا ثبوت ہوگا کہ نیند ہی نہیں قیام لیل بھی ان کے لیے سامانِ راحت ہے۔انھیں آنے والے قیامت کے دن کا اس قدر خیال رہتا ہے کہ وہ شب میں انھیں خدا کے آگے کھڑے ہونے پر مجبور کرتا ہے۔راتوں میں اُٹھ اُٹھ کر وہ اپنے رب کو راضی کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔اور یہ ان کے لیے جذبۂ عبودیت کی تسکین کا سامان بھی ہوتا ہے۔

〈۸〉 وَ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ اَخْبَرَ اَنَّهُ قَالَ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اُمُوْرًا كُنْتُ اَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ صِلَةٍ وَّ عِتَاقَةٍ هَلْ لِّيْ فِيْهَا مِنْ اَجْرٍ قَالَ حَكِيْمٌ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَسْلَمْتَ عَلٰى مَا سَلَفَ مِنْ خَيْرٍ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے وہ بتاتے ہیں کہ انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول، ان امور کے بارے میں ہمیں بتائیں جو میں زمانۂ جاہلیت میں کرتا تھا۔ صلہ رحمی گردن چھڑانا اور صدقہ وغیرہ، کیا مجھے ان چیزوں کا اجر ملے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم ان بھلائیوں ہی پر مسلم ہوئے ہو جو گزرے ہوئے زمانے میں کر چکے ہو۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ صلہ رحمی، گردن چھڑانی (غلام کو آزادی دلانی) اور صدقہ وغیرہ عین اسلام ہے۔اسلام ان نیکیوں ہی کو فروغ دینے کے لیے آیا ہے۔اسلام اختیار کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی ان نیکیوں کو اختیار کرے۔اور ان کی طرف سے ہرگز غافل نہ ہو۔یہ نیکیاں اتنی اہمیت رکھتی ہیں کہ اگر کوئی شخص اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی اس طرح کی نیکیاں کرتا رہا ہے تو اس کی یہ نیکیاں ہرگز ضائع نہ ہوں گی۔گویا ان نیکیوں کی حد تک اس کی زندگی میں پہلے سے اسلام موجود تھا۔ان نیکیوں کا اجر و ثواب بھی اسے عطا کیا جائے گا۔

〈۹〉 وَ عَنِ ابْنِ عَائِذٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَا عُمَرُ، اِنَّكَ لاَ تُسْأَلُ عَنْ اَعْمَالِ النَّاسِ وَ لٰكِنْ تُسْأَلُ عَنِ الْفِطْرَةِ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابن عائذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر، تم سے (اصل میں) لوگوں کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا بلکہ تم سے سوال فطرت (اسلام) کے بارے میں ہوگا۔''

تشریح: یہ ایک اہم حدیث ہے۔ روایت میں ہے کہ نبی ﷺ ایک جنازے کے ساتھ

تشریف لے گئے۔ جب جنازہ رکھا گیا تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ، آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ یہ شخص فاسق تھا۔ نبی ﷺ نے لوگوں کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ کیا کسی نے اس شخص کو اسلام کا کوئی کام کرتے دیکھا ہے؟ ایک شخص نے کہا کہ ہاں، یا رسول اللہ ایک رات خدا کی راہ میں اس نے پاسبانی کی تھی۔ رسولِ خدا ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ اپنے ہاتھ سے مٹی بھی دی۔ اور حضرت عمرؓ کو خطاب کر کے وہ بات کہی جو اس حدیث میں نقل کی گئی ہے۔ آپؐ کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی خواہ عمل میں کتنا ہی پیچھے ہو لیکن اگر وہ مومن ہے تو اس کی کوتاہیوں کی وجہ سے اس کے ایمان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ایمان ہی وہ اصل فطرت ہے جو روحِ حیات، زندگی کا ماحصل اور ساری اشیاء میں سب سے بڑھ کر قدر و قیمت کی حامل ہے۔ مومن ہونے کے ناتے کسی شخص کے جو حقوق ہوتے ہیں ان کو ادا کرنے میں تامل نہیں کرنا چاہیے۔ مومن میت کی مغفرت کی دعا کرنی چاہیے اور اس کے بارے میں حسن ظن سے کام لینا ہی انسب ہے۔ کسی کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے اس چیز کو دیکھنا چاہیے جو اس کے دین و ایمان کی مظہر ہو۔ جہاں تک اعمال کا تعلق ہے تو اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ یہ نہ بھولنا چاہیے۔ اس حدیث میں ہمارے لیے یہ تنبیہ بھی ہے کہ میت کے برے اعمال اور اس کے ظاہری فسق کا ذکر نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کی اچھی باتوں ہی کو سامنے لانا چاہیے۔ ایک جگہ آپؐ نے فرمایا بھی ہے: اُذْکُرُوْا مَوْتَاکُمْ بِالْخَیْرِ۔ ''تم اپنے مردوں کا تذکرہ بھلائی کے ساتھ کرو۔''

دینِ آسان

(۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یَقُوْلُ: یُجَآءُ بِالْکَافِرِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَیُقَالُ لَہٗ اَرَاَیْتَ لَوْکَانَ لَکَ مِلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا اَکُنْتَ تَفْتَدِیْ بِہٖ فَیَقُوْلُ نَعَمْ فَیُقَالُ قَدْ کُنْتَ سُئِلْتَ مَا ھُوَ اَیْسَرُ مِنْ ذٰلِکَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ فرما رہے تھے: ''جب قیامت کے روز کافر کو لایا جائے گا تو اُس سے کہا جائے گا کہ بتاؤ اگر تمھارے پاس زمین بھر سونا ہوتا تو کیا تم (عذاب سے نجات پانے کے لیے) اُسے فدیہ میں دے دیتے؟ وہ عرض کرے گا کہ ہاں۔ اس پر اس سے کہا جائے گا کہ تم سے تو اس سے بہت ہی ہلکے اور کم کا مطالبہ کیا گیا تھا۔''

تشریح: یعنی اپنی نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے آج تم جس عذاب سے دوچار ہو، اس سے تمھیں ہمارے نبیوں نے دنیا کی زندگی میں ہی خبردار کردیا تھا۔ اور جس عذاب سے بچنے کے لیے آج تم زمین بھر سونا اگر تمھارے پاس ہو تو اسے بھی فدیہ میں دینے کو راضی ہو۔ لیکن دنیا میں تم سے جو مطالبہ کیا گیا تھا وہ بہت ہی ہلکا تھا۔ مطالبہ اس کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا کہ شرک اور خدا کی نافرمانی سے بچو اور ایک خدا کے مخلص بندے بن کر رہو۔ اور استطاعت ہو تو کچھ خدا کے راستے میں بھی خرچ کرو۔ تم اگر دنیا کی زندگی میں اپنے جرم کی سنگینی کو سمجھ لیتے تو یہ دن تمھیں نہ دیکھنا پڑتا۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَخْبَرَهٗ اَنَّ اَعْرَابِیًّا بَالَ فِی الْمَسْجِدِ فَثَارَ اِلَیْهِ النَّاسُ لِیَقَعُوْا بِهٖ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: دَعُوْهُ وَ اَهْرِیْقُوْا عَلٰی بَوْلِهٖ ذَنُوْبًا مِّنَ الْمَآءِ اَوْ سِجْلاً مِّنَ الْمَآءِ فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بدوی مسجد میں پیشاب کرنے لگا تو اسے مارنے کے لیے لوگ اس کی طرف دوڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا: ''اُسے چھوڑ دو، اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہادو۔ اس لیے کہ تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، سختی کرنے کے لیے تمھیں نہیں بھیجا گیا ہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دین میں سختی نہیں ہے۔ اسلام کے پیرووں کو سختی سے پرہیز کرنا چاہیے۔ تمھاری ذمہ داری ہے کہ تم آسانیاں پیدا کرو۔ لوگ اپنی نادانیوں سے جن مشکلات میں مبتلا ہیں ان مشکلات کو رفع کرو۔ اسلام آیا ہی ہے انسانوں کو مشکلات اور مصیبتوں سے نجات دلانے کے لیے۔ اس لیے اگر اس شخص نے نادانی سے مسجد میں پیشاب کردیا تو کیا قیامت برپا ہوگئی۔ اس پر سختی نہ کرو، اسے چھوڑ دو۔ پیشاب پر ایک ڈول پانی بہادو۔ جگہ پاک ہو جائے گی۔ چھوٹی سی بات کو بڑی بنا کر اپنا اور دوسروں کا وقت اور قوت ضائع کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: بَایَعْتُ النَّبِیَّ ﷺ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فَلَقَّنَنِیْ فِیْمَا اسْتَطَعْتُ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سمع وطاعت اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی تو آپ نے مجھے تلقین فرمائی کہ میں یہ بھی کہوں کہ جس قدر مجھ سے ہو سکے۔

تشریح: ''یہ بھی کہو کہ جس قدر مجھ سے ہو سکے۔'' یہ فقرہ بتاتا ہے کہ آدمی کسی چیز کا بس اسی حد تک مکلّف ہے جتنی اس کے اندر استطاعت ہے۔ یہ بات اگر آدمی کے پیش نظر رہے تو وہ کبھی بھی یاس میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ وہ خدا کا شکر گزار ہو گا کہ اس نے اس پر بس اتنا ہی بوجھ ڈالا ہے جس کو وہ اُٹھا سکتا ہے۔ وہ دین کو نعمت سمجھنے کے بہ جائے کبھی بھی اسے مصیبت تصور نہیں کرے گا۔ اور نہ دین میں شدّت اور غلو اختیار کر کے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالے گا۔

(۴) وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: كَانَ يَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خُذُوْا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيْقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا وَاَحَبُّ الصَّلٰوةِ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ دُوْوِمَ عَلَيْهِ وَ اِنْ قَلَّتْ وَكَانَ اِذَا صَلّٰى صَلٰوةً دَاوَمَ عَلَيْهَا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: ''اتنا ہی عمل کرو جتنے کی تمھارے اندر طاقت ہو۔ اللہ تو نہیں اُکتاتا جب تک کہ تم نہ اکتا جاؤ۔'' اور سب سے محبوب نماز نبی ﷺ کے نزدیک وہ تھی جس پر مداومت اختیار کی جائے اگرچہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ اور آپؐ جب کوئی نماز پڑھتے تو اس پر مداومت فرماتے۔

تشریح: اس حدیث میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ دین یہ ہرگز مطلوب نہیں ہے کہ تم اپنی طاقت سے بڑھ کر عمل کرو۔ البتہ جو عمل کرو اس پر مداومت اختیار کرو۔ وہ عمل تمھارے اخلاق و کردار کا مظہر ہو، کسی وقتی تاثر یا ہیجان کا نتیجہ نہ ہو۔ بہ طور مثال اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حضور ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تو اسے ترک نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر مداومت فرماتے تھے، جو اس بات کا ثبوت ہوتا کہ اس نماز کی اپنی ایک مستقل اہمیت ہے۔

(۵) وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ. (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''سفر میں روزہ رکھنا کچھ نیک کام نہیں۔''

تشریح: نبی ﷺ سفر میں تھے۔ دیکھا کہ ایک شخص غش پڑا ہے اور لوگوں نے اس پر سایہ کر رکھا ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ روزے سے ہے۔ اس پر آپؐ نے وہ بات کہی جو اس حدیث میں نقل کی گئی ہے۔

سفر میں روزہ رکھنا یوں بھی دشوار ہوتا ہے اور موسم اگر سخت گرمی کا ہو تو سفر میں روزہ دار نڈھال ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہر نیک کام دین ہے لیکن دین انسان کے لیے کوئی مصیبت بن کر نہیں اُترا ہے۔ اس کا کام آسانیاں فراہم کرنا اور مشکلات کو رفع کرنا ہے۔ اسی لیے آپؐ نے فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنا کچھ نیک کام نہیں ہے۔ یعنی بلا وجہ اپنے آپ کو مشقتوں میں مبتلا کرنا دین میں مطلوب نہیں۔ البتہ اگر کسی میں اتنی طاقت ہے کہ وہ روزہ رکھ کر بآسانی سفر کر سکتا ہے تو اس کے لیے اس کی اجازت ہے۔ وہ سفر میں بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔ حدیث میں اصلاً اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ دشواری اور مشقت بہ ذات خود کوئی نیک کام نہیں ہے۔ دشواریوں اور مشقتوں کو دین سمجھنا درحقیقت راہبانہ تصور کی پیداوار ہے۔ اور اسلام نے رہبانیت کو قطعاً ناجائز قرار دیا ہے۔ رہبانیت انسان کی فطرت کے خلاف ہے اور جو چیز فطرت کے خلاف ہوں ہمارا دین کیوں کر ہو سکتی ہے۔ دین کو تو ہمیشہ انسان کی فطرت کا ترجمان اور شارح ہونا چاہیے نہ یہ کہ اس کی بنا ہماری فطرت کے دواعی کی مخالفت پر رکھی گئی ہو۔

(۶) وَ عَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ اَمَرَ النَّاسَ فِیْ سَفَرِہٖ عَامَ الْفَتْحِ بِالْفِطْرِ وَ قَالَ: تَقَوَّوْا لِعَدُوِّکُمْ.

(ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوبکر بن عبدالرحمان سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے بعض اصحاب نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو جس سال مکہ فتح ہوا دیکھا کہ آپؐ نے لوگوں کو سفر میں روزہ افطار کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''اپنے دشمنوں سے مقابلے کے لیے قوت حاصل کرو۔''

تشریح: سفر میں لوگ روزے سے تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ دشمنوں سے مقابلہ درپیش تھا۔ نبی ﷺ نے روزہ توڑ دینے کا حکم دے دیا تا کہ اگر دشمنوں سے جنگ کی نوبت آجائے تو مسلمان پوری قوت سے ان کا مقابلہ کر سکیں۔ روزے سے آدمی میں ضعف آ ہی جاتا ہے اس لیے جہاد کے موقع پر روزہ توڑ دینے کی اجازت ہی نہیں، حکم دیا گیا کہ دشمنوں سے مقابلہ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین میں ہماری تمام ہی ضرورتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسی لیے دین کو آسان کہا گیا ہے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا مِنْ امْرِئٍ تَكُوْنُ لَهٗ صَلٰوةٌ بِلَيْلٍ يَغْلِبُهٗ عَلَيْهَا نَوْمٌ اِلَّا كُتِبَ لَهٗ اَجْرُ صَلٰوتِهٖ وَ كَانَ نَوْمُهٗ عَلَيْهِ صَدَقَةً. (ابوداؤد)

ترجمہ: نبی ﷺ کی اہلیہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی بھی رات میں نماز پڑھتا رہا ہو پھر اگر کسی رات اس پر نیند کا غلبہ ہوا (اور وہ اُٹھ نہ سکے) تو لازماً اس کے حق میں نماز کا اجر وثواب لکھا جائے گا۔ اور اسکی نیند صدقہ قرار پائے گی۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قیام لیل اگر کسی کے معمولات میں سے ہے اور کسی رات نیند کے غلبہ کی وجہ سے وہ نماز کے لیے اُٹھ نہیں سکا تو بھی اسے قیام لیل کا اجر وثواب ملے گا۔ کیوں کہ اگر وہ رات میں نماز کے لیے نہیں اُٹھا تو معقول عذر کی وجہ سے نہیں اُٹھا۔ اس کی وجہ غفلت اور بے پروائی ہرگز نہ تھی۔ اسے قیام لیل کا ثواب بھی ملا اور نیند سے استراحت بھی اس نے حاصل کی۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ اس کی نیند کو صدقہ قرار دیا گیا۔ یہ حدیث بھی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اسلام میں بے جا سختی روا نہیں۔ یہ ایک فطری اور آسان دین ہے۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ، وَ لَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ، فَسَدِّدُوْا وَ قَارِبُوْا وَ اَبْشِرُوْا وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَ شَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ یہ دین (اسلام) آسان ہے، اور دین سے جب بھی کوئی مقابلہ کرے گا وہ اسے شکست دے دیگا۔ لہٰذا تم سیدھے راستے پر چلو، شدت پسندی اور غلو سے بچو اور خوش رہو (تمھیں نجات ملے گی) اور کچھ صبح کو چل لو، کچھ شام کو اور کچھ رات میں چل کر مدد حاصل کرو۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ عمل کے لیے یہ دین نہایت آسان ہے۔ اس میں انسان مکلّف ہے تو بس اسی کا جس کی اسے استطاعت حاصل ہے۔ اسی لیے شدت پسندی اور غلو فی الدین سے لوگوں کو روکا گیا ہے۔ دین کو شدت پسندی کی ضرورت نہیں۔ شدّت پسندی اختیار کرنے والا بالآخر عاجز و درماندہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ دین پر وہ جتنا عمل کر سکتا تھا اس سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ اس لیے انسان کے لیے صحیح طریقہ یہ ہوگا کہ وہ دین کے سیدھے سادے راستے کو اختیار کرے۔ ہر قسم کے

غلو اور شدت پسندی سے باز رہے۔ اپنی نجات کی امید رکھے۔ اور خوش رہے، ہمیں اس مسافر کے طریقہ پر عمل کرنا چاہیے جو ٹھنڈے وقت صبح و شام سفر کرتا ہے اور کچھ رات میں بھی راستہ طے کر لیتا ہے اور لمبے سے لمبا سفر طے کر کے بہ خیریت آرام کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کے برخلاف جو مسافر ضرورت سے زیادہ جلدی مچاتا اور چلنے میں رات دن ایک کر دیتا ہے بالآخر وہ تھک ہار کر رہ جاتا ہے اور منزل اس سے دور ہی رہتی ہے۔ اس حدیث میں نبی ﷺ نے مسافر کی جو مثال دی ہے وہ نہایت بامعنی ہے۔ اس تمثیل میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ دنیا ایک سفر ہے، ہماری منزل دنیا نہیں آخرت کی کامیابی ہے۔ اس منزل کو پانے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارا سفر جاری رہے۔ اور ہمارا رخ منزل کے مخالف سمت ہرگز نہ ہو۔ یہ زندگی خدا کی اطاعت اور اس کی بندگی میں گزرے۔ صبح و شام اور کچھ رات کے آخری حصے میں نوافل کا بھی اہتمام کر لیں۔ اشراق، اور تہجد وغیرہ حقیقت میں اسی کی وہ عملی شکلیں ہیں جو حضور ﷺ نے متعین فرمائی ہیں۔

(۹) وَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ اِلٰى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا وَ اِذَا زَاغَتْ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب آفتاب ڈھلنے سے پہلے سفر کے لیے روانہ ہوتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک موخر فرماتے پھر ان دونوں کو ایک ساتھ ملا کر پڑھتے۔ اور جب آفتاب ڈھل چکا ہوتا تو پھر آپ ظہر کی نماز ادا کر کے (سفر کے لیے) سوار ہوتے۔

تشریح: اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کے پیروؤں کے لیے ان کے دین میں آسانی اور سہولت کی کس درجہ گنجائش رکھی گئی ہے۔ سفر کی حالت میں ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کر کے ادا کرنے میں مسافر کے لیے کتنی آسانی ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ عملی تجربے سے بہ خوبی ہوتا ہے۔ درحقیقت دینی احکام کے جو مقاصد ہیں اصل وہ ہیں۔ وہ مقاصد بدلے نہیں جا سکتے۔ اعمال کی ظاہری شکلوں میں ضرورت متقاضی ہو تو ان میں کچھ تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً ہم اگر کھڑے ہو کر نماز ادا نہیں کر سکتے تو بیٹھ کر ادا کریں لیکن نماز یا خدا کی یاد سے غافل رہنے کی اجازت کسی حالت میں نہیں دی جا سکتی۔ خدا کی یاد اور اللہ کی آگہی تو عین حیات ہے، اس سے دست بردار ہونے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے۔

〈۱۰〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَا حَدَّثَتْ بِهِ اَنْفُسُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ اَوْ تَتَكَلَّمْ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ نے میری امت کے لوگوں کے ان خیالات کو معاف کر دیا جو ان کے دلوں میں پیدا ہوں جب تک کہ اس پر عمل نہ کریں یا گفتگو نہ کریں۔''

تشریح: دلوں میں ناپسندیدہ قسم کے خیالات اگر خود سے آتے ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں خدا ان پر گرفت نہیں فرمائے گا۔ ایسے خیالات کی حیثیت محض وساوس کی ہے۔ شیطان دلوں میں وسوسے ڈال سکتا ہے۔ ہمیں ان پر توجہ نہیں دینی چاہیے۔ خدا وسوسوں کو معاف کر دیتا ہے۔ لیکن اگر ہم ان کو وزن دیتے ہیں۔ ان کو عمل میں لاتے یا گفتگوؤں میں ان کا پرچار کرتے ہیں تو پھر یہ چیز یقیناً قابلِ گرفت ہوگی۔ جس پر ہمارا اپنا کوئی اختیار نہیں اس پر ہماری گرفت نہ ہوگی۔ دین کس درجہ آسان اور فطری ہے۔ کاش ہم اس کی قدر و قیمت کو صحیح طور پر محسوس کر سکتے۔

دینِ رحمت

〈۱〉 عَنْ مُوْسَی بْنِ اَنَسٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَقَدْ تَرَكْتُمْ بِالْمَدِیْنَةِ اَقْوَامًا مَا سِرْتُمْ مَسِیْرًا وَلاَ اَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ وَلاَ قَطَعْتُمْ مِنْ وَادٍ اِلاَّ وَهُمْ مَعَكُمْ فِیْهِ. قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ كَیْفَ یَكُوْنُوْنَ مَعَنَا وَ هُمْ بِالْمَدِیْنَةِ؟ قَالَ: حَبَسَتْهُمُ الْعُذْرُ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت موسیٰ بن انس اپنے والد انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک جہاد کے موقع پر) فرمایا: ''تم مدینہ میں ایسے لوگوں کو چھوڑ آئے ہو جو تمھارے چلنے میں اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو اس میں اور جو وادی بھی تم طے کرتے ہو لازماً وہ ان سب میں تمھارے ساتھ شریک ہیں؟'' لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ، وہ ہمارے ساتھ کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ وہ مدینہ میں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''وہ عذر کی وجہ سے رُک گئے ہیں۔''

تشریح: خدا لوگوں کے ارادوں اور ان کی نیتوں کو دیکھتا ہے۔ اگر کوئی خدا کے راستے میں نکلنا اور جدو جہد کرنا چاہتا ہے اور اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ خدا کے دین کے فروغ اور اس کی اقامت کے سلسلہ میں وہ اپنا مال بھی خرچ کرے۔ لیکن بعض مجبوریوں اور معذوریوں کی وجہ سے نہ تو وہ جہاد کے لیے سفر اختیار کر پاتا ہے اور نہ اس سلسلہ میں اسے اپنا مال خرچ کرنے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ پھر بھی خدا کے یہاں وہ مجاہد فی سبیل اللہ قرار پاتا ہے اور اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو خدا کے راستے میں اپنا مال خرچ کر کے اس کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں کہ وہ خدا کے مخلص بندے ہیں اور اس کی رضا کے حصول کے لیے وہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ خدا کے یہاں ایسے مخلصین کا شمار ان ہی لوگوں میں ہوگا جن میں شامل ہونے کی ایسے لوگوں کو تمنا رہی ہوگی۔

جب ہم خدا کے رسولؐ کے اس ارشاد پر غور کرتے اور دیکھتے ہیں کہ دین کے مخلص حاملین پر خدا کی رحمتیں اس قدر کشادہ دامن ہیں تو اس دین کے دینِ رحمت ہونے میں کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

(۲) وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰؓ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ غَیْرَ مَرَّةٍ وَّلاَ مَرَّتَیْنِ یَقُوْلُ: اِذَا کَانَ الْعَبْدُ یَعْمَلُ عَمَلاً صَالِحًا فَشَغَلَهٗ عَنْهُ مَرَضٌ اَوْ سَفَرٌ کُتِبَ لَهٗ کَصَالِحِ مَا کَانَ یَعْمَلُ وَ هُوَ صَحِیْحٌ مُقِیْمٌ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو کئی بار کوئی ایک دو بار نہیں یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جب بندہ کوئی نیک عمل کرتا ہے پھر وہ بیماری یا کسی سفر کی وجہ سے اس کام کے کرنے سے رُک جاتا ہے تو اس کے لیے ویسی ہی نیکی لکھی جاتی ہے جیسی وہ صحت اور اقامت کی حالت میں کرتا رہا ہے۔''

تشریح: یہ حدیث بھی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام دین رحمت ہے۔ بیماری، سفر یا کسی عذر کی وجہ سے اگر کوئی شخص وہ نیک عمل نہیں کر پاتا جو وہ صحت کی حالت میں یا گھر پر رہ کر کرتا رہا ہے تو خدا بغیر عمل کے ہی اجر عطا کرتا ہے۔ اس کا عمل نہ کرنا بھی عمل قرار پاتا ہے۔ کیوں کہ عمل نہ کرنے کی وجہ نافرمانی اور غفلت نہیں بلکہ بندے کی کچھ مجبوریاں ہیں جن کی وجہ سے نیک کام میں رکاوٹ پیش آئی ہے۔

〈۳〉 وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهُ قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَنِیْ لِحَاجَةٍ ثُمَّ اَدْرَكْتُهُ وَ هُوَ يَسِيْرُ قَالَ قُتَيْبَةُ يُصَلِّيْ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَاَشَارَ اِلَيَّ فَلَمَّا فَرَغَ دَعَانِيْ فَقَالَ: اِنَّكَ سَلَّمْتَ اٰنِفًا وَ اَنَا اُصَلِّيْ وَ هُوَ مُمَوَّجَهٌ حِيْنَئِذٍ قِبَلَ الشَّرْقِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک کام سے بھیجا۔ پھر میں لوٹ کر آپؐ تک پہنچا آپؐ (سواری پر) چل رہے تھے —— قتیبہ کی روایت میں ہے کہ آپؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ (نفل نماز سواری پر درست ہے) —— میں نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے اشارے سے جواب دیا۔ آپؐ جب نماز سے فارغ ہوئے تو مجھے بلایا اور فرمایا: ''تم نے ابھی مجھے سلام کیا تھا اور میں نماز پڑھ رہا تھا (اس لیے سلام کا جواب نہ دے سکا)'' حالاں کہ منہ آپؐ کا پورب جانب تھا۔ (جب کہ قبلہ پورب کی طرف نہ تھا)۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفل نماز اونٹنی یا کسی اور سواری پر اس حالت میں پڑھ سکتے ہیں جب کہ سواری ٹھہری ہوئی نہ ہو۔ اس میں استقبال قبلہ کا بھی آدمی پابند نہیں رہتا۔ چناں چہ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ آپؐ چلتی ہوئی اونٹنی پر نماز پڑھ رہے تھے اور آپؐ کا رخ قبلہ کی طرف نہیں بلکہ دوسری جانب تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سواری پر جب نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنا ممکن نہ ہو تو کسی بھی سمت رخ کر کے نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اصل مقصد تو خدا کی طرف رخ کرنا ہے جو کسی خاص سمت میں مقید نہیں ہے۔ لیکن استقبال قبلہ کو اپنی جگہ بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسی لیے فرض نمازوں میں استقبال قبلہ لازم ہے۔ نوافل میں اس کی گنجائش رکھی گئی کہ قبلہ کی طرف اگر رخ کرنا ممکن نہ ہو تو نفل نماز ترک نہ کرے بلکہ آدمی جس سمت رخ کر کے نماز پڑھ سکتا ہو پڑھے۔ بندہ نماز میں خدا سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ یہ قربت جہاں تک ممکن ہو حاصل کرتا رہے۔ خدا اپنے قرب کا دامن بندوں کے لیے ہمہ وقت وسیع رکھتا ہے۔ اسے اس کی رحمت کے سوا اور کس چیز سے تعبیر کیا جا سکتا ہے!

〈۴〉 وَ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَؓ اَذَّنَ بِالصَّلٰوةِ فِيْ لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَّ رِيْحٍ فَقَالَ: اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاْمُرُ الْمُؤَذِّنَ اِذَا كَانَ لَيْلَةٌ بَارِدَةٌ ذَاتَ مَطَرٍ يَقُوْلُ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک رات نماز کی اذان دی۔ یہ رات سردی اور آندھی کی تھی تو (اذان کے بعد پکار کر) کہا کہ اپنے اپنے گھروں میں نماز ادا کرلو۔ پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب رات سردی اور بارش کی ہوتی تو موذن کو حکم دیتے کہ ''اذان کے بعد پکار کر کہہ دیا کرو کہ اپنے گھروں میں نماز ادا کرلو۔''

تشریح: اس حدیث سے بہ خوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دین میں سختی اور شدّت پسندی نہیں پائی جاتی۔ رات نہایت سرد ہے، اس کے علاوہ بارش بھی ہورہی ہے۔ ایسی حالت میں مسجد جانا آسان نہ تھا۔ اس لیے اذان کے ساتھ یہ اعلان کرایا جاتا ہے کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے لیکن موسم ایسا ہے کہ اس میں گھر سے نکلنا تمھارے لیے تکلیف دہ ہوگا، اس لیے نماز اپنے اپنے گھروں میں ادا کرلو۔

اسلام کے جتنے بھی احکام ہیں خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا ان کا تعلق معاشرتی امور سے یا سیاسی اور معاشی مسائل سے ہو۔ آپ کو ہر معاملہ میں خدا کی رحمت نمایاں دکھائی دے گی۔

عقلی مذہب

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَنَّ الرَّجُلَ لَيَكُوْنَ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمِ وَالزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ حَتّٰى ذَكَرَ سِهَامَ الْخَيْرِ كُلَّهَا وَمَا يُجْزٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا بِقَدَرِ عَقْلِهٖ. (بیہقی)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک شخص ہے جو نماز بھی پڑھتا ہے، روزہ بھی رکھتا ہے، زکوٰۃ بھی دیتا ہے اور وہ حج اور عمرہ بھی کرتا ہے ـــــ یہاں تک کہ آپؐ نے تمام نیک کاموں کا ذکر فرمایا ـــــ لیکن اسے قیامت کے روز اس کی عقل کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔''

تشریح: یہ حدیث اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ عقل وفہم کو دین میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ آدمی کے اندر جس قدر شعور یا عقل اور سمجھ ہوگی اس قدر وہ عبادات اور نیک اعمال کی اصل روح ومقصد سے واقف ہوگا اور اسی قدر وہ عبادت اور بندگی کا حق بھی ادا کرسکے گا۔ اور پھر اسی کے مطابق وہ اجر وثواب کا بھی مستحق قرار پائے گا۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: یَا اَبَا ذَرٍّ لاَ عَقْلَ کَالتَّدْبِیْرِ وَلاَ وَرَعَ کَالْکَفِّ وَلاَ حَسَبَ کَحُسْنِ الْخُلُقِ. (بیہقی)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذر، تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں، اجتناب و احتیاط کے برابر کوئی تقویٰ نہیں اور حسنِ اخلاق کے برابر کوئی حسب نہیں۔''

تشریح: کتنی اچھی تعلیم اس حدیث میں پیش فرمائی گئی ہے۔ جو بہ ظاہر مختصر ہے لیکن اپنے معانی و مطالب کے لحاظ سے بھلائی کی ایک بڑی حسین وجمیل دنیا اس میں دکھائی دیتی ہے۔ اس سے بڑھ کر دانش مندی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ عقل وہی ہے جو معطل ہوکر نہ رہے۔ ذی عقل حقیقت میں وہی ہے جو فکر و تدبر سے کام لیتا ہو اور زندگی میں کتنے ہی پریشان کن مسائل کیوں نہ کھڑے ہوں لیکن وہ ان کے حل کی تدبیر اختیار کرنے میں تساہل کا روادار نہ ہو۔ عمل پر جتنا پیغمبروں نے زور دیا ہے اتنا زور فلاسفر اور مفکر نہیں دے سکے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ برائیوں اور ناپسندیدہ امور سے اپنے آپ کو بچائے رکھنے سے بہتر ورع اور تقویٰ کا کوئی دوسرا مرتبہ نہیں ہوسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنی خواہشات پر قابو رکھتے ہوئے اور ناپسندیدہ امور سے اجتناب کرتے ہوئے نیک کاموں میں لگے رہنا ہی اسلام ہے۔ اور آپؐ کی یہ بات کہ حسنِ اخلاق کے برابر کوئی حسب ونسب نہیں ہوسکتا، انسانی زندگی کے لیے وہ آئیڈیل فقرہ (Motto) ہے جسے لکھ کر ہر در و دیوار پر آویزاں کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ تعصّبات اور عظمت و برتری کے غلط تصورات کی نفی ہوتی ہے بلکہ انسانی زندگی ایک ایسی شے سے آشنا ہوتی ہے جو زندگی کا اصل جوہر بلکہ عین زندگی ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ حُذَیْفَۃَؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَقِیَہٗ فَاَھْوٰی اِلَیْہِ فَقَالَ: اِنِّیْ جُنُبٌ، فَقَالَ: اِنَّ الْمُسْلِمَ لَیْسَ بِنَجِسٍ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک بار ان سے ملے تو آپؐ حذیفہؓ کی طرف (ملنے یا مصافحہ کرنے کے لیے) جھکے تو انھوں نے (حذیفہؓ نے) عرض کیا کہ میں جنب ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ''مسلمان نجس نہیں ہوتا۔''

تشریح: اگر کوئی شخص جنب ہے۔ بیوی سے ہم بستری کرنے کی وجہ سے اسے غسل کی حاجت۔

تھی لیکن وہ غسل نہیں کر سکا ہے تو اس سے وہ ناپاک نہیں ہو جاتا۔ جنابت محض نجاست حکمی ہے۔ اس لیے جنب کے ساتھ بیٹھنے اور اس سے ہاتھ ملانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ پھر مومن ہونا تو درحقیقت ایک ایسی گندگی اور ناپاکی سے پاک ہونے کا نام ہے جس سے بڑھ کر ناپاکی دوسری نہیں ہو سکتی۔ وہ ہے شرک کی گندگی۔ اس لیے مومن کے لیے نجس کا لفظ استعمال کرنا اس کے مرتبہ اور درجہ کے منافی ہے۔ یوں مشرک کی گندگی اور ناپاکی اس کے فکر وعقیدہ کی ناپاکی اور گندگی ہے۔ جسم کے لحاظ سے وہ بھی نجس اور ناپاک نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کے پاس بیٹھنے اور اس سے ہاتھ ملانے سے اس سے کوئی گندگی ہم تک منتقل نہیں ہوتی۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: یُصْبِحُ عَلٰی کُلِّ سُلَامٰی مَنِ ابْنِ اٰدَمَ صَدَقَةٌ تَسْلِیْمُهٗ عَلٰی مَنْ لَقِیَ صَدَقَةٌ وَاَمْرُهٗ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَ نَهْیُهٗ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَةٌ وَ اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَةٌ وَ بُضْعَةُ اَهْلِهٖ صَدَقَةٌ وَ یُجْزِئُ مِنْ ذٰلِکَ کُلِّهٖ رَکْعَتَانِ مِنَ الضُّحٰی. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب صبح ہوتی ہے تو آدمی کے جسم کے ہر پور پر ایک صدقہ لازم ہوتا ہے۔ پھر وہ جس سے ملے اور اسے سلام کرے تو یہ ایک صدقہ ہے، بھلائی کا حکم دینا ایک صدقہ ہے اور برائی سے روکنا ایک صدقہ ہے، راستے سے ایذا دینے والی چیز کو ہٹا دینا ایک صدقہ ہے، اور اپنی بیوی سے جماع کرنا ایک صدقہ ہے اور چاشت کی دو رکعتیں ان میں سے ہر ایک کا بدل ہو جاتی ہیں۔''

تشریح: انسان کا جسم اور اس کی جان خدا کی بخشی ہوئی عظیم نعمتیں ہیں۔ انسانی جسم کا ہر عضو بلکہ اس کے جسم کا ہر پور اور ہر جوڑ خدا کی رحمت وعنایت ہے۔ جدید تحقیق بتاتی ہے کہ زبان میں ذائقہ سے متعلق تیس ہزار ٹیوب (Taste Tube) پائے جاتے ہیں۔ کان میں سماعت سے متعلق عضویات کی تعداد ایک لاکھ ہے۔ اور آنکھ میں روشنی اخذ کرنے میں مددگار عضویات (Light Acceptators) کی تعداد ایک سو تیس ملین ہے۔ اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے وجود کے ساتھ خدا کی کس قدر عنایات ہیں۔

ہر صبح جب انسان صحیح سلامت اپنے بستر سے اُٹھتا ہے تو اس کے جسم کا ہر پور تقاضا کرتا ہے کہ اس کے لیے خدا کے شکریہ میں ایک صدقہ کرو۔ اب صدقوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ

ان کا ادا کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے، لیکن یہ خدا کا خاص کرم ہے کہ ہمارا ہر نیک عمل خدا کے یہاں صدقہ قرار پاتا ہے۔ ملنے والے سے سلام کرنا، تکلیف دہ چیزوں کا راستے سے ہٹا دینا، یہاں تک کہ اپنی بیوی کے ساتھ مقاربت بھی صدقہ میں شمار ہوتا ہے۔

اس حدیث میں ایک خاص بات یہ فرمائی گئی ہے کہ چاشت کی دو رکعتیں جب کوئی پڑھتا ہے تو یہ نمازیں معمولی نہیں ہے۔ یہ نمازیں اگر خدا کے یہاں قبول ہو جائیں تو گویا بندے نے اپنے رب کے احسانات کا شکریہ ادا کر دیا۔

سراپا حکمت

(۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَاَحَدُ ھُمْ اَھْدیٰ بِمَنْزِلِہٖ فِی الْجَنَّۃِ مِنْہُ بِمَنْزِلِہٖ کَانَ فِی الدُّنْیَا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے لوگوں میں سے ہر شخص جنت میں اپنے گھر کو دنیا کے اپنے گھر سے زیادہ پہچانے گا۔“

تشریح: آدمی اپنے گھر کو اس لیے پہچانتا ہے کہ وہ اس میں رہتا ہے۔ رہنے کی وجہ سے وہ اس سے بہ خوبی مانوس ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا گھر اس کی زندگی اور اس کے احساسات کا ایک جز بن جاتا ہے۔ اہل ایمان کو جنت میں جو گھر عطا ہوگا وہ اس گھر دنیا کے گھر کے مقابلے میں زیادہ پہچانے گا۔ اس کو وہاں پہنچنے اور پہچاننے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی۔ گویا وہ اس گھر میں اپنے دنیا کے گھر کے مقابلے میں زیادہ رہ چکا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سچے اہل ایمان دنیا میں رہ کر بھی آخرت کی زندگی گزارتے ہیں۔ دنیا کے گھر کو وہ ایک عارضی قیام گاہ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ ان کا حال اس پردیسی کا ہوتا ہے جس کا دل پردیس میں رہ کر بھی اپنے گھر کی طرف کھینچا رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دنیا کے گھر کو زیادہ آراستہ پیراستہ کرنا پسند نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ آدمی اپنے عارضی قیام گاہ سے غیر معمولی دل چسپی لے رہا ہے۔ یہ چیز اسے اپنے اصلی گھر سے بے گانہ بنا سکتی ہے۔ دنیا کا گھر تو بس ایسا

ہونا چاہیے کہ صاف معلوم ہو کہ اس میں قیام کرنے والا کہیں اور جانے کی فکر میں ہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ وہ اُس گھر سے جسے وہ خیر باد کہنے والا ہے غیر معمولی دل چسپی کیوں کر لے سکتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی کا گھر اور اس کا اپنا کمرہ اس کے ذوق وشوق اور اس کے رجحانات کا مظہر ہوتا ہے۔ عیش پرستوں کے یہاں عیش پرستی کے سامانوں کی فراوانی نظر آئے گی۔ موسیقی نواز لوگوں کے یہاں آپ کو موسیقی کے آلات ستار وغیرہ رکھے ہوئے دکھائی دیں گے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر اس کی شخصیت کی پوری تصویر آپ کے سامنے آجائے گی۔

اہلِ ایمان کے رجحانات اور ان کے احساسات وجذبات خدا وآخرت سے بے گانہ لوگوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے احساسات اور ذوق کی کامل رعایت جنت ہی میں ممکن ہے۔ دنیا میں تو ناخوش گوار باتیں پیش آہی جاتی ہیں۔ جنت کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہوا ہے: لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا۔ ''جنت میں لغو اور جھوٹ نہیں سنیں گے۔'' ایک جگہ فرمایا: لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً (جنت میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے)۔ یعنی جنت کی فضا پاکیزگی دل کی طرح پاک ہوگی۔ وہاں وہ زندگی اپنی کامل شکل میں میسر آئے گی جس کی تعمیر میں تم نے دنیا کی زندگی میں کوشش کی ہوگی۔ دنیا میں اہل ایمان آخرت کی زندگی جینے کی کوشش کرتے ہیں۔ نماز، ذکر، تلاوت اور نیک اعمال کے ذریعہ سے وہ اپنے اوپر آخرت کو یعنی اس زندگی کو طاری رکھتے ہیں جس سے بڑھ کر پاکیزہ تر اور راحت بخش حیات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن شیاطین کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ انسان زندگی کے بالکل ناقص تصور پر قانع ہوجائے۔

اہل ایمان دنیا میں آخرت کی زندگی گزارنے کی کوشش کس طرح کرتے ہیں۔ آخرت کی زندگی کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے وہ سراپا قربِ خداوندی ہے۔ دنیا میں بھی اہل ایمان سجدوں اور طاعتوں میں خدا کا قرب تلاش کرتے ہیں۔ آخرت میں سانس کی طرح ذکر کا الہام کیا جائے گا۔ خدا کا ذکر، اس کی آگہی اور اس کی محبت سانس کی طرح زندگی میں شامل ہوگی۔ دنیا میں بھی اس نعمت کو پانے کے لیے تعلیم دی گئی ہے کہ خدا کو ہر آن یاد کرو۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا۔ اللہ کو خوب خوب یاد کرو۔ یعنی اُسے کبھی نہ بھولو۔ خدا کی تحمید اور تمجید میں اگر اس کی محبت شامل نہ ہو تو اسے تحمید وتمجید نہیں کہہ سکتے۔

دنیا میں اپنے رب کو پہچاننے کا حکم دیا گیا ہے کہ دنیا میں پھیلی ہوئی اس کی نشانیوں اور انفس کی اس کی نشانیوں میں اس کی رحمتوں کو دیکھنے کی کوشش کرو۔ آخرت میں تم اسے بے حجاب دیکھو گے۔ دنیا میں بھی اس سے ہم کلام ہوتے ہو۔ آخرت میں حقیقی ہم کلامی کا شرف ہمیں حاصل ہوگا۔ دنیا میں اگر اچھے اور نیکو کار لوگ تمھارے ساتھی اور رفیق تھے تو آخرت میں بھی صالحین کی رفاقت تمھیں حاصل ہوگی۔ اہل ایمان کے لیے دنیا میں سب سے محبوب اور پسندیدہ جگہ مسجدیں ہوتی ہیں۔ مسجدیں حقیقت میں دنیا میں آخرت کا نمونہ ہیں۔ آخرت میں بادشاہی صرف خدا کی ہوگی، یہی حال مساجد کا بھی ہے۔ مساجد میں صرف خدا کی بڑائی کی جاتی ہے۔ اعلیٰ وادنیٰ، امیر وغریب سب خدا کے سامنے ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ بندہ مسجد میں خدا سے ملاقات کرتا ہے۔ آخرت لقائے رب ہی کا دوسرا نام ہے۔ الغرض آخرت اور آخرت میں مومن کا گھر اسکے جذبات واحساسات اور تمناؤں کے عین مطابق ہوگا۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم دنیا ہی پر قانع ہو کر نہ رہیں۔ ہماری روح آخرت ہی کو اپنا کاشانہ بنائے۔

(۲) وَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: كُلُّ امْرِءٍ فِيْ ظِلِّ صَدَقَتِهٖ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ. (مسند احمد)

ترجمہ: ”حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”قیامت کے روز لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک ہر شخص اپنے صدقہ کے سایہ میں رہے گا۔“

تشریح: ایک روایت میں ہے: اِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَدَقَتُهٗ (احمد) ”قیامت کے روز مومن کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا۔“ معلوم ہوا کہ مومن کا صدقہ قیامت میں اس کے لیے سایہ کا کام کرے گا۔ صدقہ دے کر اس نے دنیا میں ضرورت مندوں کی مصیبت دور کی تھی اس دن صدقہ کی برکت سے مصیبت اس سے دور رہے گی۔ صدقہ تمام نیک اعمال میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ صدقہ کرنے والے کا دل کشادہ ہوتا ہے۔ فیاضی اس کا بنیادی وصف ہوتا ہے۔ اس لیے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ دوسرے اعمال خیر سے جی چرائے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالمِ آخرت بعض پہلوؤں سے اس موجودہ عالم سے مختلف ہے۔ یہاں ضرورت کی چیزیں خدا نے پہلے سے فراہم کر دی ہیں، آدمی ان سے فائدہ اُٹھاتا ہے لیکن وہاں کا معاملہ یہاں سے مختلف ہوگا۔ وہ عالم امتحان گاہ نہیں جائے قرار ہوگا۔ اس

قرار گاہ میں ایمان وعمل اور اخلاق وکردار جن کے ساتھ ہم دنیا سے رخصت ہوئے ہوں گے وہاں کے اسباب وعلل بن جائیں گے۔ یہاں مادّی وطبعی اسباب وعوامل کو نمایاں دخل ہے وہاں ایمان اور اخلاق وکردار بنیادی طور پر مثل اسباب وعلل کے موثر ہوں گے۔

زمین پر ہماری ضرورت کی چیزیں آکسیجن اور پانی وغیرہ پہلے سے موجود ہیں۔لیکن چاند پر اگر کچھ وقت کے لیے بھی قیام کرنا ہو تو آکسیجن اور کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں ساتھ لے جانی پڑیں گی۔اس لیے ان چیزوں کی ضرورت چاند پر پہنچنے کے بعد ختم نہیں ہو جاتی، ان کا انتظام کرنا پڑے گا اور یہ انتظام زمین سے ہی کرنا ہوگا۔اگر ہم یہ انتظام نہ کریں تو چاند کی دنیا ہمیں قبول نہیں کر سکتی۔ہم ہلاک ہو کر رہ جائیں گے۔اسی طرح آخرت کے لیے سامان ہمیں اسی موجودہ دنیا ہی میں کرنا ہوگا۔جو لوگ آخرت کی تیاری کر لیتے ہیں ان کو آخرت کی فضا بالکل سازگار ملے گی۔ان کی وہاں ساری آرزوئیں بھی پوری ہوں گی۔

مومن جس طرح آخرت میں فیصلے سے پہلے اور جنت میں داخل ہونے سے پہلے صدقہ کے سایہ میں ہوگا اسی طرح مومن کو یہ امتیاز دنیا میں بھی حاصل ہے وہ یہاں اصلاً ایمان و عمل ہی کے سایہ میں جیتا ہے، دوسری مادی چیزیں ایسی نہیں ہیں کہ جو اسے تسکین دے سکیں۔ ایمان وعمل کی وجہ سے اسے خدا کی معیت اور مدد حاصل ہوتی ہے، اس کی تائید مختلف احادیث سے ہوتی ہے۔مثلاً صدقہ بُری موت کو دفع کرتا ہے۔(ترمذی)، ایک حدیث میں ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کو کپڑا پہنادے تو وہ اللہ کی حفاظت میں رہے گا۔(احمد، ترمذی) یہ اور اس طرح کی روایات اس پر شاہد ہیں کہ اس دنیا میں بھی اہل ایمان کو صدقہ کا سایہ میسّر ہوتا ہے۔ ایمان وعمل درحقیقت خدا سے وابستگی کا دوسرا نام ہے۔خدا سے وابستگی اپنے اثرات کے لحاظ سے کسی بھی راحت بخش سایہ سے کم نہیں ہوسکتی۔یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے محسوس کرنے کی ضرورت ہے۔

(۳) وَ عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ اٰوٰى ضَالَّةً فَهُوَ ضَالٌّ مَالَمْ يُعَرِّفْهَا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنیؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا نے فرمایا: ''جس کسی نے کسی بھٹکے ہوئے جانور کو رکھ لیا وہ خود بھٹک گیا ہے جب تک کہ اس کی پہچان نہ کرائے۔''

تشریح: جس کسی کو کوئی بھٹکا ہوا جانور مل جائے تو اس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اس کا عام اعلان کرائے تا کہ وہ جس کا جانور ہو اسے خبر ہو سکے اور وہ اسے اپنے گھر لے جائے۔ لیکن اگر بھٹکے ہوئے جانور کو کوئی شخص اپنے گھر میں باندھ رکھتا ہے۔ اور خاموش رہتا ہے کہ اصل مالک کو خبر نہ ہو سکے اور وہ شخص اس جانور سے فائدہ اُٹھائے تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بھٹکا ہوا جانور تو جانور تھا اسے باندھ رکھنے والا شخص خود بھٹک گیا۔ جانور کے اصل مالک کا تو صرف جانور گم ہوا تھا، یہاں اس شخص نے تو خود کو ضائع کر دیا۔ ایسے آدمی کی خدا کی نگاہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہو سکتی۔ اور عام انسان بھی اس کا احترام نہیں کر سکتے۔ اس سے بڑھ کر خسارے کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

حقیقت پسندی

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَکْرَمُ النَّاسِ؟ قَالَ: اَتْقَاکُمْ. قَالُوْا لَیْسَ عَنْ هٰذَا لَنَسْأَلُکَ، قَالَ: فَیُوْسُفُ نَبِیُّ اللّٰهِ بْنُ نَبِیِّ اللّٰهِ بْنِ خَلِیْلِ اللّٰهِ. قَالُوْا لَیْسَ عَنْ هٰذَا لَنَسْأَلُکَ، قَالَ: فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُوْنَنِیْ خِیَارُهُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ خِیَارُهُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول، لوگوں میں سب سے بڑھ کر مکرم کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''جو تم میں سب سے زیادہ (اللہ کا) ڈر رکھتا ہے۔'' انھوں نے عرض کیا؟ ہم یہ آپ سے نہیں پوچھتے۔ فرمایا: ''تو پھر سب میں مکرم حضرت یوسف ہیں جو اللہ کے نبی اور نبی کے بیٹے اور خلیل اللہ کے پوتے ہیں۔'' انھوں نے عرض کیا کہ ہم یہ نہیں پوچھتے۔ فرمایا کہ ''پھر تم عرب کے معادِن (قبائل) کے بارے میں مجھ سے پوچھ رہے ہو۔ ان میں جو زمانۂ جاہلیت میں اچھے تھے وہی اسلام میں بھی اچھے ہیں جب کہ وہ دین میں سمجھ حاصل کر لیں۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں اور قبیلوں کی مثال معادن (کان) کی ہے۔ بعض کانیں سونے کی ہوتی ہیں۔ بعض لوہے اور بعض کوئلے کی ہوتی ہیں۔ ٹھیک یہی حال انسانوں اور خاندانوں اور قبیلوں کا بھی ہوتا ہے۔ بعض خاندانوں میں شجاعت، سخاوت، غیرت جیسی خوبیاں

پیدائشی طور پر پائی جاتی ہیں۔ عرب میں قریش خاندان کا یہی حال تھا۔ قریش جاہلیت اور اسلام دونوں میں نمایاں رہے۔ جو انسانی اخلاقیات کے لحاظ سے کفر میں بہتر تھا وہ اسلام میں بھی بہتر ثابت ہوا۔ انسانی اور اخلاقی خوبیوں کو اسلام نے مزید توانائیاں عطا کیں۔ چناں چہ اسلام میں داخل ہو کر انسانی جوہر سے آراستہ ایسے لوگوں نے وہ کارنامے انجام دیے جنھیں دیکھ کر عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔ ذاتی اوصاف جب دین وایمان کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتے ہیں تو نورٌ علیٰ نور کا منظر سامنے آتا ہے۔ کسی قوم یا فرد کی ذاتی شرافت کی دین وایمان کے بغیر خدا کی نگاہ میں کوئی قدر وقیمت نہیں ہو سکتی۔

دینِ الفت

(۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: لاَ یَجِدُ اَحَدٌ حَلاَوَۃَ الْاِیْمَانِ حَتّٰی یُحِبَّ الْمَرْءَ لاَ یُحِبُّهُ اِلاَّ لِلّٰهِ وَ حَتّٰی اَنْ یُّقْذَفَ فِی النَّارِ اَحَبُّ اِلَیْهِ مِنْ اَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ، وَ حَتّٰی یَکُوْنَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص ایمان کی حلاوت نہیں پائے گا جب تک کہ ایسا نہ ہو کہ وہ کسی سے محبت کرے تو اللہ ہی کے لیے کرے، اور آگ میں ڈال دیا جانا اسے اس سے زیادہ پسند ہو کہ کفر کی طرف واپس ہو جب کہ اللہ نے اس سے اسے نجات دلائی ہے اور جب تک کہ اللہ اور اس کا رسول اسے دوسری تمام چیزوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جائیں۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ ایمان ایک لذیذ شے ہے، شاید یہ دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر لذیذ ہے۔ لیکن ایمان کی یہ لذت اس وقت نصیب ہوتی ہے جب آدمی کا ایمان اس درجہ کا ہو جائے کہ خدا کی محبت ہی کی اس کی زندگی میں اصل کارفرمائی ہو۔ یہی اس کی زندگی میں اصل محرک شے ہو۔ یہاں تک کہ وہ اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو یہ محبت بھی اللہ ہی کے لیے ہو۔ اور اللہ اور رسول اسے سب سے زیادہ محبوب ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول پر ایمان سے مطلوب محض ان پر یقین کرنا

نہیں بلکہ ان سے انتہائی محبت کا تعلق رکھنا ہے کیوں کہ اس کے بغیر نہ ایمان کی لذت اور حلاوت حاصل ہو سکتی ہے اور نہ اس کے بغیر حقیقی ایمان کا تحقق ممکن ہے۔ چناں چہ ایک روایت میں واضح طور پر نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا بھی ہے کہ اے عمر تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک میں تمھیں تمھاری اپنی جان سے بھی بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔ (بخاری)

〈۲〉 وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔''

تشریح: ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ، قیامت کب قائم ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا: تجھ پر افسوس کہ تو نے اس کے لیے کیا سامان کر رکھا ہے؟ اس نے کہا کہ کوئی سامان نہیں کیا ہے سوائے اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: اِنَّكَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ۔ ''تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے تو محبت کرتا ہے۔'' صحابہؓ کو جب معلوم ہوا کہ آپؐ نے یہ بات ہر ایک کے لیے فرمائی ہے کہ وہ اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے تو اس دن اُنھیں جو خوشی حاصل ہوئی وہ اس سے پہلے اگر حاصل ہوئی تھی تو صرف اس وقت جب وہ ایمان لے آئے تھے۔ (مسلم)

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ ساتھ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ سب کا درجہ اور مرتبہ بالکل ایک ہو جائے گا، بلکہ ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے سے دور نہیں ہوں گے۔ انھیں ایک دوسرے کی معیت اور رفاقت حاصل ہوگی۔ لیکن یہ کرشمہ سچی محبت کا ہوگا۔ اگر کوئی خدا اور اس کے رسول کی محبت کا دعویٰ تو کرتا ہے مگر خدا اور اس کے احکام کی اسے کوئی پروا نہیں۔ خدا اور اس کے رسول کی نافرمانیوں ہی میں اس کی زندگی بسر ہوتی ہے تو وہ اپنے دعوی میں جھوٹا قرار پائے گا۔

〈۳〉 عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِيْ اَلْيَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِيْ ظِلِّيْ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّيْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''قیامت کے روز اللہ فرمائے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو میری عظمت و جلال کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے سے

محبت کرتے تھے؟ آج میں انھیں اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔ آج میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے۔''

تشریح: آخرت میں خدا کی رحمت اور اس کے عرش کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ آخرت دراصل دارالجزا ہے۔ یہ سایہ جن لوگوں کو میسر ہوگا ان میں وہ لوگ بھی شامل ہوں گے جو دنیا میں باہم اللہ کے لیے محبت رکھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ خدا کی عظمت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ہم اس کے بندوں کو کبھی نظرانداز نہ کریں۔ ان کے لیے نصح وخیر خواہی کا جذبہ اپنے اندر موجود ہو اور یہ جذبہ کبھی بھی سرد نہ ہونے پائے۔ اور دنیا میں جو خدا کے وفادار اور اطاعت گزار بندے ہیں جنھیں خدا پسند فرماتا ہے انھیں ہم بھی عزیز رکھیں۔ ان سے ہمیں بھی محبت اور الفت ہو۔ اور اس محبت اور تعلق کے پیچھے کوئی خودغرضی کام نہ کر رہی ہو۔ بلکہ یہ محض خدا کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لیے ہو۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ خدا کو اپنے بندوں سے کتنا گہرا تعلق ہے۔ اور اسلام کو زندگی کے معاملات میں اصلاً بے لوث محبت کی کارفرمائی مطلوب ہے۔

دین نعمت

(۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَیْتُ النَّاسَ یُعْرَضُوْنَ عَلَیَّ وَعَلَیْهَا قُمُصٌ مِّنْهَا مَا یَبْلُغُ الثُّدِیَّ وَ مِنْهَا مَادُوْنَ ذٰلِکَ وَ عُرِضَ عَلَیَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَ عَلَیْهِ قَمِیْصٌ یَجُرُّهٗ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَ ذٰلِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ الدِّیْنَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے (خواب میں) دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں اور ان (کے جسم) پر قمیصیں ہیں۔ بعض قمیصیں تو صرف پستانوں تک ہی ہیں اور بعض ان سے نیچے ہیں۔ اور عمر بن خطابؓ بھی میرے سامنے پیش کیے گئے ان کے جسم پر جو قمیص ہے (وہ اتنا لمبا ہے) وہ اسے کھینچتے ہوئے چلتے ہیں۔'' لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ، اس کی تعبیر کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اس کی تعبیر دین ہے۔''

تشریح: یہ حدیث اور دوسری کتنی ہی ایسی حدیثیں ہیں جن میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ

دین جس کی طرف خدا کے رسولؐ کو لوگوں کو دعوت دینے کا حکم ہوا ہے اس کی ایک نمایاں حیثیت نعمت، خدا کی رحمت اور اس کی نوازش کی ہے۔ دین کی تفہیم اس لحاظ سے بھی ہونی چاہیے کہ دین محض ایک ذمہ داری ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایک بڑی نعمت بھی ہے۔ اسی لیے دین کو کسی حدیث میں دودھ سے تعبیر کیا گیا ہے تو کہیں اس کے لیے کھانے کے دسترخوان پر بلائے جانے کی مثال پیش فرمائی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں ہم یہاں صرف ایک حدیث نقل کرنا چاہیں گے جس میں دین کو کئی پہلوؤں سے خدا کے نبی ﷺ نے نعمت قرار دیا ہے، نبی ﷺ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ كَاَنَّا فِيْ دَارِ عُقْبَةَ بْنِ رَافِعٍ وَ اُوْتِيْنَا بِرُطَبِ بْنِ مَطَابٍ، فَاَوَّلْتُ اَنَّ الرِّفْعَةَ لَنَا فِي الدُّنْيَا وَالْعَاقِبَةُ فِي الْاٰخِرَةِ وَ اِنَّ دِيْنَنَا قَدْ طَابَ. (ابوداؤد)

''میں نے رات میں خواب میں دیکھا کہ میں گویا عقبہ بن رافع کے گھر میں ہوں اور مجھے رُطب بن مطاب کی کھجور (جو بہترین قسم کی کھجور ہے) عطا کی گئی۔ تو میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ بلندی دنیا میں ہمارے لیے ہے اور انجام بخیر بھی آخرت میں ہمارے لیے مقدر ہے اور بلاشبہ ہمارا دین بہترین ہے۔''

حدیث میں اگر دین کو قمیص سے تعبیر فرمایا ہے تو یہ ایک بہترین تعبیر ہے۔ قمیص سے جسم کی حفاظت ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ جسم کے لیے باعثِ زینت بھی ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں تو صاف الفاظ میں آپؐ نے ظاہر فرمایا ہے کہ دین کی یہ دولت دنیا میں ہمارے لیے رفعت اور بلندی رکھی گئی ہے جس کو کوئی چیلنج نہیں کرسکتا۔ آخرت کی کام یابی بھی نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین سے وابستہ ہے۔ سوچیے یہ دین کتنی بڑی نعمت اور ہمارے لیے باعث عزت ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ خواب کی یہ تعبیر نبی ﷺ نے ''دار عقبۃ بن رافع'' اور ''اُوْتِيْنَا بِرُطَبِ بْنِ مَطَابٍ'' جیسے الفاظ کی روشنی میں فرمائی ہے۔

اخلاق وکردار

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنُكُمْ اَخْلَاقًا. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں بہترین وہ شخص ہے جس کا تم میں اخلاق سب سے اچھا ہو۔''

تشریح: کسی شخص کے اچھے ہونے کی اصل پہچان یہ ہے کہ اس کے اخلاق اچھے ہوں۔ اخلاق کے لحاظ سے وہ جتنا بہتر انسان ہوگا، دین کے نقطۂ نظر سے بھی وہ اتنا ہی بہتر مانا جائے گا۔ دین درحقیقت اخلاق و کردار ہی کا دوسرا نام ہے۔ البتہ اسلام نے اخلاق کا جو تصور پیش کیا ہے وہ نہایت وسیع ہے۔ اس کے دائرہ میں انسان کی پوری آجاتی ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ اخلاق اور کردار ہی ہے کہ ہم خدائے واحد پر ایمان لائیں اور اس کے احسانات پر اس کے شکرگزار رہوں۔ اور اس کی متعین کی ہوئی زندگی کی سیدھی راہ پر چلنے کی کوشش کریں۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِیْ لِتَمَامِ مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَ كَمَالِ مَحَاسِنِ الْاَفْعَالِ. (شرح السنۃ)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے مجھے اخلاقی خوبیوں اور اچھے کاموں کو پورا کرنے کے لیے بھیجا ہے۔''

تشریح: یعنی یہ بات جان لینے کی ہے کہ پیغمبر دنیا میں کوئی عجوبہ دکھانے کے لیے نہیں بھیجا جاتا۔ وہ انسانی دنیا میں محض اس لیے آتا ہے کہ وہ لوگوں کے اخلاق و اعمال سنوارے اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے انھیں وہ بلند سے بلند مقام تک پہنچائے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ.

(احمد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حسنِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں بھی یہی بات کہی گئی ہے کہ پیغمبر دنیا میں اصلاً جس کام کے لیے آتا ہے وہ حسنِ اخلاق کی تکمیل ہے۔ اخلاق ہی دین ہے اور دین اخلاق ہے۔ دین جس شخص کا اخلاق نہ بن سکا وہ حقیقت میں دین سے بہت دور ہے۔ دنیا میں لوگ اُسے خواہ سب سے بڑھ کر دین دار سمجھتے ہوں۔

دین رہبانیت نہیں

(۱) عَنْ عَائِشَةَ ؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ بَعَثَ اِلٰی عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ فَجَاءَ هُ فَقَالَ: یَا عُثْمَانُ اَرَغِبْتَ عَنْ سُنَّتِیْ؟ قَالَ: لاَ وَاللّٰهِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لٰکِنْ سُنَّتَکَ اَطْلُبُ. قَالَ: فَاِنِّیْ اَنَامُ وَ اُصَلِّیْ وَ اَصُوْمُ وَ اُفْطِرُ وَ اَنْکِحُ النِّسَآءَ فَاتَّقِ اللّٰهَ یَا عُثْمَانُ فَاِنَّ لِاَهْلِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَ اِنَّ لِضَیْفِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَ اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا فَصُمْ وَ اَفْطِرْ وَ صَلِّ وَ نَمْ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون کو بلا بھیجا اور فرمایا: ”اے عثمان، کیا تم میرے طریقے کو ناپسند کرتے ہو؟“ وہ بولے: نہیں، اے اللہ کے رسول، میں تو آپ ہی کے طریقے کو پسند کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ”میں سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں۔ روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ تو اے عثمان، خدا سے ڈرو، تمھاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمھارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے۔ اور تمھارے اپنے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ لہٰذا روزہ رکھو بھی، اور نہیں بھی رکھو، نماز بھی پڑھو اور سویا بھی کرو۔“

تشریح: معلوم ہوا کہ نفس کشی اور زہد و عبادت میں غلو اختیار کرنا اسلام کے خلاف ہے۔ بس اتنی عبادت اور زہد دین میں مطلوب ہے جس کی تائید نبی ﷺ کی سنت سے ہوتی ہو۔ یہ ہرگز درست نہیں ہے کہ آدمی اہل و عیال اور اپنے نفس کے حقوق کی طرف سے بالکل غافل ہو جائے اور اپنے آپ کو زہد و ریاضت کی نذر کر دے۔ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کی سنت ہی ہمارے لیے اصل رہ نما ہے۔ آپؐ کی سنت اور طریقے سے ہٹ کر جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے گا اسلام کی نگاہ میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔

یہ طریقہ کسی قدر فطرت کے قریب ہے کہ آدمی سوئے بھی اور رات میں قیام بھی کرے۔ فرض کے علاوہ نفل روزے بھی رکھے اور کبھی نہ رکھے۔ ایسا نہ کرے کہ صائم الدہر بن جائے اور ہمیشہ روزہ ہی رکھتا رہے۔ آدمی پر بیوی بچوں کا بھی حق ہے، اور آنے والے مہمانوں کا بھی حق ہے اور سب سے بڑھ کر خود اپنی ذات کا بھی حق ہے۔ عبادت اور ریاضت بس اس حد تک درست ہے کہ آدمی پر جو لوگوں کے اور اپنے حقوق عائد ہوتے ہوں اس کی وجہ سے ان سے وہ

غافل نہ ہو۔ اور ایسا نہ ہو کہ وہ عبادت اور ریاضت ہی کو سب کچھ سمجھ لے۔ آدمی کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ زندگی کی نیرنگیوں میں ایک ہی حقیقت کے جلوے کارفرما ہیں ان میں سے کسی ایک کی طرف سے بھی اجتناب جرم ہے۔

(۲) وَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ: قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ کَانَ یَقُوْلُ لاَ تُشَدِّدُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ فَیُشَدَّدَ عَلَیْکُمْ فَاِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ فَتِلْکَ بَقَایَاهُمْ فِی الصَّوَامِعِ وَالدِّیَارِ رَهْبَانِیَّةَ اِبْتَدَعُوْهَا مَا کَتَبْنَا عَلَیْهِمْ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ فرمارہے تھے: ''اپنی جانوں پر سختی نہ کرو ورنہ تم پر سختی ہوگی کیوں کہ بعض لوگوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے ان پر سختی کی۔ ان ہی کی بقایا ہیں گرجاؤں اور گھروں میں (خدا کا ارشاد ہے) رہبانیت (کی رسم) اُنھوں نے خود نکالی تھی ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی۔''

تشریح: اس حدیث نے واضح طور پر بتادیا کہ اسلام میں ایسی درویشی کی کوئی گنجائش نہیں ہے جس کے معنی ترک دنیا اور ترک لذّات ہو۔ یہ رہبانیت ہے جو اسلام کے مزاج اور اس کے مقاصد کے بالکل خلاف ہے۔ اپنے اوپر سختی کو لازم کرنا ہی اگر دین ٹھہرا تو پھر دین انسان کے لیے ایک مصیبت ہوا۔ اسے انسانی زندگی کا شارح اور ترجمان نہیں کہا جاسکتا۔ اور نہ زندگی کے لیے اس سے رہ نمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ بدھسٹوں کے مٹھوں اور عیسائیوں کے گرجا گھروں (چرچوں) یا کسی خانقاہ میں اگر رہبانیت سکھائی جاتی ہے تو یہ وہی چیز ہے جس سے قوموں کو ہمیشہ روکا گیا ہے۔ جب لوگوں نے خود ہی اپنے اوپر سختی لازم کرلی تو پھر خدا نے بھی انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا کہ وہ بہ زعم خویش سختی اور رہبانیت ہی کو نجات کا ذریعہ سمجھتے رہیں۔ اسلام نے رہبانیت کو منشائے خداوندی کے خلاف بتایا۔ اور اپنے پیرووں کو رہبانیت سے دور رکھا۔ رہبانیت کی بقایا اور اس کے نمونے آج بھی گرجاؤں یا راہبوں کی رہائش گاہوں میں دیکھے جاسکتے ہیں کہ کس طرح کچھ لوگ دنیا کی نعمتوں کو اپنے اوپر حرام کرلینے ہی کو اصل دین داری اور مذہب سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ دین ترک سے بڑھ کر پانے کا نام ہے۔

حقائق کی رعایت

(۱) عَنْ جَرِیْرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ ھٰذَا لاَ تُضَامُّوْنَ فِیْ رُؤْیَتِہٖ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَّا تُغْلَبُوْا عَلٰی صَلٰوۃٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِھَا فَافْعَلُوْا ثُمَّ قَرَأَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت جریرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم قیامت کے روز اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جیسے اس (چاند) کو دیکھتے ہو۔ لوگوں کے ہجوم سے اس کے دیکھنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے گی۔ اگر تم سے ممکن ہو تو سورج نکلنے سے پہلے کی اور اس کے ڈوبنے سے پہلے کی نماز کی محافظت کرو۔'' پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''اپنے رب کی حمد کی تسبیح کرو طلوع آفتاب سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے۔''

تشریح: آسمان میں چودہویں تاریخ کا چاند چمک رہا تھا، اسے دیکھ کر آپؐ نے فرمایا کہ تمھیں قیامت کے روز اپنے رب کا دیدار اسی طرح حاصل ہوگا۔ جس طرح اس چاند کو ایک ساتھ کتنے ہی لوگ دیکھتے ہیں لیکن اس سے کسی کے دیکھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ ٹھیک اسی طرح لوگ قیامت کے دن اپنے رب کو بغیر کسی رکاوٹ کے دیکھیں گے۔ فجر اور عصر کی نمازوں کا اہتمام کرنے والے اپنے رب کے دیدار کے مستحق ہیں۔ سورج طلوع ہونے والا ہے مگر وہ سورج کو نہیں خدا کو یاد کرتے ہیں۔ سورج ڈوبنے جا رہا ہے لیکن وہ جانتے ہیں کہ جس کو انھوں نے اپنا رب قرار دیا ہے اسے زوال نہیں۔ وہ اسی کے آگے سجدہ گزار ہوتے ہیں۔ ہاں دنیا میں سورج کی ایک نمایاں حیثیت ہے۔ اس کے طلوع ہونے پر ہمیں دن میسر ہوتا ہے اور اس کے غروب ہونے پر رات ہوتی ہے۔ اور دن اور رات دونوں ہی کی ضرورت انسان کو ہے۔ اور ان کا دار و مدار سورج کے طلوع اور غروب ہونے پر ہے۔ لیکن بندۂ مومن جانتا ہے کہ سورج یا چاند سب ایک خدا کے چاکر ہیں۔ اسی کے حکم سے یہ ہماری خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ عبادت کا مستحق خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔

〈۲〉 وَ عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃؓ قَالَ حِیْنَ نَامُوْا عَنِ الصَّلٰوۃِ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اِنَّ اللّٰہَ قَبَضَ اَرْوَاحَکُمْ حِیْنَ شَآءَ وَ رَدَّھَا حِیْنَ شَآءَ فَقَضَوْا حَوَآئِجَھُمْ وَ تَوَضَّؤُوْا اِلٰی اَنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَابْیَضَّتْ فَقَامَ فَصَلّٰی. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ لوگ سو گئے اور نماز (صبح کی) قضا ہوگئی تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: خدا نے جب چاہا تمھاری روحوں کو قبض کر لیا اور جب چاہا واپس کر دیا۔ چناں چہ لوگ اپنی ضروریات سے فارغ ہوئے اور وضو کیا۔ یہاں تک کہ سورج طلوع ہو کر سفید ہو گیا تو آپؐ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔

تشریح: قرآن میں بھی ہے خدا نیند کی حالت میں ہماری روحیں قبض کر لیتا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے: اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا ج فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَ یُرْسِلُ الْاُخْرٰیٓ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی۔ (الزمر: ۴۲)

”اللہ ہی روحوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کرتا ہے، اور جس کی موت نہیں آئی اسے اس کی نیند کی حالت میں قبض کر لیتا ہے۔ پھر جس کی موت کا فیصلہ کر دیا ہے اسے روک رکھتا ہے اور دوسروں کو ایک مقرر وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔“ یعنی خدا موت کا تجربہ ہر ایک شخص کو کراتا ہے کہ آدمی سمجھ لے کہ خدا جب چاہے اسے اپنے قبضے میں لے لے اور اس کی ساری آزادی ختم ہو کر رہ جائے۔ مرنے کے بعد آدمی تو موجود ہوتا ہے لیکن آزاد نہیں خدا کے قبضے میں ہوتا ہے، مرنے کے بعد آدمی جس دنیا میں رہتا ہے اسے سمجھنے کے لیے ہماری یہ خواب کی دنیا کافی ہے۔ آدمی کی نیند جب ٹوٹ جاتی ہے کہ تو گویا اسے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا گیا۔ اسے پھر ارادہ و عمل کی آزادی میسر آ گئی۔ لیکن بالآخر حقیقی موت سے تو اسے ایک دن دوچار ہونا ہی پڑے گا، جس کے بعد دنیا میں واپسی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

〈۳〉 وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَکَدْ تَکْذِبُ رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّۃٍ وَّ اَرْبَعِیْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّۃِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”جب قیامت قریب ہوگی تو مومن کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا، اور مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔“

تشریح: قیامت وہ دن ہے جب سارے راز کھل جائیں گے۔ اور سارے حقائق پوری روشنی میں آجائیں گے۔ کسی کے لیے حق وصداقت کے انکار کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے قریب زمانے کی یہ خصوصیت ہوگی کہ مومن سچے خواب دیکھے گا۔ وہ خواب میں جو کچھ دیکھے گا اس کی تعبیر نمایاں طور پر سامنے آجائے گی۔ یہ حقیقت میں قیامت کے اثر ہی کی وجہ سے ہوگا جو دور نہیں بہت قریب ہوگی۔

اس حدیث میں ایک بہت ہی اہم اور غور وفکر کی بات فرمائی گئی ہے۔ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیس حصوں میں ایک حصہ ہوتا ہے۔ مومن کے سچے خواب کو نبوت سے ایک گونہ مشابہت حاصل ہوتی ہے۔ خواب میں آدمی کا اپنا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ وہی دیکھے گا جو اسے دکھایا جائے گا۔ یہی حال نبوت کا بھی ہے اس میں نبی کا اپنا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ساری نوازش خدا کی ہوتی ہے۔ خواب کے ذریعہ سے آدمی کو بعض ایسی باتیں معلوم ہوجاتی ہیں جن کے جاننے کا کوئی مادّی ذریعہ نہیں ہوتا۔ اس لیے خواب کو وحی ونبوت سے کسی قدر مشابہت ومماثلت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وحی ونبوت ایک اور ہی چیز ہے جس کا تجربہ صرف ایک نبی ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن مومن کے سچے خواب اس کا ثبوت ضرور ہیں مادّی ذرائع کے علاوہ علم ومعرفت کا ایسا ذریعہ بھی ممکن ہے جو مادّی نہ ہو لیکن مادی ذرائع سے کہیں زیادہ وہ محکم اور معتبر ہو۔ وہ ذریعہ ہے نبوت اور وحی الٰہی کا۔ اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کو نبوت سے نوازتا ہے تو غیر مادی ذریعہ اور غیر مادّی طریقے سے اس تک اپنا پیغام پہنچاتا ہے۔ اس کو مذہب کی اصطلاح میں وحی ورسالت کہتے ہیں۔

وحدتِ دین

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: اَنَا اَوْلَی النَّاسِ بِابْنِ مَرْیَمَ وَالْاَنْبِیَآءُ اَوْلَادُ عَلَّاتٍ لَیْسَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهٗ نَبِیٌّ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''میں ابن مریم (حضرت عیسیٰؑ) کے قریب سب لوگوں سے زیادہ ہوں۔ تمام انبیاء باہم علاتی بھائی (کے مثل) ہیں اور میرے اور عیسیٰؑ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے؟

تشریح: نبی ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں حضرت عیسیٰؑ کے بہت قریب ہوں، میرے

اوران کے درمیان اورکوئی نبی نہیں گزرا ہے۔ یوں انبیاء علیہم السلام تمام کے تمام ایک دوسرے سے بے حد قریب ہیں کیوں کہ وہ آپس میں علاتی بھائی کے مثل ہیں۔ علاتی بھائی وہ ہوتے ہیں جن کی مائیں الگ الگ ضرور ہوتی ہیں لیکن باپ ان سبھی کا ایک ہوتا ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام خدا کی طرف سے جو دین لے کر آتے رہے ہیں وہ دین اپنی اصل اور بنیادی تعلیمات اور عقائد و نظریات کے لحاظ سے ایک ہی رہا ہے۔ البتہ چوں کہ انبیاؑ مختلف زمانوں اور مختلف حالات اور مختلف قوموں میں مبعوث ہوئے ہیں، اس لیے ان کے فروعی مسائل بھی مختلف رہے ہیں، اس لیے ان کے یہاں فروعی احکام بھی مختلف پائے جائیں گے۔ یہ بالکل ایک فطری بات ہے۔ ایسا ہونا ہی چاہیے۔

اس حدیث نے اس نظریہ کی بالکل تردید کردی کہ دین کئی ہوسکتے ہیں اور وہ سب صحیح بھی ہوں گے۔ وحدتِ ادیان کا یہ نظریہ بالکل غلط ہے۔ بنیادی اختلافات ہی کی بنا پر متعدد دین کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ اگر ان دینوں میں بنیادی اور اصولی اختلاف سرے سے موجود ہی نہ ہو تو انھیں مختلف ادیان کہنا ہی صحیح نہ ہوگا۔ وہ سب ایک ہی دین ہوں گے۔ اس لیے ایسی صورت میں وحدتِ ادیان کا نعرہ بلند کرنے کے بہ جائے وحدتِ دین کی بات کرنی چاہیے۔

مختلف ادیان کے درمیان اگر بنیادی عقائد اور بنیادی تعلیمات میں اختلافات پایا جاتا ہے تو اس صورت میں ان سب ادیان کو حق کہنا صحیح نہ ہوگا، کیوں کہ حق اور سچائیوں کے باہم ٹکرانے کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے۔

امت مسلمہ کی منصبی ذمہ داری

(۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فَمَنْ اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَ مَنْ اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ. اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ. اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ، اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس کو تم نے اچھا کہا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور جس کو بُرا کہا اس پر دوزخ واجب ہوگیا۔ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو، تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو، تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔“

تشریح: روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے یہ بات ایک خاص موقع پر فرمائی تھی جب کہ صحابہؓ نے ایک گزرتے ہوئے جنازے کی تعریف کی تھی اور ایک جنازے کے متعلق بُری رائے کا اظہار کیا تھا۔ حدیث کا یہ فقرہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے: اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ (تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو)۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اس کے اولین مخاطب ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ درجہ بہ درجہ تمام مسلمانوں یا امت مسلمہ کی حیثیت اس زمین میں شہداء اللّٰہ یعنی خدا کی طرف سے مقرر گواہ یا شاہد حق کی ہے۔ شہادت حق یعنی حق کی گواہی دینی مسلمانوں کی منصبی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس ذمہ داری کی طرف سے غفلت کسی حالت میں بھی درست نہیں ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ خدا نے جس اہم منصب پر انھیں کھڑا کیا ہے اس سے ہرگز غافل نہ ہوں۔ وہ اہل عالم کی زندگی کے ہر ایک میدان میں قیادت یا رہ نمائی کریں۔ انھیں عملی اور فکری ہر قسم کی گم راہیوں اور ضلالتوں سے نکال کر حق سے آشنا کریں۔ اس شہادتِ حق کی منصبی ذمہ داری کا ذکر قرآن میں بھی واضح الفاظ میں فرمایا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ

(المائدہ:۸)

”اے ایمان لانے والو، اللہ کے لیے گواہ ہو کر انصاف کی حفاظت کرنے والے بنو۔“

ایک دوسری جگہ فرمایا گیا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ:۱۴۳)

”اور اسی طرح ہم نے تمھیں ایک درمیانی امت بنائی ہے تاکہ تم سارے انسانوں پر حق کی گواہی قائم کرنے والے بنو، اور رسول تم پر گواہی قائم کرنے والا ہو۔“

ایک آیت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

(الحج:۷۸)

”تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم انسانوں پر گواہ ہو۔“

〈۲〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ فِیْمَا اَعْلَمُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے علم و یقین میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ اس امت کے لیے ہر صدی کے سرے پر ایسے شخص کو پیدا کرے گا جو اس کے لیے اس کے دین کی تجدید کرے گا۔“

تشریح: یعنی دین کو تازہ کرے گا۔ اس کی پژمردگی کو دور کرے گا۔ لوگوں میں ایک نئی روح پھونکے گا۔ ان میں نیا عزم و حوصلہ پیدا کرے گا۔ دین اسلام کی رو سے حضرت محمد ﷺ خدا کے آخری نبی ہیں۔ آپؐ کے بعد اب کوئی نبی آنے والا نہیں ہے اور نہ کسی نبی کے آنے کی ضرورت ہی پائی جاتی ہے۔ اب اس کے بعد قیامت ہی قائم ہوگی جس میں لوگوں کے بارے میں یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ ان میں کون شخص خدا کی بے پایاں رحمتوں کا مستحق ہے اور کون خدا کی نگاہ میں مجرم ہے۔ مجرموں کے حصے میں خدا کے غضب کے سوا اور کچھ بھی نہ آئے گا۔

انسانوں کی رہ نمائی اور ان کی ہدایت کے لیے اصولی طور پر قرآن کافی ہے اور پھر قرآن کے بعد نبی ﷺ کی تعلیمات ہماری رہ نما ہیں۔ اس کے علاوہ نبی ﷺ سے براہ راست فیض یاب ہونے والے صحابہ کرامؓ کی زندگیاں بھی ہمارے لیے روشن مینار کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ وقت بدل جاتا ہے اور زمانے کی روش میں تبدیلی آجاتی ہے لیکن اس سب کے باوجود انسان کی اخلاقی و روحانی اور نفسیاتی ضروریات نہیں بدلتیں۔ اس لیے قیامت تک کے لیے انسان کی ہدایت کے لیے قرآن اور نبی ﷺ کی تعلیمات کافی ہیں۔ اس سے انکار نہیں کہ زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ حالات میں نمایاں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں اور نئے نئے مسائل اور معاملات سے دنیا کو سابقہ پیش آتا ہے لیکن اس کے لیے ضروری نہیں کہ اصل دین میں کوئی تبدیلی لائی جائے اور اس کی تعلیمات پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کی جائے۔ ضرورت اگر ہوتی تو صرف اس کی کہ دین کی تجدید ہوتی رہے یعنی نئے حالات اور جدید پس منظر میں دین، اس کے تقاضوں، اس کی عملی صورتوں اور اس کی تطبیق (Applications) کو سمجھا جائے۔ تاکہ نئے حالات میں دین کے استحکام اور اس کی اقامت کے تقاضے پورے ہوسکیں۔ یہ وہ عظیم مقصد ہے جس کے پیش نظر اس حدیث میں یہ وعدہ فرمایا گیا ہے کہ زمانے کی ہر ایک صدی کے

سرے پر امت مسلمہ میں ایسے مجدد پیدا ہوں گے جو دین کی تجدید کا فریضہ انجام دیں گے۔ وہ دین کے استحکام کے لیے سعیٔ بلیغ کریں گے۔ لوگوں کے فکر وعمل میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہوں گی وہ ان خرابیوں اور ان بدعات سے دین کو پاک کریں گے اور امت کی مشکلات کو رفع کریں گے۔ وہ دنیا کے سامنے بالعموم اور امت کے سامنے بالخصوص دین کو نکھار کر پیش کریں گے۔ دین حق ان کے ذریعہ سے ہمیشہ ترو تازہ ہوتا رہے گا اور اس پر کسی قسم کی کہنگی طاری نہ ہو سکے گی۔ وہ ان شکوک وشبہات کو بھی رفع کریں گے جو حالات اور زمانے کے پیدا کردہ ہوں گے۔ وہ اپنے علمی و فکری اور عملی کارناموں سے یہ ثابت کر دکھائیں گے کہ اسلام کوئی جامد اور غیر متحرک نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اسلام ایک حرکی (Moving) دین ہے جو اپنے اندر ارتقائی شان لیے ہوئے ہے۔ انسان کی علمی وفکری سطح کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو جائے اور اس کی تحقیقات وتجربات میں غیر معمولی اضافہ کیوں نہ ہو جائے، خدا کی رہ نمائی کا ضرورت مند وہ ہمیشہ رہے گا۔ دین ترقی کی راہ میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کرتا۔ سیرت وکردار کی تعمیر دین کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ زندگی کے تمام ہی شعبوں میں خواہ اس کا تعلق معاشرت سے ہو یا معیشت اور سیاست سے اسلام انسان کی صحیح رہ نمائی کرتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ نبی ﷺ کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔ ہر دَور میں امت میں ایسے مجدد دین پیدا ہوئے جنھوں نے تجدید دین کی عظیم خدمت انجام دی اور آیندہ بھی ایسے مجدد پیدا ہوں گے جو یہ خدمت انجام دیں گے۔ حضور ﷺ نے ایک اہم پیشین گوئی یہ بھی فرمائی ہے کہ امتِ مسلمہ میں لازماً ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم اور حق کے لیے سرگرم عمل رہے گا۔ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ پوری کی پوری امت راہِ حق سے برگشتہ ہو جائے اور حق محض ماضی کا افسانہ بن کر رہ جائے۔ دین حق (اسلام) ہمیشہ اپنی مکمل اور مستند (Authentic) شکل میں موجود رہے گا۔ کل خدا کے یہاں کسی کا یہ عذر ہرگز قابلِ سماعت نہ ہوگا کہ اسے تو حق کی طلب تھی لیکن دنیا میں کہیں حق کا وجود باقی ہی نہیں رہ گیا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ آج اسلام کے سوا دیگر مذاہب غیر مستند ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان میں ایسی متضاد، غیر علمی اور عقل وانصاف کے خلاف باتیں پائی جاتی ہیں جو اس بات کا بیّن ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ وہ نہ تو مستند ہیں اور نہ ان کی پیروی ہی کی جا سکتی ہے۔ وہ لوگوں کو حق سے آشنا تو کیا کرتے وہ لوگوں کو حق سے برگشتہ کرنے کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ لیکن اسلام کی شکل

میں حق آج بھی تشنگانِ حق کے لیے روشن اور تاباں ہے۔ اہلِ باطل آج خائف ہیں تو اسی سے۔ وہ اس کی دشمنی میں نہایت بے باکی کے ساتھ اخلاقی حدود تک کو پامال کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

یہاں اس پہلو سے بھی غور کرلیں۔ زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ حالات میں گہری تبدیلیاں آتی ہیں۔ نئے نئے قسم کے مسائل و معاملات سے لوگوں کو سابقہ پیش آتا ہے۔ قرآن ایک مخصوص زمانے میں نازل ہوا ہے اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات و ہدایات بھی بہ ظاہر ایک خاص دور اور خاص قسم کے ماحول سے تعلق رکھی ہیں۔ چناں چہ قرآن اور نبی ﷺ کی تعلیمات و ہدایات میں زمانے کی چھاپ نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کے مجددین یا علماء ان سے مختلف قسم کے حالات میں جن میں قرآن کا نزول ہوا ہے اور جن میں نبی ﷺ نے اپنے پیرووں کی رہ نمائی فرمائی ہے، کیوں کر منشائے خداوندی کو سمجھنے میں کام یاب ہوں گے اور نہ صرف یہ کہ وہ امت مسلمہ کی صحیح رہ نمائی کریں گے بلکہ عملاً دنیا کو یہ دکھا دیں گے کہ اسلام کوئی جامد مذہب نہیں ہے کہ وہ زمانے کا ساتھ نہ دے سکے۔ وہ ہمیشہ اور ہر دور میں انسان کی رہ نمائی کرے گا اور اسے کبھی بھی از کار رفتہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگلی حدیث یہی بتاتی ہے کہ حالات خواہ کتنا ہی کیوں نہ بدل جائیں انسان کی ہدایت کے لیے اسلام کافی ہے۔ ضرورت صرف اس کی ہوگی کہ دین میں فکر و اجتہاد اور تفقہ سے کام لیا جائے۔ اسلامی تعلیمات کی جامعیت اور اس کے فکر کی گہرائیاں ہمیشہ ہماری رہ نما رہیں گی۔

(۳) وَ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا بَعَثَهُ اِلَی الْيَمَنِ قَالَ: كَيْفَ تَقْضِیْ اِذَا عَرَضَ لَکَ قَضَاءٌ؟ قَالَ اَقْضِیْ بِكِتَابِ اللّٰهِ، قَالَ: فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ؟ قَالَ: فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ. قَالَ: فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِیْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ: اَجْتَهِدُ رَايِيْ وَلَا اٰلُوْ: قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی صَدْرِهٖ وَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا يَرْضٰی بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ.

(الترمذی، ابوداؤد، الدارمی)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں یمن بھیجا تو دریافت فرمایا: ''جب تمھارے سامنے کوئی معاملہ اور قضیہ پیش ہوگا تو اس کا فیصلہ کس طرح

کرو گے؟'' انھوں نے عرض کیا کہ میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر کتاب اللہ میں (صراحۃً) تمھیں اس کے متعلق کوئی حکم نہ ملے؟'' انھوں نے عرض کیا کہ پھر میں اللہ کے رسول کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اور اگر اللہ کے رسول کی سنت میں بھی تمھیں اس کے بارے میں حکم و ہدایت نہ مل سکے؟'' انھوں نے عرض کیا کہ پھر میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لے کر اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے کو ٹھونکتے ہوئے شاباشی دی اور فرمایا: حمد اور شکر ہے اس اللہ کے لیے جس نے رسول اللہ کے فرستادے کو اس بات کی توفیق عطا فرمائی جو رسولِ خدا کو پسند ہے۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ انسان کی فکر اور عقل کو بھی دین میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ دین کی بنیادی تعلیمات اور اس کے اصولوں کی روشنی میں عقل و فہم سے کام لے کر اہل علم ان مسائل کو بآسانی حل کر سکتے ہیں اور وہ ان معاملات اور قضایا کے فیصلے بھی کر سکتے ہیں جو بالکل ہی نئے قسم کے ہوں گے۔ جن کا ذکر کتاب و سنت میں نہ صراحۃً کیا گیا ہے اور نہ کیا جا سکتا تھا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو کتاب و سنت کے علم اور تفقہ فی الدین میں ایک امتیازی مقام حاصل تھا۔ وہ اس بات کو بہ خوبی جانتے تھے کہ کوئی فیصلہ طلب معاملہ اگر سامنے آتا ہے تو سب سے پہلے کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اگر وہاں ہمیں کوئی واضح ہدایت نہ مل سکے تو پھر کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد اور قیاس سے کام لے کر اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے نبی ﷺ کے سوالات کے جو جوابات دیے ہیں وہ منشائے دین اور اسلامی مزاج کے عین مطابق تھے اسی لیے نبی ﷺ نے اظہارِ مسرت فرمایا۔

محدثین کے نزدیک اس حدیث کی سند قوی نہیں۔ لیکن درایۃً اس حدیث کی صحت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ امت کے ہر دور میں فقہاء و مجتہدین نے اس حدیث کی بنیاد پر ایسے ہزاروں مسائل حل کیے ہیں جن کے متعلق کتاب و سنت میں واضح طور پر کوئی ہدایت موجود نہ تھی۔

دعوتِ دین

دعوتِ دین

دعوتِ دین کی اہمیت

〈۱〉 عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَ لَوْ اٰیَةً.

(بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''میری طرف سے پہنچاؤ خواہ وہ ایک آیت ہو۔''

تشریح: یعنی نبی ﷺ کے پیرووں کی ذمہ داری ہے کہ وہ آپؐ کے پیغام کو عام کریں۔ اور اس سلسلے میں ہر ایک شخص کو حصہ لینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر کسی کے پاس ایک ہی آیت کا علم ہے تو وہ اس کو ہی دوسروں تک منتقل کرے۔ یہ انتظار نہ کرے کہ جب اس کے پاس علم کا بڑا ذخیرہ جمع ہو جائے گا اس وقت وہ دعوت و تبلیغ کا کام شروع کرے گا۔ جس کے پاس دین کی جو بات بھی ہو وہ اسے چھپا کر نہ رکھے بلکہ اس کی کوشش یہ ہو کہ وہ لوگوں تک پہنچے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

آج ہم مسلمانوں کے پاس ایک ہی آیت نہیں، حضور ﷺ کا لایا ہوا پورا قرآن اور دین اپنی کامل شکل میں موجود ہے۔ پھر یہ نبی ﷺ کی کتنی بڑی نافرمانی ہوگی کہ ہمیں اسے دوسروں تک پہنچانے کی فکر نہ ہو۔ جب ہمارے پاس ایک ہی آیت ہو اسے بھی چھپا کر اپنے پاس رکھنا درست نہیں بلکہ اسے دوسروں تک پہنچانا ضروری ہے تو قرآن جس میں کم و بیش ۶۶۶۶ آیات ہیں تو اگر ہم اسے اپنے ہی پاس محفوظ رکھیں اور اسے دوسروں تک نہ پہنچائیں تو یہ کتنا بڑا ظلم ہوگا، اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔

〈۲〉 وَ عَنِ ابْنِ سَعْدٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: وَاللّٰهِ لَاَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِهٰذِكَ رَجُلاً وَاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی قسم خدا اگر تمھاری رہ نمائی سے ایک شخص کو ہدایت دے دے تو یہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں دعوت دین کی ترغیب دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ کوئی اس کام کو کمتر درجہ کا کام ہرگز نہ سمجھے۔ اگر ہماری کوششوں سے ایک شخص کو ہدایت مل جائے تو اس میں ہمارے لیے جو فائدہ ہے وہ سرخ اونٹوں سے کہیں زیادہ ہے۔ سرخ اونٹوں کی مثال نبی ﷺ نے اس لیے دی ہے کہ عربوں میں سرخ اونٹ بہت قیمتی سمجھے جاتے رہے ہیں۔ وہ ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔

پھر ایک اور پہلو سے دیکھیں۔ انسان کی قدر و قیمت کا مقابلہ دنیا کی دوسری چیزیں نہیں کرسکتیں خواہ بہ ظاہر وہ کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہوں۔ اس زمین کی اُس بیش قیمت شے جسے انسان کہتے ہیں اسے ہلاکت اور گم راہی سے بچا کر ہدایت کی راہ پر لگانا کتنی بڑی سعادت کی بات ہے اس کا اندازہ ہر شخص کرسکتا ہے۔

〈۳〉 وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَغَدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی راہ میں صبح یا شام کو نکلنا دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے سب سے بہتر ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں بھی راہِ حق کی سرگرمیوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ دین حق کی اشاعت اور اس کی سربلندی کے لیے جو کوشش بھی کی جائے گی وہ سب راہِ حق کی سرگرمیوں میں شمار ہوگی۔ دین کی اشاعت اور اس کی خدمت کی سعادت جس کسی کے حصے میں آگئی سمجھیے کہ اس سے بڑھ کر خوش قسمت کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں عارضی اور فانی ہیں لیکن دین کے لیے مومن کی جدوجہد دائمی قدر و قیمت کی حامل ہے۔ اپنے اس داعیانہ و مجاہدانہ کردار کے سبب سے مومن کو آخرت میں جو کچھ عطا ہونے والا ہے وہ کبھی ختم ہونے کا نہیں۔

(۴) وَ عَنْ اَبِیْ عَبْسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوعبسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس بندے کے قدم خدا کی راہ میں غبار آلود ہوں اسے دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی۔''

تشریح: یعنی اگر ہم چاہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہم کو نہ چھوئے اور ہم خدا کے عذاب سے محفوظ رہیں تو پھر خدا کی راہ میں ہمیں سرگرمِ عمل ہونا پڑے گا۔ راہِ حق کی مشکلات کو انگیز کرنا پڑے گا۔ خدا کی راہ میں ہمیں تکان بھی آئے گی اور ہمارے قدم گرد آلود اور ہمارے کپڑے میلے بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ اور اس طرح کی دوسری چیزوں کی پروا کیے بغیر ہمیں خدا کی راہ میں جدوجہد کرنی ہوگی۔ یہی وہ اصل اور یقینی راہِ عمل ہے جس پر چل کر ہم جنت کے مستحق ہو سکتے ہیں اور اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچا سکتے ہیں۔

(۵) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا یَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكٰی مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ حَتّٰی یَعُوْدَ اللَّبَنُ فِی الضَّرْعِ، وَلَا یَجْتَمِعُ عَلٰی عَبْدٍ غُبَارٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ دُخَانُ جَهَنَّمَ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص دوزخ میں نہیں جائے گا جو خدا کے خوف سے رویا ہو جب تک کہ دودھ تھنوں میں واپس نہ چلا جائے اور کسی بندے پر اللہ کے راستے کا غبار اور دوزخ کا دھواں یکجا نہیں ہو سکتے۔''

تشریح: اس حدیث میں مومن کے اندرون یعنی اس کے قلب کی حالت بیان کی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عمل کی دنیا میں اس کی زندگی کا رخ کیا ہوتا ہے؟ اس کے قلب کا حال یہ ہے کہ جب خدا کا خوف اس پر طاری ہوتا ہے تو اس کی چیخ نکل جاتی ہے اور وہ رُو پڑتا ہے۔ اس کے یہ آنسو جو خدا کے خوف سے آنکھوں سے رواں ہوتے ہیں بہت قیمتی ہوتے ہیں۔ جس طرح تھن سے نکالا ہوا دودھ تھن میں واپس نہیں جاتا ٹھیک اسی طرح اس کے دوزخ میں جانے کے امکان کو اس کی آہ وزاری اور بکا نے ختم کر دیا۔ خدا سے ڈرنے والوں کے لیے یہ کتنی اچھی خوش خبری ہے۔

دنیائے عمل میں مومن خدا کا سپاہی ہوتا ہے۔ وہ خدا کی راہ میں سرگرم عمل ہوتا ہے۔ خدا کے راستے کے غبار اور تکان کو وہ اس آرام اور راحت کے مقابلے میں زیادہ پسند کرے گا جو آرام اور راحت اسے اپنی سرگرمیوں سے دور رکھے اور پھر اسے خدا کے دین کے قیام اور اعلاء کلمۃ اللہ کی کوئی فکر نہ ہو۔

اس روایت کے ہم معنی بعض روایات کتب احادیث میں اور بھی ملتی ہیں۔ نسائی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی منقول ہوئے ہیں، فِیُ مَنُخِرَی مُسُلِمٍ اَبَدًا یعنی کسی مسلم (کی ناک) کے دونوں نتھنوں میں (خدا کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں) کبھی بھی یک جا نہیں ہو سکتے۔ نسائی ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ملتے ہیں: فِیُ جَوُفِ عَبُدٍ اَبَدًا وَلَا یَجُتَمِعُ الشُّحُّ وَالْاِیُمَانُ فِیُ قَلُبِ عَبُدٍ اَبَدًا یعنی کسی بندے کے پیٹ میں (خدا کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں) کبھی یک جا نہیں ہو سکتے اور کسی بندے کے دل میں کبھی حرص وبخل اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے۔

ان سبھی روایتوں میں جو بات کہی گئی ہے وہ یہی ہے کہ خدا کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں دونوں ہی کسی بندۂ مومن کے حصے میں آئیں یہ ممکن نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص دنیا میں خدا کی راہ میں اپنی جان کھپائے اور طرح طرح کی مصیبتوں کو برداشت کرے پھر جب وہ دنیا سے اپنے رب کے پاس واپس ہو تو اس کا استقبال جہنم کے دھویں سے ہو۔

راہِ حق کی آزمائش

(۱) عَنُ سَعُدٍؓ قَالَ: سُئِلَ النَّبِیُّ ﷺ اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلاَءً؟ قَالَ الْاَنُبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمُثَلُ فَالْاَمُثَلُ یُبُتَلِی الرَّجُلُ حَسَبَ دِیُنِهٖ فَاِنُ کَانَ فِیُ دِیُنِهٖ صُلُبًا اِشُتَدَّ بَلاَءُ هٗ وَ اِنُ کَانَ فِیُ دِیُنِهٖ رِقَّةٌ هُوِّنَ عَلَیُهِ فَمَا زَالَ کَذٰلِکَ حَتّٰی یَمُشِیُ مَالَهٗ ذَنُبٌ.

(ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائش کس کی ہوتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''انبیاء کی۔ پھر اس کے بعد درجہ بہ درجہ جو افضل ہو۔ آدمی کی آزمائش بھی اُس کی دینداری کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے دین میں سخت ہے تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے اور اگر وہ اپنے دین میں نرم ہے تو اس کی آزمائش بھی ہلکی

ہوتی ہے۔ آزمائشوں کا یہی دَور رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس طرح چلتا پھرتا ہے کہ کوئی گناہ اس پر نہیں رہتا۔"

تشریح: دین کی راہ میں اہلِ ایمان کی آزمائش لازماً ہوتی ہے۔ اہلِ شر اور دین کے مخالفین کبھی بھی اسے پسند نہیں کریں گے کہ دینِ حق کو فروغ حاصل ہو۔ اس لیے وہ اہلِ حق کی راہ میں ہمیشہ رکاوٹیں کھڑی کرتے رہتے ہیں۔ دین کی راہ میں آزمائش اہلِ حق کے اپنے دین کے لحاظ سے پیش آتی ہے۔ اگر وہ اپنے دین پر نہایت مضبوطی کے ساتھ قائم رہتے ہیں اور دینِ حق کی طرف دعوت دینے سے غافل نہیں ہوتے۔ اس کام میں نہ مداہنت سے کام لیتے ہیں اور نہ حق کی قیمت پر اہلِ باطل سے مصالحت کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کا سخت آزمائش سے دوچار ہونا ناگزیر ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے نمایاں گروہ انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ پھر درجہ بہ درجہ لوگوں کی ان کی اپنی دینی حیثیت کے مطابق آزمائش ہوتی ہے۔ راہِ حق کی آزمائشوں کا دور کسی نہ کسی شکل میں چلتا رہتا ہے۔ خدا کے سچے اور مخلص بندے اللہ کی توفیق سے زمین پر اس طرح زندگی گزار رہے ہوتے ہیں کہ ان پر خدا کا کوئی الزام نہیں ہوتا۔ وہ آزمائش میں پورے اُترتے ہیں۔ باطل انھیں حق سے پھیرنے میں کام یاب نہیں ہوتا۔ وہ اپنی ذمہ داریوں کی طرف سے کبھی غافل نظر نہیں آتے۔

(۲) وَ عَنْ خَبَّابٍؓ قَالَ: اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَ هُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً وَ هُوَ فِيْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ وَ قَدْ لَقِيْنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ شِدَّةً فَقُلْتُ اَلَا تَدْعُوا اللّٰهَ فَقَعَدَ وَ هُوَ مُحْمَرٌّ وَجْهُهٗ فَقَالَ لَقَدْ كَانَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَيُمْشَطُ بِمِشَاطِ الْحَدِيْدِ مَا دُوْنَ عِظَامِهٖ مِنْ لَحْمٍ اَوْ عَصَبٍ مَا يَصْرِفُهٗ ذٰلِكَ عَنْ دِيْنِهٖ وَ يُوْضَعُ الْمِنْشَارُ عَلٰى مَفْرَقِ رَأْسِهٖ فَيُشَقُّ بِاثْنَيْنِ مَا يَصْرِفُهٗ ذَالِكَ عَنْ دِيْنِهٖ وَاللّٰهِ وَلَيُتِمَّنَّ اللّٰهُ هٰذَا الْاَمْرَ حَتّٰى يَسِيْرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَآءَ اِلٰى حَضْرَ مَوْتَ مَا يَخَافُ اِلَّا اللّٰهَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت خبابؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ اس وقت تکیہ لگائے ہوئے چادر پر کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ ہمیں مشرکوں کی طرف سے بہت اذیت پہنچ چکی تھی اس لیے عرض کیا کہ کیا آپؐ دعا نہیں فرماتے؟ یہ سن کر آپؐ بیٹھ گئے آپؐ کا چہرہ سرخ ہوگیا پھر آپؐ نے فرمایا: "تم سے پہلے ایک شخص کا حال یہ ہوتا کہ اس کی ہڈی پر گوشت یا

پٹھوں کے نیچے لوہے کی کنگھیاں چلاتے لیکن یہ چیز بھی اسے اس کے دین سے نہ ہٹاتی تھی اور کسی کے سر پر آرہ رکھ کر دو ٹکڑے کر دیے جاتے تھے پھر بھی یہ چیز اسے اس کے دین سے نہ ہٹاتی تھی اور بہ خدا اللہ اس دین کو پورا کر کے رہے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک اس طرح بے خوف ہو کر سفر کرے گا کہ اسے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔''

تشریح: بعض روایتوں میں مَا یَخَافُ اِلَّا اللّٰہَ کے بعد یہ الفاظ بھی منقول ہوئے ہیں: وَالذِّئبَ عَلٰی غَنَمِہٖ وَ لٰکِنَّکُمْ تَعْجَلُوْنَ۔ یعنی ایسا امن وامان قائم ہوگا کہ دور دراز سفر میں بھی آدمی کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا یا پھر اسے خوف ہوگا تو اپنی بکریوں کے سلسلہ میں محض بھیڑیے کا کہ کہیں وہ ان پر حملہ نہ کر دے۔

اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین وایمان کی دولت وہ دولت ہے جس سے کسی حالت میں بھی دست بردار نہیں ہوا جا سکتا۔ خواہ اس کے لیے آدمی کو آرے سے چیر دیا جائے یا اس کے گوشت و پوست میں لوہے کی کنگھیاں ہی کیوں نہ پیوست کر دی جائیں۔ تاریخ ایسے مناظر پیش کرنے سے قاصر نہیں ہے کہ ستم پیشہ اہل کفر نے اہل ایمان کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیے لیکن وہ اپنے دین پر آخری دم تک قائم رہے۔ وہ جانتے تھے کہ دین کی راہ میں اس طرح کی مصیبتوں کا پیش آنا کوئی غیر متوقع چیز نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ دین حق کی جدوجہد میں عجلت پسندی روا نہیں ہے۔ یہ کام نہایت صبر و ثبات کا طالب ہے۔ کام یابی ان ہی حصے میں آتی ہے جو دین کے لیے مسلسل سرگرم رہتے ہیں اور دین کی راہ میں وہ غیر معمولی صبر و ثبات کا ثبوت دیتے ہیں۔

ایک اہم بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ قیامِ امن واماں درحقیقت قیام دین سے وابستہ ہے۔ دین حق کے غالب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زمین میں امن وامان قائم ہو لوگوں کے دلوں میں بس ایک خدا کا خوف ہو۔ وہ ہر طرح کے ظلم و ستم سے محفوظ ہوں۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ مُعَاوِیَۃَ ؓ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: لَا یَزَالُ مِنْ اُمَّتِیْ اُمَّۃٌ قَائِمَۃٌ بِاَمْرِ اللّٰہِ لَا یَضُرُّھُمْ مَّنْ خَذَلَھُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَھُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰہِ وَھُمْ عَلٰی ذٰلِکَ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت معاویہؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''میری امت میں برابر ایک ایسا گروہ موجود رہے گا جو اللہ کے دین کی محافظت و اقامت میں لگا رہے گا جو لوگ اس کا ساتھ نہ دیں گے وہ اس کا کچھ بگاڑ نہ کرسکیں گے اور نہ وہ لوگ جو اس کے مخالف ہوں گے اسے تباہ کرسکیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ جائے اور دین کا محافظ گروہ اپنی اس حالت پر قائم رہے گا۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ اہلِ حق آزمائشوں سے دوچار ہوں گے۔ ان کی مخالفتیں بھی ہوں گی۔ ان کی معاونت اور رفاقت سے انکار بھی کیا جائے گا۔ لیکن اس مخالفت اور رکاوٹوں کے باوجود خدا پرستوں کا ایک گروہ ہمیشہ دین کی محافظت میں لگا رہے گا۔ حالات کے لحاظ سے دین کے جو بھی تقاضے ہوں گے وہ انھیں پورا کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس طرح دینِ حق کی محافظت اور اقامت کی جدوجہد ہمیشہ ہوتی رہے گی یہاں تک کہ قیامت کی گھڑی آ جائے۔

دعوت کا تعارف

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا بَعَثَ مُعَاذًا اِلَی الْیَمَنِ قَالَ: اِنَّکَ تَقْدَمُ عَلٰی قَوْمٍ اَهْلِ کِتَابٍ فَلْیَکُنْ اَوَّلَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ عِبَادَةُ اللّٰهِ فَاِذَا عَرَفُوا اللّٰهَ فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِیْ یَوْمِهِمْ وَ لَیْلَتِهِمْ فَاِذَا فَعَلُوْا فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ فَرَضَ عَلَیْهِمْ زَکٰوةً تُوْخَذُ مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِهِمْ فَاِذَا اَطَاعُوْا بِهَا فَخُذْ مِنْهُمْ وَ تَوَقَّ کَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب معاذؓ کو یمن بھیجا تو فرمایا: ''تم ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہلِ کتاب ہے تو سب سے پہلے جس چیز کی طرف تم انھیں دعوت دو وہ اللہ کی عبادت ہے۔ پھر جب وہ اللہ کو پہچان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان کے دن اور ان کی رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ نماز ادا کرنے لگیں تو انھیں بتانا کہ اللہ عزوجل نے ان پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جو ان کے مال سے لی جائے گی اور پھر ان ہی کے

فقراء کی طرف لوٹا دی جائے گی۔ جب وہ اسے مان لیں تو ان سے زکوٰۃ لو اور ان کے عمدہ مالوں سے بچنا۔"

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ جو دعوت دینے کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ اصلاً وہ دعوت کیا تھی؟ آپ کی دعوت اس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ لوگ ایک خدا کے بندے بن کر رہیں۔ وہ اپنے خدا کو پہچان لیں اور انھیں یہ معلوم ہو جائے کہ خدا کے حقوق ان پر کیا ہیں؟ اور اس کے بندوں کے تعلق سے ان کی کیا ذمہ داری ہوتی ہے۔ خدا کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اسے پہچانیں اور اس کی عبادت اور پرستش کو اپنا اولین فرض سمجھیں۔ عبادت اور نماز کے جو اوقات مقرر ہیں ان اوقات میں وہ اپنے رب کے آگے سجدہ ریز ہوں۔ نماز سب سے اہم اور بنیادی حق ہے خدا کا جس کا ادا کرنا ہر خاص و عام کے لیے ضروری ہے۔ نماز پڑھنے کے بعد آدمی آزاد نہیں ہو جاتا کہ وہ جو چاہے کرے بلکہ خود اس کی نماز اس کی متقاضی ہے کہ وہ زندگی کے تمام ہی شعبوں میں خدا کا مطیع اور فرماں بردار بن کر رہے۔ اس کی نافرمانیوں سے اپنے کو دور رکھے۔

خدا کے بندوں کے حقوق کا عنوان زکوٰۃ ہے۔ صاحب استطاعت لوگوں پر زکوٰۃ فرض ہے۔ زکوٰۃ خاص طور سے فقراء و مساکین اور حاجت مندوں پر خرچ کی جائے گی۔ بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے بھی ہیں: تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَآئِهِمْ وَتُرَدُّ فِیْ فُقَرَاءِ هِمْ۔ یعنی زکوٰۃ قوم کے مال داروں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء پر خرچ کی جائے گی۔ زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو اس کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ زکوٰۃ وصول کرتے وقت اس کا خیال رکھیں کہ وہ زکوٰۃ میں چن چن کر اچھے مال لینے کی کوشش نہ کریں۔ اس سے لوگوں کی دل شکنی ہوگی۔ ان کے حقوق کی پاس داری بھی ضروری ہے۔

(۲) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَعْرِضُ نَفْسَهٗ عَلَی النَّاسِ بِالْمَوْقِفِ فَقَالَ: اَلَا رَجُلٌ یَحْمِلُنِیْ اِلٰی قَوْمِهٖ فَاِنَّ قُرَیْشًا قَدْ مَنَعُوْنِیْ اَنْ اُبَلِّغَ کَلَامَ رَبِّیْ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ موقف میں لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "کیا کوئی ایسا شخص ہے جو مجھے اٹھا کر اپنی

قوم کے پاس لے چلے کیوں کہ قریش نے مجھے اس سے روک دیا ہے کہ میں اپنے رب کا کلام لوگوں تک پہنچاؤں۔''

تشریح: موقف یعنی وقوف کی جگہ۔ مراد عرفات کا میدان ہے جہاں حج کے موقع پر تمام ہی حجاج جمع ہوتے ہیں۔ آپؐ اس خواہش کا کس بے تابی سے اظہار کر رہے ہیں کہ کوئی شخص آپؐ کو اپنی قوم میں لے جائے تا کہ آپؐ خدا کا پیغام اس قوم تک پہنچا سکیں۔ اور وہ قوم ہدایت سے فیض یاب ہو کر دنیا و آخرت میں کام یابی سے ہم کنار ہو سکے۔ آپؐ یہ کہنے سے کہ ''قریش نے مجھے اس سے روک دیا ہے کہ میں اپنے رب کا کلام لوگوں تک پہنچاؤں۔'' معلوم ہوا کہ اصلاً خدا کا پیغام آپؐ خدا کے ہی کلام کے ذریعہ سے پہنچا رہے تھے۔ پیغام رسانی کے اس طریقے سے بہتر طریقہ کا ہم تصور بھی کر سکتے۔ لیکن قریش خدا کا کلام پہنچانے سے روک رہے تھے اس لیے آپؐ چاہتے تھے کہ جو لوگ خدا کا کلام سن سکتے ہوں ان تک آپؐ کو لے جایا جائے تا کہ ان تک آپؐ خدا کا کلام پہنچا سکیں۔

دعوت کا سب سے موثر طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ قرآن کے ذریعہ سے پیغامِ حق عام کیا جائے۔ خدا اپنی دعوت یا پیغام کی جو وضاحت فرمائے گا اس سے بہتر وضاحت اور ترجمانی ممکن نہیں ہے۔ اور پیغام کو موثر بنانے کے لیے اس سے بہتر اسلوب و انداز بھی ممکن نہیں جو خدا نے اپنے کلام میں اختیار فرمایا ہے۔

(۳) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ بَیْنَمَا نَحْنُ فِی الْمَسْجِدِ اِذْ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: انْطَلِقُوْا اِلٰی یَهُوْدَ فَخَرَجْنَا مَعَهٗ حَتّٰی جِئْنَا بَیْتَ الْمِدْرَاسِ فَقَامَ النَّبِیُّ ﷺ فَنَادَاهُمْ یَا مَعْشَرَ یَهُوْدَ اَسْلِمُوْا تَسْلَمُوْا. فَقَالُوْا: قَدْ بَلَّغْتَ یَا اَبَا الْقَاسِمِ، فَقَالَ: ذَالِکَ اُرِیْدُ. ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِیَةَ. فَقَالُوْا: قَدْ بَلَّغْتَ یَا اَبَا الْقَاسِمِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ مسجد میں بیٹھے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا: ''یہود کی طرف چلو۔'' ہم آپؐ کے ساتھ چلے یہاں تک کہ بیت المدراس پہنچے۔ نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور انھیں آواز دی کہ ''اے جماعت یہود، تم اسلام لے آؤ، محفوظ رہو گے۔'' انھوں نے کہا کہ اے ابوالقاسم (ﷺ) آپ نے پیغام پہنچا دیا۔

آپؐ نے فرمایا: ''یہی میرا مقصد تھا۔'' پھر دوسری بار آپؐ نے یہی کلمات کہے تو ان لوگوں نے کہا کہ اے ابوالقاسم، (ﷺ) آپؐ نے پیغام پہنچا دیا۔

تشریح: یہ ایک لمبی حدیث کا حصہ ہے۔ اسی حدیث میں آگے چل کر یہود کے جلاوطن کیے جانے کا ذکر آیا ہے جسے ہم نے طوالت کے خوف سے نقل نہیں کیا۔ آپؐ نے یہود کی شرارتوں اور ان کی ریشہ دوانیوں کے بعد جب یہ فیصلہ فرمایا کہ یہود کو جلاوطن کر دیا جائے تو اس موقع پر بھی آپؐ نے انھیں اسلام لانے کی دعوت دی اور سمجھایا کہ اسلام قبول کر لو اس میں تمھارا فائدہ ہے۔ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی تم محفوظ و مامون رہو گے۔ لیکن یہود نے جواب میں کہا کہ اے ابوالقاسم (یہ حضورؐ کی کنیت ہے) آپؐ نے پیغام پہنچا دیا۔ آپ اپنی ذمہ داری پوری کر چکے۔

آپؐ نے فرمایا کہ ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ پیغام تم تک پہنچ جائے۔ مجھ پر یہ الزام نہ آئے کہ میں نے پیغام پہنچانے یا تمھیں دعوتِ اسلام دینے میں غفلت سے کام لیا۔ میں نے پیغام پہنچا دیا۔ آگے اسے قبول کرنا یا ردّ کرنے کا تمھیں اختیار ہے۔

(۴) وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ دَعٰی اِلَی الْهُدٰی كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا وَ مَنْ دَعٰی اِلٰی ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذَالِكَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَیْئًا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ہدایت کی طرف دعوت دے تو اسے ان کے برابر اجر و ثواب ملے گا جو اس کا (ہدایت میں) اتباع کریں گے اور اس سے اتباع کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اور جو شخص گمراہی کی طرف دعوت دے گا تو اس پر ان کے برابر گناہ ہوگا جو (ضلالت اور گم راہی میں) اس کی پیروی کریں گے اور اس سے پیروی کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔''

تشریح: اسلام سراپا ہدایت ہے۔ اس لیے اس کی دعوت کو دعوت الی الہدیٰ کہتے ہیں یعنی ہدایت کی طرف دعوت دینی۔ اسلام کو اختیار کیے بغیر نہ صحیح معنی میں انسان کی اصلاح ہو سکتی ہے اور نہ وہ کبھی کامیابی سے ہم کنار ہو سکتا ہے۔ دعوت کی جو فضیلت اس حدیث میں بیان ہوئی ہے

وہ غیر معمولی ہے۔ کسی داعیٔ حق کی دعوت پر جتنے لوگ بھی لبیک کہیں گے اور اس کی دعوت کی پیروی کریں گے اور انھیں اس کا جو اجر و ثواب ملے گا اس کے مثل اصل داعی کو اجر و ثواب حاصل ہوگا کیوں کہ ان سب کی ہدایت اور راست روی کا اصل محرک وہی ہے۔

دعوت الی الہدیٰ کی طرح اسلام کی دعوت کی اور بھی مختلف تعبیریں ہیں۔ مثلاً دعوت الی اللہ، دعوت الی الایمان، دعوت الی المغفرۃ، دعوت الی النجاۃ، دعوت الی الخیر، اور دعوت الی دار السلام وغیرہ۔

جو شخص ہدایت کے بہ جائے ضلالت کو ترویج دیتا ہے اور لوگوں کو گم راہی کی طرف بلاتا ہے تو جتنے لوگ بھی اس کی تحریک و ترغیب سے گم راہ ہوں گے۔ ان کے حصے میں جتنا گناہ آئے گا اس کے مثل تنہا گم راہی کی طرف بلانے والے کے حصے میں آئے گا کیوں کہ وہی ان لوگوں کی گم راہی اور ضلالت کا اصل سبب اور محرک رہا ہے۔

دعوت الی الایمان

(۱) عَنِ الْعَبَّاسِؓ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ذَاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَّضِیَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلاً۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عباسؓ بن عبد المطلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’اس شخص نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جس نے اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمدؐ کو اپنا رسول خوشی کے ساتھ مان لیا۔‘‘

تشریح: اسلام کی دعوت کے بہت سے پہلو ہیں۔ بنیادی طور پر یہ دعوت ایمان کی دعوت ہے۔ ایمان کے بغیر اسلام کے راستے میں ایک قدم بھی چلنا ممکن نہیں ہے۔ اسلام کی عمارت ہی ایمان کی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے۔ اسی لیے اسلام انسان سے پہلا مطالبہ یہ کرتا ہے کہ وہ اسلام کے پیش کردہ حقائق پر ایمان لائے۔ خدا کو اپنا رب اور آقا تسلیم کرے، اسلام کو سچا دین سمجھ کر اسے زندگی میں اختیار کرے اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرے جو خدا کی طرف سے ہماری رہ نمائی کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

ایمان وہی معتبر ہے جس میں دل کی خوشی اور مسرت شامل ہو۔ آدمی ایمان لانے میں

کسی قسم کی ناگواری محسوس نہ کرے۔ ایسی صورت میں لازماً آدمی کو ایمان کی حلاوت اور لذت حاصل ہوگی۔ اور وہ ایمان کو زندگی کی سب سے لذیذ تر شے تصور کرے گا۔

ایمان کی دعوت کا ذکر قرآن میں صاف الفاظ میں کیا گیا ہے: رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا۔ (آل عمران:۱۹۳) ''ہمارے رب، ہم نے ایک پکارنے والے کو ایمان کی طرف بلاتے سنا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لے آئے۔''

دعوت الی الاسلام

(۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ: كَانَ غُلَامٌ يَهُوْدِيٌّ يَخْدِمُ النَّبِيَّ ﷺ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُوْدُهُ فَقَعَدَ عِنْدَ رَاْسِهٖ فَقَالَ لَهٗ: اَسْلِمْ، فَنَظَرَ اِلٰى اَبِيْهِ وَ هُوَ عِنْدَهٗ فَقَالَ: اَطِعْ اَبَا الْقَاسِمِ فَاَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ وَ هُوَ يَقُوْلُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار پڑا تو نبی ﷺ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے، اور اس کے سرہانے بیٹھ کر آپؐ نے اس سے فرمایا کہ ''اسلام قبول کر لے۔'' لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے قریب ہی موجود تھا۔ باپ نے کہا کہ ابوالقاسم (یعنی حضرت محمدؐ) کی اطاعت کر یعنی ان کی اسلام کی دعوت قبول کر لے چناں چہ لڑکے نے اسلام قبول کر لیا۔ نبی ﷺ وہاں سے باہر آئے تو آپؐ کی زبان پر یہ کلمات تھے: ''ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اس (لڑکے) کو دوزخ سے نجات دی۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ نبی ﷺ اس کے لیے کس قدر فکر مند رہتے تھے کہ لوگ جہنم کی آگ سے بچ سکیں۔ آپؐ یہودی لڑکے کی بیماری میں اس کی عیادت کے لیے جاتے ہیں تو سب سے زیادہ فکر آپ کو اس کی ہوئی کہ کہیں یہ بیمار اسلام قبول کیے بغیر دنیا سے رخصت ہو جائے اور آخرت میں خدا کی رحمتوں سے محروم ہو کر رہے اور اس کا ٹھکانا جنت کے بجائے جہنم قرار پائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی اپنے داعیانہ فرائض کی طرف سے کسی حال میں بھی غفلت سے کام نہ لے۔ جب اور جہاں بھی اس کو اسلام کی دعوت کا موقع ملے وہ اس موقع کو

ہرگز ضائع نہ ہونے دے۔ شاید کوئی بندہ اس کی کوشش سے اسلام قبول کر لے اور اس کی زندگی محرومیوں، ناکامیوں اور خدا کے عذاب سے محفوظ ہو جائے۔ داعیانہ سرگرمیوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ہر حساس آدمی بہ خوبی کر سکتا ہے۔

دعوت الی اللہ

﴿۱﴾ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَجِلُّوا اللّٰهَ یَغْفِرْلَکُمْ.

(احمد، الطبرانی)

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا احترام کرو وہ تمھیں بخش دے گا۔''

تشریح: انبیاء علیہم السلام ہمیشہ اپنی قوم کو ایک اللہ کی طرف بلاتے رہے ہیں۔ ان کی دعوت کا ماحصل یہی رہا ہے کہ لوگ اپنے خالق و رب کو پہچانیں۔ اس کی عظمت کا انھیں احساس ہو۔ وہ اللہ پر ایمان لائیں اور اس کی بندگی اختیار کریں۔ اللہ کے علاوہ نہ ان کا کوئی خالق ہے اور نہ کوئی دوسرا ان کا رب اور معبود ہو سکتا ہے۔ اس لیے وہ یکسو ہو کر ایک خدا کی عبادت کریں اور شرک کی آلودگیوں سے اپنے دامن کو پاک رکھیں۔

اس حدیث میں کہا گیا ہے کہ انسان کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ خدا کی عظمت اور بزرگی کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھے۔ اس کی تعظیم واحترام کی طرف سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ ہو۔ اگر انسان خدا کی تعظیم واحترام کی طرف غافل نہیں ہوتا اور خدا کی عظمت کے جو بھی تقاضے ہوتے ہیں وہ ان کو پورا کرتا ہے تو وہ خدا کو مہربان پائے گا۔ وہ اس کی خطاؤں کو معاف کر دے گا اور اسے اپنے دامن رحمت سے ڈھک لے گا۔ بالکل یہی وہ دعوت تھی جو نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے پیش کی تھی۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے شکایت کرتے ہوئے یہی کہا تھا مَالَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا۔ (نوح:۱۳) ''تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم (اپنے دلوں میں) اللہ کے لیے کسی وقار و عظمت کی توقع نہیں رکھتے۔'' اس کی عظمت اس بات کی متقاضی ہے کہ تم اللہ کی بندگی کرو اور اس کا ڈر رکھو اور میری (یعنی نوحؑ کی) اطاعت کرو۔ وہ تمھیں بخش کر تمھیں تمھارے گناہوں سے پاک کرے گا۔ (اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَ اَطِیْعُوْنِ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ (نوح:۳-۴)

خدا کی تعظیم وتکریم کے تحت زندگی کی تمام ہی شعبے آجاتے ہیں۔ چناں چہ اللہ کی خوش نودی کے لیے کسی سے محبت کرنی بھی خدا کی تعظیم وتکریم میں داخل ہے۔ حدیث میں ہے: مَا اَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدًا لِلّٰهِ اِلَّا اَکْرَمَ رَبَّهٗ عَزَّوَجَلَّ (احمد عن ابی امامہ) ''جس بندے نے خدا کے لیے کسی بندے سے محبت کی تو لازماً اس نے اپنے رب عزوجل کی تعظیم وتکریم کی۔''

﴿۲﴾ وَ عَنْ جُبَیْرِ بْنِ نُفَیْرٍ مُرْسَلاً قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنْ اَجْمَعَ الْمَالَ وَ اَکُوْنَ مِنَ التَّاجِرِیْنَ وَ لٰکِنْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَ کُنْ مِنَ السَّاجِدِیْنَ. وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ. (شرح السنہ)

ترجمہ: حضرت جبیر بن نفیرؒ مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میری طرف یہ وحی نہیں کی گئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجر بنوں بلکہ میری طرف وحی یہ کی گئی ہے کہ تم اپنے رب کی حمد کرو اور سجدہ گزار ہو جاؤ، اور اپنے رب کی بندگی میں لگے رہو یہاں تک کہ جو یقینی ہے وہ تمھارے سامنے آجائے۔''

تشریح: یہ ایک اہم حدیث ہے۔ یہ حدیث واضح طور پر بتاتی ہے کہ انسانی زندگی کا اصل مقصود تجارت یا دولت جمع کرنی ہرگز نہیں ہے۔ مال یا دولت کی حیثیت مقصدِ حیات کی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ مال انسان کی ایک دنیوی ضرورت ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے مال کو خیر بھی کہا گیا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص مال اور تجارت ہی کو زندگی کا حاصل اور اصل مقصودِ حیات سمجھ بیٹھے تو اسے ضلالت اور گم راہی کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت جس غرض کے لیے ہوئی اور ان کی طرف جس مقصد کے لیے وحی کی گئی ہے وہ کچھ اور ہے چناں چہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میری طرف خدا نے وحی کی ہے کہ تمھیں اپنے رب کی صفات اور اس کے حسن وکمال کا عرفان ہو۔ تمھیں اپنے رب کی محامد اور خوبیوں کا شعور ہو سکے اور تمھاری زبان پر بے ساختہ حمد کے کلمات جاری ہوں۔ اور اس سے بھی تمھارے دل کو تسلّی نہ ہو اور تم اس کے آگے بچھ جاؤ۔ اس کے آگے سجدہ ریز ہو کر اس کا اظہار کرو کہ عظمت اور بڑائی اور حسن وکمال سے اُسی کی ذات متصف ہے۔ دنیا میں اگر کہیں حسن وخوبی کی جھلک پائی جاتی ہے تو وہ خدا کا عطیہ اور اس کی صفات کا عکس محض ہے۔ ایسی صورت میں عبادت اور بندگی کے سوا تمھاری زندگی کو اور کچھ ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ پھر

یہ طرز عمل عارضی ہرگز نہ ہو بلکہ آخر دم تک تمھارا یہی طرز عمل ہو۔ اس سے مختلف طرز عمل حقیقت سے روگردانی جہل اور کفر کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اِنِّیْ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ فِیْ نَبَأٍ عَظِیْمٍ اَخْلُقُ وَ یَعْبُدُ غَیْرِیْ وَ اَرْزُقُ وَ یَشْکُرُ غَیْرِیْ.

(البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا، جن اور انسان کا معاملہ ایک بھاری (افسوس ناک) خبر کی حیثیت رکھتا ہے۔ پیدا میں کرتا ہوں اور بندگی اور پرستش وہ میرے سوا دوسرے کی کرتا ہے اور روزی میں دیتا ہوں اور شکر وہ میرے سوا دوسرے کی ادا کرتا ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں نبی ﷺ نے سورہ الحجر آیت ۹۸-۹۹ کا حوالہ دیا ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ اس سے بڑا دردناک اور افسوس ناک حادثہ اور کیا ہوگا کہ جن ہوں یا انس وہ خدا کے واضح حقوق کو فراموش کر بیٹھیں۔ خدا ان کا خالق ہے مگر وہ عبادت اور پرستش کسی اور کی کرنے لگیں۔ خدا ہی ان کو رزق دیتا ہے مگر شکر گزاریاں ساری وہ کسی اور آستانے پر نثار کرنے لگ جائیں۔ جن وانس کے لیے معقول طرز عمل یہ ہے کہ وہ خدا کی بندگی اختیار کریں اور اس کے شکر گزار بندہ بن کر رہیں۔ جس طرح روزی عطا کرنے والے کا شکر ادا کرنا ایک معقول اور اخلاقی عمل ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ ٹھیک اسی طرح اس خدا کے لیے دل میں محبت کا پیدا ہونا ایک فطری عمل ہے جس نے ہمیں وجود بخشا ہے اور ہمیں عقل اور فہم وشعور سے نوازا ہے۔ پرستش اور عبادت درحقیقت محبت ہی کی انتہائی شکل ہے۔ خدا کے لیے محبت کی یہی انتہائی شکل مطلوب بھی ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ: کُنْتُ خَلْفَ النَّبِیِّ ﷺ یَوْمًا فَقَالَ: یَا غُلَامُ، اِحْفَظِ اللّٰہَ یَحْفَظْکَ احْفَظِ اللّٰہَ تَجِدْہُ تُجَاھَکَ وَ اِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰہَ وَ اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ.

(ترمذی وقال حسن صحیح)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں نبی ﷺ کی سواری پر آپؐ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہ آپؐ نے فرمایا: ''لڑکے! اللہ کا خیال رکھو وہ تمھارا خیال رکھے گا۔ اللہ کا

خیال رکھو تم اسے اپنے روبرو پاؤ گے۔ جب تم مانگو تو اللہ سے مانگو اور جب تم مدد چاہو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔‘‘

تشریح: یہ ایک طویل حدیث کا اہم حصہ ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ تم اللہ کا خیال رکھو۔ اسے نظر انداز نہ کرو۔ اس سے غافل نہ ہو۔ ہر حالت میں اس کے حقوق کا تمھیں پاس و لحاظ ہونا چاہیے۔ اس کی سچی طلب اگر تمھارے اندر ہو تو وہ تمھیں محروم نہیں رکھے گا۔ تم اس کا خیال رکھو گے تو یقیناً وہ بھی تمھارا خیال رکھے گا۔ اس کے لیے یہ بھی کچھ مشکل نہیں کہ وہ تمھیں مقام مشاہدہ عطا فرمائے۔ یعنی تم اپنی نگاہِ معرفت سے اسے دور نہیں بلکہ اپنے روبرو پانے لگ جاؤ۔ گویا تم اسے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ اور اس کے سامنے دیگر اشیاء کالعدم محسوس ہوں۔

ایسے مہربان اور قادر مطلق ہستی کو چھوڑ کر کسی اور پر بھروسہ کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ مانگو تو اسی سے مانگو اور مدد کی ضرورت پیش آئے تو مدد اللہ ہی سے طلب کرو وہ تمھاری ضروریات کا کفیل ہو گا۔ تمھاری مدد کا سامان فراہم کرنا اس کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

(۵) وَ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَمَرَهُمْ اَمَرَهُمْ مِنَ الْاَعْمَالِ بِمَا يُطِيْقُوْنَ قَالُوْا: اِنَّا لَسْنَا كَهَيْئَتِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ فَيَغْضَبُ حَتّٰى يُعْرَفَ الْغَضَبُ فِيْ وَجْهِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ: اِنَّ اَتْقَاكُمْ وَ اَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ اَنَا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب لوگوں کو حکم دیتے تو ان ہی اعمال کا حکم دیتے جن کی لوگوں کے اندر طاقت اور قوت ہوتی۔ لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول، ہم آپ جیسے نہیں ہیں۔ آپؐ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ اللہ نے معاف فرما دیے ہیں۔ اس پر آپؐ غضب ناک ہوئے یہاں تک کہ آپ کا غصہ آپ کے چہرہ سے ظاہر ہو رہا تھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ’’میں تم سے زیادہ (اللہ سے) ڈرتا اور تم سے زیادہ اللہ کو میں جانتا ہوں۔‘‘

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا بہ ذات خود ہرگز مطلوب نہیں ہے۔ آدمی بس اپنی طاقت اور صلاحیت کے لحاظ سے مکلّف ہے۔ دین تو اس بوجھ کو انسان کی پیٹھ سے اُتارنے آیا ہے جس کے نیچے انسان دب کر رہ گیا تھا۔ مشقت کو بہ ذات خود مطلوب اور

مغفرت کے لیے لازمی قرار دینا ایک ایسی جسارت ہے کہ اس پر نبی ﷺ غضب ناک ہو گئے اور فرمایا کہ مجھے تم سے زیادہ ذمہ داری کا احساس اور ڈر ہے اور میں تم سے زیادہ اللہ کو جانتا اور اسے پہچانتا ہوں۔ تقویٰ کا وہ تصور غلط ہے جو تمھارے ذہنوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ دین کو ناخوش گوار بوجھ بنانا کوئی تقویٰ نہیں ہے۔ اگر مشقتوں ہی کا نام تقویٰ ہوتا تو اس تقویٰ میں خدا کا رسول کسی سے پیچھے کیسے رہ سکتا تھا۔ اللہ کا رسول سب سے زیادہ اللہ کو جانتا اور اسے پہچانتا ہے۔ اور علم باللہ یعنی خدا کو جاننا ہی اصل دین ہے۔ اگر علم باللہ کے تقاضے وہ ہوتے جو تم سمجھتے ہو تو تم خدا کے نبی کو اس میں کسی سے پیچھے ہرگز نہ پاتے۔ رسول کی زندگی اور اس کا طرز عمل ہی تمھارے لیے اسوہ ہے۔

اس لحاظ سے یہ ایک اہم حدیث ہے کہ اس میں علم باللہ کو دین کی اصل بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اصل دین اور اس کی روح علم باللہ (خدا کو جاننا اور پہچاننا) ہی ہے۔ شرائع اور قوانین اور ضوابط درحقیقت علم باللہ کے تقاضے ہیں۔ خدا کو جاننے سے دل میں اس کا خوف اور تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور پھر انسان کو اس کی فکر لاحق ہوتی ہے کہ وہ زندگی کے معاملات میں وہ رویہ نہ اختیار کرے جو خدا کی ناراضی کا موجب ہوتا ہے خدا نے زندگی کے ہر شعبے کے لیے اصول و ضوابط دے دیے ہیں جن کا پاس ولحاظ رکھنا ان لوگوں کے لیے ضروری ہے جو خدا کی رضا اور اس کی خوش نودی کے طالب ہوں۔ خدا کے عطا کردہ اصول وضوابط اور قوانین کی حیثیت ایک کامل نظام زندگی کی ہے، جس کے قیام کی آرزو دنیا میں مومن کی سب سے بڑی آرزو ہوتی ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ، وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَ اَفْشُو السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رحمان کی عبادت کرو، (بھوکوں کو) کھانا کھلاؤ اور سلام کیا کرو، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

تشریح: یعنی اسلام کی دعوت بالکل فطری، سادہ اور آسان ہے۔ یہ وہ دعوت ہے جس کو ہر ذہن سمجھ سکتا ہے۔ اور اس کے قابل قبول ہونے سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اسلام کی دعوت اصل میں دعوت الی اللہ ہے دعوت الی اللہ کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ انسان زندگی میں خدا کی مرضیات کو

سمجھے۔ خدا کو وہ اپنا آقا اور معبود قرار دے۔ اور اس کے پسند کیے ہوئے طرزِ عمل کو اپنی زندگی کا شعار بنائے۔ وہ خدا کو اپنا آقا تصور کرے اور خدا کے سوا وہ کسی کو اپنا معبود بھی نہ بنائے۔ اس کی اطاعت کے ذریعہ سے اپنی زندگی کو درست رکھے اور اس کی پرستش کے ذریعہ سے اپنے دل کو آباد کرے۔ سوسائٹی میں باہم سلام کو رواج دے۔ ہر شخص دوسرے کی بھلائی اور اس کی سلامتی اور عافیت کا خواہاں ہو۔ بھوکوں اور تباہ حال لوگوں کی پریشانیوں کو دل سے محسوس کرے اور عملی طور سے ان تکلیفوں کو دور کرنے کے لیے کوشاں ہو۔ بھوکوں کو کھانا کھلائے اور ننگوں کے لیے کپڑے فراہم کرے۔ ان سے ہمدردی سے پیش آئے۔ انھیں غیر ہرگز نہ سمجھے۔ انھیں اپنا بھائی سمجھتے ہوئے ان کی مدد کو اپنا فرض قرار دے۔ کتنی سیدھی، سچی اور دلوں میں اتر جانے والی ہیں اسلام کی یہ تعلیمات! کاش یہ تعلیمات عملاً عام ہو سکیں۔ اور انسان کو خود غرضی، تنگ نظری اور بے حسی اور بے دردی کے امراض سے نجات دلائی جا سکے۔

〈۷〉 وَ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ. (احمد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی (یعنی میری) تعظیم کرو۔''

تشریح: یہ ایک طویل حدیث کا اہم حصہ ہے۔ یہ حدیث اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ عبادت اور پرستش خدا کے سوا کسی اور کی نہیں کی جا سکتی۔ یہ خدا ہی کا حق ہے کہ بندہ اس کے آگے سجدہ ریز ہو اور اپنے جذبۂ عبودیت کو اس پر نثار کرنے میں دریغ نہ کرے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ نہ صرف یہ کہ اس کی اطاعت اور فرماں برداری سے ہم گریز نہ کریں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہم اس کے پرستار بھی ہوں۔ خدا کے بعد ہم پر اس کے رسول کا حق ہوتا ہے۔ لیکن اس کا یہ حق نہیں ہوتا کہ ہم اس کے آگے سجدہ گزارنے لگ جائیں اور اس کی پرستش کرنے لگیں۔ رسول کا حق یہ ہوتا ہے کہ ہم اس کی عظمت اور بزرگی کو تسلیم کریں۔ اس کی تعظیم و تکریم کی طرف سے غافل نہ ہوں۔ جب والدین کی تکریم ہم پر واجب ہے تو رسول کی تعظیم و تکریم ہم پر واجب کیوں نہ ہوگی۔ خدا کے رسولؐ نے جو احسانات دنیائے انسانیت پر کیے ہیں ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان کو فراموش نہ کریں اور نبی ﷺ کی تعظیم و تکریم میں کوئی قصور نہ ہونے دیں۔

دعوت الی القرآن

(۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِؓ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَعْرِضُ نَفْسَہٗ عَلَی النَّاسِ بِالْمَوْقِفِ فَقَالَ: اَلَا رَجُلٌ یَحْمِلُنِیْ اِلٰی قَوْمِہٖ فَاِنَّ قُرَیْشًا قَدْ مَنَعُوْنِیْ اَنْ اُبَلِّغَ کَلَامَ رَبِّیْ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے آپ کو موقف (عرفات) میں لوگوں کے سامنے پیش کررہے تھے۔ آپؐ فرماتے تھے کہ کیا کوئی شخص ہے جو مجھے لے چلے اپنی قوم کے پاس کیوں کہ قریش نے مجھے میرے رب کے کلام کو (لوگوں تک) پہنچانے سے روک دیا ہے۔"

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ دعوت اسلامی کا ایک عنوان دعوت الی القرآن بھی ہے۔ یعنی لوگوں کو کلامِ رب کی طرف بلانا۔ اہل قریش چوں کہ قرآن کی مخالفت کررہے تھے۔ طرح طرح کے شرک میں ملوث ہونے کی وجہ سے وہ قرآن کے پیغام کو سننے کو تیار نہ تھے۔ نبی ﷺ کو فکر ہوئی کہ اگر قریش خدا کے کلام نہیں سننا چاہتے تو دوسرے قبائل کو خدا کی کتاب قرآن کی طرف دعوت دی جائے شاید کسی قبیلہ کو توفیق حاصل ہوجائے اور وہ حق کو قبول کرلے اور وہ دینِ حق کی اشاعت کا ذریعہ بھی بن سکے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کو اپنے مشن سے کس قدر لگاؤ تھا۔ ہر آن اور ہر موقع پر آپؐ کو اس کی فکر رہتی تھی کہ کس طرح خدا کا پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکے اور لوگوں کو راہ حق پر چلنے کا شرف حاصل ہوسکے۔

دعوت الی الخیر

(۱) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ ﹹالْاَنْصَارِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہٖ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص

بھلائی کی راہ بتائے اسے اتنا ہی اجر وثواب ملے گا جتنا اس بھلائی اور خیر کو عملاً اختیار کرنے والے کو ملے گا۔“

تشریح: یہ ایک طویل حدیث کا اہم حصہ ہے۔اس سے خیر اور بھلائی کی اہمیت بہ خوبی واضح ہوتی ہے۔ خیر یا بھلائی کی طرف رہ نمائی کرنے والوں کو خوش خبری دیتے ہوئے کہا جارہا ہے کہ بھلائی کے راستے پر چلنے والے اور بھلائی کو اختیار کرنے والے کو جو اجر وثواب حاصل ہوگا وہ اجر و ثواب اس شخص کو بھی حاصل ہوگا جس نے اسے خیر یا بھلائی کی طرف رہ نمائی کی ہوگی۔ کیوں کہ اس کے بھلائی اختیار کرنے کا اصل سبب بھلائی کی طرف اس کی رہ نمائی کرنے والا ہی ہے۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ خیر اور ساری بھلائیاں حق سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو بھلائی کا کام بھی آپ انجام دیں گے اس سے حق کو طاقت اور قوت ملے گی۔ ٹھیک اسی طرح جو برے کام بھی کیے جائیں گے وہ اپنی فطرت کے لحاظ سے حق کی مخالفت کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتے۔ قرآن میں صاف ارشاد ہوا ہے: تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ:۲) ”نیکی اور تقویٰ میں تم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، البتہ گناہ (حق تلفی) اور زیادتی کے کام میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرنا۔“

دعوت الی النشاط

﴿۱﴾ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: لَا يَجِدُ اَحَدٌ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ حَتّٰى يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَ حَتّٰى اَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ، وَ حَتّٰى يَكُوْنَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”کوئی شخص ایمان کی لذّت سے بہرہ مند نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی کسی شخص سے محبت اللہ ہی کے لیے نہ ہو۔ اور جب تک آگ میں ڈالا جانا اسے اس سے زیادہ پسند نہ ہو کہ وہ کفر کی طرف واپس ہو جب کہ اللہ نے اس سے اسے نجات دلائی ہے۔ اور جب تک اللہ اور اس کا رسول اسے دوسری تمام چیزوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوں۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام جس چیز کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے وہ کوئی خشک شے ہرگز نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی لذیذ سے لذیذ اور شیریں سے شیریں ترشے بھی ایمان کی حلاوت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ ایمان کی سرشاری اور اس سے حاصل نشاط و سرور کی کیفیت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس نشاط اور لذت بخش کیفیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ مومن آگ میں جلنا پسند کرسکتا ہے لیکن وہ اپنے ایمان سے دست بردار نہیں ہوسکتا۔ خدا اور اس کے رسول پر اس کا ایمان محض اعتماد و یقین کے معنی میں نہیں ہوتا بلکہ یہ ایمان محبت اور گرویدگی کی صورت اختیار کیے ہوئے ہوتا ہے۔ اور یہ محبت اس درجہ شدید اور گہری ہوتی ہے کہ جس کی مستحق دنیا کی کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔

(۲) وَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَؓ اَنَّ رَجُلاً سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مَا الْاِیْمَانُ؟ قَالَ: اِذَا سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ وَ سَاءَ تْکَ سَیِّئَتُکَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ. قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَمَا الْاِثْمُ؟ قَالَ: اِذَا حَاکَ فِیْ نَفْسِکَ شَیْءٌ فَدَعْہُ. (احمد)

ترجمہ: حضرت ابو اُمامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''جب نیکی کر کے تمھیں خوشی ہو اور بدی کر کے تم برا محسوس کرو تو تم مومن ہو۔'' اس نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ، گناہ کیا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''جب کوئی چیز تمھارے دل میں کھٹک اور تردّد پیدا کرے تو (سمجھ لو کہ وہ گناہ ہے) اسے چھوڑ دو۔''

تشریح: یعنی نیکی کر کے تمھیں طمانیت اور مسرت حاصل ہو۔ تمھیں احساس و شعور کی اپنی دنیا فرحاں و شاداں نظر آئے۔ اور اگر کوئی ایسا فعل تم سے سرزد ہو جائے جو گناہ اور معصیت کا فعل ہو تو تمھیں ندامت ہو اور اس فعل کی قباحت کو تم فوراً محسوس کرلو تو سمجھ لو کہ ایمان تمھارے دل میں موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی بہ دولت آدمی نیکی اور بدی کے درمیان امتیاز کرسکتا ہے۔ خدا کا جو خوف ایک مومن کے دل میں ہوتا ہے وہ کسی غیر مومن کے دل میں نہیں ہوسکتا۔

سچے مومن کی پاکیزہ فطرت خود ایک ایسے آئینہ کے مانند ہے جسے گناہ اور معصیت کا ہلکا سا دھبہ بھی گوارا نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بہ تقاضائے بشریت مومن سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو فوراً اس کے دل میں خلش پیدا ہوتی ہے اور وہ تردّد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ایک مومن شخص اپنے دل کی پاکیزگی اور طیب نفس کی وجہ سے کسی بدی کی پوشیدہ ترین برائی کو بھی بھانپ لیتا ہے۔

دعوت الی الہدیٰ

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ دَعَا اِلٰی هُدیً کَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا وَّ مَنْ دَعَآ اِلٰی ضَلَالَةٍ کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَیْئًا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے راہِ راست کی طرف دعوت دی اسے ان سبھی لوگوں کے برابر اجر ملے گا جنھوں نے اس کی دعوت پر راہِ راست اختیار کی ہوگی بغیر اس کے کہ ان کے اجروں میں کوئی کمی ہو۔ اور جس شخص نے گم راہی کی طرف دعوت دی اس پر ان سبھی لوگوں کے برابر گناہ ہوگا جنھوں نے اس کی پیروی کی ہوگی بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کوئی کمی ہو۔''

تشریح: اسلام کی دعوت درحقیقت ہدیٰ یعنی راہِ راست کی طرف دعوت ہے۔ اس دعوت کی مخالف جو دعوت بھی ہوگی وہ لازماً راہِ راست سے ہٹی ہوئی ہوگی۔ جس کی پیروی کا انجام کبھی بہتر نہیں ہوسکتا۔ آدمی یا تو ہدایت کی پیروی کرتا ہے یا پھر وہ ہوا و ہوس کا پیرو بن کر رہ جاتا ہے۔ ہدایت یا راہ راست وہی ہے جس کی طرف نبی ﷺ نے خدا کے حکم سے رہ نمائی فرمائی ہے۔

اس حدیث میں داعیانِ حق کے لیے اس بات کی خوش خبری دی جارہی ہے کہ ان کی دعوت پر جتنے لوگ بھی راہ راست اختیار کریں گے ان سب کے اجر کے برابر خدا انھیں اجر عطا فرمائے گا۔ اور اس کی وجہ سے ان کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کے اجر و ثواب میں کسی قسم کی کمی بھی نہیں کی جائے گی۔ اس کے برخلاف ضلالت اور گم راہی کی طرف بلانے والوں کا انجام یہ ہوگا کہ ان سب کے گناہوں کے برابر گناہ ان کے حصے میں آئے گا جنھوں نے ان کی دعوت پر گم راہی اختیار کی ہوگی اس لیے کہ ان کے گم راہی میں پڑنے کا اصل سبب وہی گم راہی کی طرف دعوت دینے والے ہی رہے ہیں۔ گم راہی اختیار کرنے والوں کے گناہوں میں کسی قسم کی کمی

نہیں کی جائے گی کیوں کہ انھوں نے خدا کی دی ہوئی عقل اور سمجھ سے کام نہیں لیا۔ اور ہدایت کے مقابلہ میں اپنے لیے ضلالت اور گم راہی کو پسند کیا۔

دعوۃ الی الحیٰوۃ

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو یاد نہیں کرتا ان کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے۔''

تشریح: یعنی خدا کو یاد کرنے والا زندہ ہے اور جو شخص خدا کی یاد کی طرف سے غافل ہے وہ مثل مردہ کے ہے۔ خدا کی یاد ہی اصل زندگی ہے جس کی طرف اسلام نے لوگوں کو دعوت دی ہے۔ جو شخص صحیح طور پر خدا کو جانتا اور اس سے آگاہ ہے خدا اس کی زندگی کا شعور بن جاتا ہے۔ اور خدا کی یاد اس کی زندگی کا اصل سرمایہ قرار پاتا ہے۔ وہ اپنے رب کو کبھی تسبیح وتحمید اور تہلیل کی شکل میں یاد کرتا ہے اور کبھی وہ خدا کی بے پایاں رحمتوں اور نوازشوں کو دیکھ کر خدا کا شکر گزار ہوتا اور اس کی یاد میں محو ہو جاتا ہے۔

اسلام کے سارے ہی احکام کی روح اور ان کا منشا خدا کا ذکر اور اس کی یاد کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جس عمل کا محرک اپنے رب کا خیال اور اس کی رضا طلبی نہ ہو حقیقت کی نگاہ میں اس عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہو سکتی۔ ہر معاملہ میں منشائے رب کا پاس ولحاظ رکھنا حقیقی ذکر ہے۔ خدا کی صفات اور اس کے کمالات خود ایسے ہیں جو اس کا تقاضا کرتے ہیں کہ آدمی خدا کو اپنی توجہ کا مرکز قرار دے لے۔ خدا کو یاد کرنے کے جو اسالیب ہیں انھیں سے اسلامی زندگی تشکیل پاتی ہے۔ چناں چہ قرآن میں ہے: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ (میری یاد کے لیے نماز قائم کرو) ایک جگہ فرمایا: وَ ذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی (اور اس نے اپنے رب کا نام یاد کیا پس نماز پڑھی)۔ معلوم ہوا کہ نماز اصل میں تقاضائے ذکرِ اسمِ رب ہے۔ روزے کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے۔ وَلِتُکَبِّرُوا عَلٰی مَا هَدٰىکُمْ (اور جو ہدایت تمھیں دی ہے اس کے مطابق اللہ کی بڑائی کا اعتراف واظہار کرو)۔ حج کے متعلق فرمایا گیا ہے:

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ، اللہ کی راہ میں لڑنے کی کیا صورت ہے، اس لیے کہ ہم میں سے کوئی غضب اور غصہ کے سبب سے لڑتا ہے اور کوئی حمیت کی وجہ سے لڑتا ہے؟ آپؐ نے اپنا سر اس کی طرف اُٹھایا اور آپؐ نے سر محض اس وجہ سے اُٹھایا کہ وہ شخص کھڑا ہوا تھا۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اس لیے لڑے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو وہ اللہ کی راہ میں لڑتا ہے۔''

تشریح: کسی کی لڑائی اور جنگ کے پیچھے محض غضب واستکبار یا اپنے قبیلہ یا قوم وملک کی بے جا حمایت کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ اسی جذبہ کو لے کر وہ میدان جنگ میں اترتا ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ اسلام کی ساری سعی وجہد کا خواہ وہ جس صورت میں ہو یہاں تک کہ اگر جنگ بھی کی جارہی ہو تو اس کا مقصد بھی صرف یہ ہو کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو۔ خدا کا بول بالا ہو۔ اس کی عظمت قائم ہو اور زندگی کے ہر شعبے میں اسی کے فرمان اور اسی کی ہدایات کی تعمیل ہو۔ زمین پر اسی کی سطوت قائم ہو اور دلوں میں اسی کی عظمت ومحبت جاگزیں ہو۔ انسانی زندگی کے لیے اس سے بلند نصب العین کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

دعوت الی النجوٰۃ

(۱) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جس شخص نے شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اللہ نے اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیا ہے۔''

تشریح: آدمی خدا کے غضب اور دوزخ کی آگ سے نجات پالے، زندگی کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہے۔ انسان کی اصل نجات یہی ہے۔ یوں تو دنیا میں نجات (Salvation) کے طرح طرح کے تصورات پائے جاتے ہیں لیکن صاف اور واضح تصور نجات کا یہی ہے کہ آدمی خدا کی گرفت سے بچ جائے اور خدا اسے جہنم کے عذاب سے بچا لے۔ اور اسے اپنی جنت میں داخل فرمادے جہاں کی نعمت ہائے فراواں کا آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

قرآن نے ایک مرد مومن کا قول نقل کیا ہے جو نہایت موثر اور سبق آموز ہے۔ مرد مومن نے اپنی قوم سے کہا تھا: وَيٰقَوْمِ مَالِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجَاةِ وَ تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ۔ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ اُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَ اَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ (المومن:۴۲) ''اے میری قوم کے لوگو، یہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہے کہ میں تو تمھیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو، تم مجھے بلاتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ اسے شریک کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں جب کہ میں تمھیں اس کی طرف دعوت دیتا ہوں جو زبردست بخشنے والا ہے۔''

معلوم ہوا کہ نجات کا ذریعہ بس یہی ہے کہ آدمی خدائے واحد پر ایمان لائے جو زبردست، غالب اور خطاؤں کو معاف کرنے والا اور اپنے دامن رحمت سے ڈھک لینے والا ہے۔ اس کے مقابلے میں خدا کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کرنا اور اس کے ساتھ جہالت کی بنا پر دوسروں کو اس کے حقوق و اختیارات میں شریک ٹھہرانا سراسر ظلم اور سرکشی ہے۔ جس کا انجام نار جہنم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

دعوت الی الرحمۃ

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ نَاسًا مِّنْ اَهْلِ الشِّرْكِ كَانُوْا قَدْ قَتَلُوْا وَ اَكْثَرُوْا زَنُوْا فَاَتَوْا مُحَمَّدًا ﷺ فَقَالُوْا اِنَّ الَّذِيْ تَقُوْلُ وَ تَدْعُوْا اِلَيْهِ لَحَسَنٌ لَوْ تُخْبِرُنَا اَنَّ لِّمَا عَمِلْنَا كَفَّارَةً فَنَزَلَ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَ نَزَلَ قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ. وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ.

(بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ مشرکین میں کچھ لوگوں نے کثرت سے قتل کیا تھا اور بہ کثرت زنا کے مرتکب ہوئے تھے۔ وہ لوگ حضرت محمد ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ آپؐ جو کچھ فرماتے ہیں اور جس کی طرف دعوت دیتے ہیں بہت ہی اچھا ہے۔ اگر آپ بتا سکیں

جو کچھ ہم نے کیا ہے وہ معاف ہو جائے گا (اگر ہم آپ کی دعوت کو قبول کریں) تو اس پر یہ آیت اتری ''اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ کسی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے ناحق قتل کرتے ہیں اور نہ زنا کرتے ہیں۔'' اور یہ آیت اتری ''کہہ دو کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔'' ''اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی جیسی کہ اس کی قدر پہچاننی چاہیے تھی۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ خدا کی رحمت بے پایاں ہے۔ اس کی رحمتوں سے کسی حالت میں بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اس حدیث میں قرآن کی جو آیتیں نقل ہوئی ہیں وہ اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مشرک کی بخشش نہیں ہے۔ دوسرے گناہوں کو اللہ معاف کرسکتا ہے۔ یوں اگر کوئی شخص شرک سے تائب ہو کر توحید کے دامن میں پناہ لے لے تو خدا اس کے شرک کو بھی معاف کرسکتا ہے لیکن اگر اس کی موت شرک پر ہوتی ہے تو پھر خدا کے یہاں اس کی بخشش ممکن نہیں۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ اسلام کی دعوت درحقیقت دعوت الی الرحمۃ ہے۔ خدا کی رحمتوں کے مستحق وہی لوگ ہوں گے جو اس کی دعوت پر لبیک کہیں گے اور اپنے دامن کو شرک کی ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھیں گے۔ ظلم اور زیادتی کی روش سے دور رہ کر زندگی بسر کریں گے۔ اور اپنے پچھلے گناہوں کے لیے خدا کی جناب میں استغفار کرتے رہیں گے۔

دعوت الی الرشد

(۱) عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِيْ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''اللہ جس شخص کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ اور میں تو تقسیم کرنے والا ہوں۔ عطا کرنے والا اللہ ہے۔''

تشریح: اسلام کا مطالبہ ہے کہ وہ جس چیز کی دعوت دے رہا ہے اُسے انسان علیٰ وجہ البصیرت تسلیم کرلے۔ اوہام پرستی اور اندھی تقلید کو اسلام نے اپنے یہاں کوئی جگہ نہیں دی ہے۔ یہ حدیث

بتاتی ہے کہ دین کے فہم سے خیر کے دروازے کھلتے ہیں۔ دین خود سراپا خیر ہے۔ لیکن اس خیر سے استفادہ کے لیے فہم اور سمجھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ سمجھ سے کام نہ لینے کی وجہ سے ہم کتنی ہی بھلائیوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ فہم کے بغیر راہ راست کو پانا اور اس پر چلنا ممکن نہیں ہوتا۔ ہدایت یاب ہونے کے لیے عقل و فہم اور فکر کی گہرائی ناگزیر ہے۔ رشد کہتے ہی ہیں اس راست روی کو جو فکر صحیح اور عقل سلیم کے استعمال کے نتیجہ میں آدمی کے حصے میں آتی ہے۔

نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اصل عطا کرنے والا فیاض تو خدا کی ذات ہے، میں تو اس کام پر مامور ہوں کہ اس کی طرف سے جو بھلائیاں پہنچیں ان کو لوگوں کے درمیان تقسیم کردوں۔

دعوت الی دار السلام

(۱) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَّا دَارَ لَهٗ وَ مَالُ مَنْ لَّا مَالَ لَهٗ وَلَهَا يَجْمَعُ مَنْ لَّا عَقْلَ لَهٗ. (احمد، البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دنیا اس کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) کوئی گھر نہیں اور اس کا مال ہے جس کے لیے (آخرت میں) کوئی مال نہیں اور اسے جمع کرنے میں وہی لگا رہتا ہے جو عقل سے عاری ہے۔''

تشریح: یہ حدیث دنیا کی بے وقعتی کی خبر دیتی ہے۔ اور بتاتی ہے کہ آدمی کو دنیا میں فکر آخرت کی طرف سے کبھی بھی غافل نہیں رہنا چاہیے۔ دنیا اور دنیا کا سرمایہ اپنے آپ میں ہرگز مقصود نہیں ہے۔ البتہ ان کے ذریعہ سے آدمی اپنی آخرت کی تعمیر کرسکتا ہے۔ دنیا ہی کو اصل مقصود قرار دینا اور اس پر راضی ہو جانا سب سے بڑی گم راہی ہے۔ قرآن میں ہے: تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (انفال:۶۷) ''تم لوگ تو دنیا کا سروسامان چاہتے ہو جب کہ اللہ آخرت چاہتا ہے۔'' یعنی خدا کے پیش نظر تو اصلاً آخرت ہے اور اہل دنیا دنیا کے سروسامان ہی کو اصل متاع تصور کرتے ہیں۔ عقل مند وہی ہے جو ہمیشہ آخرت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اپنی جدوجہد جاری رکھتا ہے۔ اگر آدمی کے پیش نظر آخرت کی دنیا ہو تو وہ کبھی بھی ظالمانہ روش اختیار نہیں کرسکتا۔ وہ نہ لوگوں کے حقوق تلف کرسکتا ہے اور نہ خدا کے حقوق کے ادا کرنے میں کبھی غفلت سے کام لے سکتا ہے۔

اصلی گھر اور دار القرار تو آخرت ہی کا گھر ہے۔ جسے کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ اسی لیے قرآن میں فرمایا گیا ہے: وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ وَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (یونس:۲۵) ''اور اللہ بلاتا ہے دار السلام (سلامتی کے گھر) کی طرف اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔'' صراط مستقیم پر چلنے کے بعد ہی آدمی اس کا مستحق ہوتا ہے کہ دار السلام اس کے حصے میں آئے جس میں نہ کوئی غم ہوگا اور نہ کسی قسم کا کسی کو خوف لاحق ہوگا۔

دعوت بشکل تبشیر

〈۱〉 عَنْ اَبِىْ مُوْسٰىؓ قَالَ: بَعَثَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ مُعَاذًا اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ: اُدْعُوَا النَّاسَ وَ بَشِّرَا وَلاَ تُنَفِّرَا وَ يَسِّرَا وَلاَ تُعَسِّرَا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اور معاذؓ کو رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا: ''لوگوں کو (اسلام کی) دعوت دو اور انھیں خوش خبری دو، اور نفرت نہ دلاؤ۔ آسانی پیدا کرو، دشواری پیدا نہ کرو۔''

تشریح: بخاری کی روایت میں تَطَاوَعَا (رغبت دلاؤ) کا لفظ بھی آیا ہے۔ یہ حدیث اس بات کی روشن دلیل ہے کہ لوگوں کے لیے اسلامی دعوت کی حیثیت ایک بشارت اور خوش خبری کی ہے۔ یعنی لوگوں کو اس سے باخبر کرنا کہ خدا کی کیا کیا مہربانیاں اور عنایات ہیں جو ان کے حصے میں آسکتی ہیں لیکن اس کے لیے اولین شرط یہ ہے کہ وہ دنیا میں خدا کے فرماں بردار اور مطیع بندے بن کر زندگی گزاریں۔ اسلام اصلاً لوگوں کو مشکلات سے نکالنے اور ان کی زندگی اور ان کے مستقبل کو پُرمسرت بنانے کے لیے آیا ہے۔ اسلام کی تعلیم بغض وعناد کی نہیں وہ لوگوں کو اس چیز کی دعوت دیتا ہے جس کی رغبت اور آرزو اُن کی عین فطرت اور جس کے لیے ان کی روح تشنہ لب ہے۔

دعوت بشکل انذار

〈۱〉 عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: صَعِدَ النَّبِىُّ ﷺ الصَّفَا ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ: يَا صَبَاحَاهُ، فَاجْتَمَعَتْ اِلَيْهِ قُرَيْشٌ قَالُوْا مَالَكَ؟ قَالَ: اَرَاَيْتُمْ لَوْ اَخْبَرْتُكُمْ اَنَّ الْعَدُوَّ

يُصَبِّحُكُمْ اَوْ يُمَسِّيكُمْ اَمَا كُنْتُمْ تُصَدِّقُونِيْ؟ قَالُوْا بَلٰى. قَالَ: فَاِنِّيْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ. (بخاری)

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی ﷺ کوہ صفا پر چڑھے اور آواز دی 'یا صباحاہ'۔ اہل قریش جمع ہو گئے۔ اور آپؐ سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اگر میں تمھیں یہ خبر دوں کہ دشمن تم پر صبح یا شام کو حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں بے شک (ہم آپ کو سچا سمجھیں گے)۔ آپؐ نے فرمایا: ''میں اُس عذاب کے آنے سے پہلے تمھیں اس سے ڈراتا ہوں جو نہایت شدید ہوگا۔''

تشریح: عربوں میں یہ طریقہ رائج رہا ہے کہ کسی خطرے سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے یا صباحاہ کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ بلکہ خطرے کی سنگینی کے اظہار کے لیے برہنہ بھی ہو جاتے تھے۔ نبی ﷺ نے لوگوں کو ایک عظیم خطرے سے جس سے بڑھ کر کسی خطرے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا یعنی جہنم کے عذاب سے خبردار کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ کوہ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو آواز دی۔ اس طریقہ میں جو خرابی تھی یعنی برہنہ ہونا اسے آپؐ نے اختیار نہیں کیا۔ لوگ جب جمع ہو گئے اور آپؐ سے دریافت کیا کہ آپؐ نے انھیں کس بڑے خطرے سے آگاہ کرنے کی غرض سے آواز دی ہے تو آپؐ نے پہلے اپنے صادق اور سچے ہونے کی تصدیق چاہی۔ جب لوگوں نے اس کا اقرار کیا کہ وہ آپؐ کو سچا اور صادق سمجھتے ہیں۔ آپ جو بھی خبر دیں گے وہ اس کی تکذیب نہیں کر سکتے۔ تب آپؐ نے انھیں بتایا کہ آپ انھیں جس خطرے اور اندیشے سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں وہ خدا کا عذاب ہے۔ اور آپ اس عذاب کے آنے سے پہلے اُس سے انھیں باخبر کرنا چاہتے ہیں تا کہ وہ اس عذاب سے بچنے کی تدبیر کر سکیں۔ اور اس عذاب سے بچنے کی تدبیر اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ آپؐ کی رسالت پر سچے دل سے ایمان لائیں، شرک اور بت پرستی اور جاہلیت کے تمام مشرکانہ رسوم کو ترک کر کے خدا کی خالص بندگی اور اس کی اطاعت اختیار کریں۔

داعی کی دعا

(۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَدِمَ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍوؓ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا

رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ دَوْسًا قَدْ عَصَتْ وَ اَبَتْ فَادْعُ اللّٰہَ عَلَیْھَا فَظَنَّ النَّاسُ اَنَّہٗ یَدْعُوْ عَلَیْھِمْ فَقَالَ: اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا وَّاْتِ بِھِمْ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت طفیل بن عمروؓ رسول اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، (قبیلۂ) دوس نے نافرمانی کی ہے اور (حق کو قبول کرنے سے) انکار کیا۔ آپؐ ان لوگوں کے حق میں بددعا کریں۔ لوگوں نے خیال کیا کہ آپؐ ان کے حق میں بددعا کریں گے۔ لیکن آپؐ نے فرمایا: ''اے اللہ، دَوس کو ہدایت عطا کر اور انھیں میرے پاس لادے۔''

تشریح: اس حدیث سے بہ خوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ داعیٔ حق کے جذبات کیا ہوتے ہیں۔ وہ کس درجہ متحمل مزاج ہوتا ہے۔ وہ قوم کی ہدایت کا آرزومند ہوتا ہے۔ قوم کی ہدایت کی طرف سے جلد مایوس نہیں ہوتا۔ نبی علیہ وسلم سے طفیل بن عمرو دوسیؓ اور ان کے ساتھیوں نے درخواست کی تھی کہ قبیلۂ دوس کے لوگوں نے نافرمانی کی روش اختیار کرلی اور آپؐ کی پیروی سے وہ انکار کر رہے ہیں۔ آپؐ ان کے لیے بددعا کریں۔ اس کے جواب میں بددعا کے بہ جائے آپؐ نے اللہ سے قبیلۂ دوس کی ہدایت کے لیے دعا فرمائی۔ اور یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ وہ آکر ملیں اور حق کی اشاعت کی سرگرمیوں میں خدا کے رسولؐ کا ساتھ دیں۔

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ اہلِ طائف کی اذیت رسانی کے باوجود آپؐ نے یہی دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ ''اے اللہ، میری قوم کے لوگوں کو معاف کردے کیوں کہ وہ جانتے نہیں۔''

〈۲〉 وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ اِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوٍ اَوْ حَجٍّ اَوْ عُمْرَۃٍ یُکَبِّرُ عَلٰی کُلِّ شَرَفٍ مِنَ الْاَرْضِ ثَلَاثَ تَکْبِیْرَاتٍ ثُمَّ یَقُوْلُ: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٍ، اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَ نَصَرَ عَبْدَہٗ وَ ھَدَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم جب غزوہ (جہاد) یا حج یا

عمرہ سے واپس ہوتے تو ہر بلند زمین پر تین بار تکبیر کہتے پھر فرماتے: ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا ملک ہے اور اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں۔ اور اسے ہر چیز پر پوری قدرت حاصل ہے۔ ہم لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی اور فوجوں کو تنہا شکست دی۔''

تشریح: اس سلسلہ میں قرآن کی یہ دعا بھی پیشِ نظر رہے: قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (ال عمران:۲٦) ''کہو، اے اللہ بادشاہی کے مالک، تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے، اور جسے چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے، تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے۔ بے شک تجھے ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔''

دعوت کے آداب

(۱) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَ سَكِّنُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''آسانی پیدا کرو، دشواری میں نہ ڈالو، اور تسکین دو، نفرت نہ دلاؤ۔''

تشریح: اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ذمہ داروں کے لیے اُن امور میں کن باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جو ان کے سپرد ہوں۔ خواہ ان امور کا تعلق رعایا کے حقوق سے ہو یا ان کا تعلق کسی بھی دینی کام سے ہو۔ دعوت و تبلیغ کی سرگرمیوں میں کن باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے اس سلسلے میں یہ حدیث خاص طور سے ہماری رہ نمائی کرتی ہے۔ دین تو آسانی پیدا کرنے کے لیے اُترا ہے دین کو مشکل بنا کر پیش کرنا درحقیقت دین سے لوگوں کو بے زار کرنے کے مترادف ہے۔ دعوت کو جو چیز پُرکشش بناتی ہے وہ اس کی فطری پاکیزگی ہے۔ دین کی دعوت دینی ہے تو اسے آسان، فطری، خوشی اور مسرت بنا کر پیش کرنا چاہیے جیسا کہ وہ فی الواقع ہے بھی۔ جو لوگ دین کو مشکل بنا

کر پیش کرتے ہیں وہ حقیقت میں دین کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں اور اِس کا انھیں احساس تک نہیں ہوتا۔

〈۲〉 وَ عَنِ ابْنِ اَبِیْ بُرْدَةَ قَالَ: بَعَثَ النَّبِیُّ جَدَّهٗ اَبَا مُوْسٰی وَ مُعَاذًا اِلَی الْیَمَنِ. فَقَالَ: "یَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا، وَ بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَ تَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن ابی بردہؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کے دادا ابوموسیؓ اور معاذؓ کو یمن بھیجا اور فرمایا: "آسانی پیدا کرنا، دشواری میں نہ ڈالنا، خوش خبری دینا، نفرت نہ دلانا اور دونوں متحد و متفق رہنا، اختلاف نہ کرنا۔"

تشریح: ذمہ دار خواہ ان کا تعلق امور مملکت سے ہو یا کسی بھی دینی کام پر وہ مامور ہوں۔ ان میں اتفاق و اتحاد ضروری ہے۔ دعوتِ دین کے سلسلہ میں بھی ضروری ہے کہ دعوت، مقصدِ دعوت اور دعوت کے اصول و آداب کے سلسلہ میں داعیانِ حق کے درمیان اتفاق و اتحاد پایا جاتا ہو۔ جو چیزیں ان کو باہم جوڑ سکتی ہیں ان کو نظر انداز کرنا اور معمولی سے کسی اختلاف کو ہنرمندی سے پہاڑ بنا کر کھڑا کرنا دین کی دعوت کو نقصان پہنچانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جو لوگ محبت کے بہ جائے نفرت اور یگانگت اور اتحاد کے بہ جائے اختلاف اور تفرقے سے دل چسپی رکھتے ہیں وہ حقیقت میں دین کی کوئی حقیقی خدمت انجام نہیں دے سکتے۔

〈۳〉 وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ: اِنَّکَ تَاتِیْ قَوْمًا اَهْلَ الْکِتَابِ فَادْعُهُمْ اِلٰی شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَاِنْ اَطَاعُوْکَ لِذَالِکَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَیْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَ لَیْلَةٍ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْکَ لِذَالِکَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَیْهِمْ صَدَقَةً فِیْ اَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَآئِهِمْ وَ تُرَدُّ اِلٰی فُقَرَاءِ هِمْ فَاِنْ اَطَاعُوْکَ لِذٰلِکَ فَاِیَّاکَ وَ کَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهَا لَیْسَ بَیْنَهَا وَ بَیْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا: "تم ایک اہل کتاب قوم کی طرف جا رہے ہو۔ تم انھیں اس بات کی شہادت

کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ تمھاری یہ بات مان لیں تو پھر ان کو بتا تا کہ ہر دن رات میں اللہ نے ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ تمھاری یہ بات مان لیں۔ پھر ان کو بتا تا کہ اللہ نے ان کے اموال میں ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔ جو ان کے مال داروں سے لی جائے گی اور ان کے فقرا کی طرف لوٹا دی جائے گی۔ اگر وہ تمھاری یہ بات مان لیتے ہیں تو ان کے عمدہ مالوں کو نہ لینا اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا کیوں کہ اس کی پکار اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔''

تشریح: حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا کہ جہاں تم جا رہے ہو وہاں سابقہ تمھیں اہل کتاب سے پیش آئے گا۔ یعنی تمھیں پہلے سے یہ جان لینا چاہیے کہ وہاں تمھارے مخاطب کون ہوں گے؟ اس سے معلوم ہوا کہ جس قوم میں دعوتی کام کرنا ہو اس قوم کے دین و مذہب، اس کی نفسیات، اس کی تہذیب اور اس کی تاریخ سے واقفیت ضروری ہے۔ تا کہ اپنی دعوت کو قابلِ قبول بنانے کے لیے حتی الامکان مخاطب قوم کی مذہبی نفسیات اور اس کی روایات کا لحاظ رکھا جا سکے۔ حضور ﷺ حضرت معاذؓ کو مطلع فرمایا کہ انھیں جس قوم میں دعوتی کام کرنا ہے وہ اہلِ کتاب ہے۔ اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے وہ وحی و رسالت کے تصور سے نا آشنا نہیں ہے۔ اسے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے اللہ کی عبادت اور حقوق العباد کے سلسلے کی تعلیمات پہلے بھی مل چکی ہیں۔ خدا کے رسولؐ کے نمایندے حضرت معاذؓ کو اُسے جس دین کی طرف دعوت دینی تھی وہ اپنی اصل کے لحاظ سے اس دین سے مختلف ہرگز نہ تھا جس دین کی دعوت خدا کے نبیوں نے اپنی اپنی قوموں کو دی تھی۔

دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں ایک دوسری اہم بات جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ دعوتی کاموں میں تدریج کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ یہ بات حکمتِ دعوت کے خلاف ہوگی کہ ہم مخاطب کے سامنے دین کے تفصیلی مطالبات پیش کرنے لگ جائیں حالاں کہ ابھی مخاطب شخص کو تو نہ توحید پر یقین حاصل ہے اور نہ ابھی وہ وقت کے رسول کی رسالت پر یقین حاصل کر سکا ہے۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ جس دین کے ساتھ نبی ﷺ کو دنیا میں مبعوث کیا گیا ہے اور جس دین کی تبلیغ و اشاعت دنیا میں مطلوب ہے وہ محدود معنی میں کوئی دین نہیں ہے۔ بلکہ وہ انسان

کی پوری زندگی کو محیط ہے۔ اس کا انسان کی پوری زندگی اور اس کے عملی رویّہ سے گہرا تعلق ہے۔ وہ خدا ہی کے ساتھ نہیں بلکہ ابنائے نوع کے ساتھ بھی ہمارے تعلقات کو درست رکھتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ خدا کے حقوق کے ساتھ ساتھ اس کے بندوں کے حقوق کا کس درجہ پاس ولحاظ رکھنا چاہیے۔ پھر وہ دین ساری انسانیت کا دین ہے۔ وہ سارے ہی انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے نازل ہوا ہے۔ صرف کسی خاص قوم یا خطّہ ارض کے لیے اس کا نزول نہیں ہوا ہے۔

دعوت اور نفسیات

(۱) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: لَوْ تَابَعَنِیْ عَشْرَۃٌ مِّنَ الْیَهُوْدِ لَمْ یَبْقَ عَلٰی ظَهْرِهَا یَهُوْدِیٌّ اِلَّا اَسْلَمَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر دس یہودی میری پیروی اختیار کرلیں تو زمین پر کوئی بھی یہودی مسلمان ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔''

تشریح: صحیح بخاری میں بھی یہ روایت آئی ہے۔ بخاری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: لَوْ اٰمَنَ بِیْ عَشَرَۃٌ مِّنَ الْیَهُوْدِ لَاٰمَنَ بِیَ الْیَهُوْدُ۔ ''اگر دس یہودی بھی مجھ پر ایمان لے آتے تو سارے ہی یہود مجھ پر ایمان لے آتے۔'' مطلب یہ ہے کہ قوم یہود کے اگر دس رہ نما عالم مسلمان ہوجائیں تو پھر سارے ہی یہودی مسلمان ہوجائیں گے۔ اس حدیث میں ایک اہم نفسیاتی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آدمی کی انفرادی نفسیات ہی نہیں اس کی قومی نفسیات بھی ہوتی ہے۔ کسی قوم کی اکثریت قومی نفسیات ہی کی پیرو ہوا کرتی ہے۔ قوم کو کسی خاص روش پر قائم رکھنے کے ذمہ دار حقیقت میں قوم کے رہ نما ہی ہوتے ہیں۔ جو تعداد میں زیادہ نہیں ہوتے مگر پوری قوم پر ان ہی کی گرفت ہوتی ہے۔ عام لوگ ان ہی کے ذہن سے سوچتے اور ان ہی کے طریقے پر چلتے ہیں۔ دعوتی سرگرمیوں میں قومی اور اجتماعی نفسیات کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ اگر ہم ایک ایسے شخص کو اپنی دعوت کی طرف متوجہ کرنے میں کام یاب ہوجاتے ہیں جس کے پیچھے چلنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے تو ہم نے دعوتی کام حقیقت میں شخص واحد پر نہیں بلکہ ایک بڑے گروہ پر کیا۔

داعی کے جذبات و کردار

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَثَلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَوْقَدَ نَارًا، فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَ هٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِیْ تَقَعُ فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیْهَا وَ جَعَلَ یَحْجُزُهُنَّ وَ یَغْلِبْنَهٗ فَیَتَقَحَّمْنَ فِیْهَا فَاَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَ اَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''میری مثال اس شخص کی ہے جس نے آگ جلائی۔ اور جب آگ نے اپنے ماحول کو روشن کر دیا تو پروانے اور وہ کیڑے جو آگ میں جا پڑتے ہیں اس آگ میں ٹوٹے پڑتے ہیں۔ اور آگ جلانے والا ان کو روکنے لگتا ہے مگر وہ اس پر غالب رہتے ہیں اور (اس کے روکنے کے باوجود) آگ میں جا پڑتے ہیں۔ بس (میرا یہی حال سمجھو کہ) تمھیں آگ سے بچانے کے لیے میں تمھاری کمریں پکڑے ہوئے ہوں مگر تم ہو کہ آگ میں گرے پڑتے ہو۔''

تشریح: مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں: اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِیْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا (میں تمھیں آگ سے بچانے کے لیے تمھاری کمریں پکڑے ہوئے ہوں۔ کہے جا رہا ہوں میری طرف آؤ، آگ سے بچو۔ میری طرف آؤ، آگ سے بچو۔ مگر تم ہو کہ مجھ پر حاوی ہوئے جاتے ہو اور آگ میں گرے پڑتے ہو۔)

اس حدیث سے اس بے تابی کا پتہ چلتا ہے جو آپؐ کے دل میں قوم کو خدا کے عذاب سے بچانے کے لیے تھی۔ آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو جو تکلیفیں پہنچائی جا رہی تھیں اصل رنج آپؐ کو ان تکلیفوں کا نہ تھا بلکہ آپؐ کو جو چیز بے چین کیے ہوئے تھی وہ قوم کی گم راہی تھی جس کا انجام تباہی اور عذاب جہنم کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا تھا۔ آپؐ کی کوشش یہ تھی کہ قوم گم راہی سے باز آ جائے اور ضلالت سے تائب ہو کر راہِ حق اختیار کر لے تاکہ غضبِ الٰہی سے وہ بچ سکے۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا کہ قوم خدا کے عذاب میں مبتلا ہو کر ہی رہے گی۔ آپ کی بے چینی اور دلی کیفیت کا اظہار حدیث میں پیش کی گئی تمثیل سے بہ خوبی ہوتا ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّمَا مَثَلِیْ وَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ کَمَثَلِ رَجُلٍ اَتٰی قَوْمًا فَقَالَ یَا قَوْمِ اِنِّیْ رَأَیْتُ الْجَیْشَ بِعَیْنِیَّ وَ اِنِّیْ اَنَا النَّذِیْرُ الْعُرْیَانُ فَالنَّجَاءَ النَّجَاءَ فَاَطَاعَہٗ طَائِفَۃٌ مِنْ قَوْمِہٖ فَاَدْلَجُوْا فَانْطَلَقُوْا عَلٰی مَھْلِھِمْ فَنَجَوْا وَ کَذَّبَتْ طَائِفَۃٌ مِّنْھُمْ فَاَصْبَحُوْا مَکَانَھُمْ فَصَبَّحَھُمُ الْجَیْشُ فَاَھْلَکَھُمْ وَاجْتَاحَھُمْ فَذٰلِکَ مَثَلُ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَاتَّبَعَ مَاجِئْتُ بِہٖ وَ مَثَلُ مَنْ عَصَانِیْ وَ کَذَّبَ مَا جِئْتُ بِہٖ مِنَ الْحَقِّ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اور جس چیز کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک قوم کے پاس آیا اور کہا کہ اے میری قوم کے لوگو، میں نے (تمھارے دشمنوں کا) ایک لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں نذیر عریاں ہوں۔ تم لوگ نجات کا راستہ تلاش کرلو، نجات کا راستہ تلاش کرلو۔ چناں چہ اس کی قوم کے کچھ لوگوں نے اس کی بات مان لی اور اپنے گھروں سے راتوں رات آہستہ سے نکل گئے اور نجات پالی۔ اور قوم کے کچھ لوگوں نے اس کی بات نہیں مانی اور وہ اپنے گھروں میں ہی پڑے رہے۔ اور پھر صبح ہوتے ہی اس لشکر نے ان پر دھاوا بول دیا اور انھیں ہلاک کر کے رکھ دیا۔ اور جڑ سے انھیں اکھیڑ پھینکا۔ پس یہی مثال ہے اس شخص کی جس نے میری بات مان کر جو کچھ میں لے کر آیا ہوں اس کی پیروی اختیار کی اور یہی مثال ہے اس کی جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق لے کر میں آیا ہوں اُس کو جھٹلا دیا۔''

تشریح: عرب میں یہ رواج رہا ہے کہ کوئی شخص اگر اپنے قبیلہ یا قوم پر حملہ آور ہونے کے لیے دشمن کو دیکھتا تو برہنہ ہوکر بلند مقام پر کھڑا ہو جاتا اور پکار کر قوم کو دشمن سے آگاہ کرتا۔ اس کا یہ انداز اختیار کرنا اس بات کی علامت ہوتی وہ شخص بالکل سچا ہے اور جو اطلاع وہ دے رہا ہے اس کے صحیح ہونے میں کسی شک اور شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

پیغمبر کی دعوت کی طرف توجہ نہ دینے کا جو انجام ہونے والا ہے اس کا احساس اگر لوگوں کو ہو جائے تو وہ کبھی بھی غفلت کے شکار نہیں ہو سکتے۔ پیغمبر کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ لوگ بیدار ہوں اور اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں تاکہ ہلاکت اور عذاب الٰہی سے وہ محفوظ رہیں۔ یہ وہ

کارِ نبوت ہے جسے اپنی زندگی میں انجام دینا نبی کی اصل ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس سے اس کے کردار کی نوعیت اور اس کی بلندی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بالعموم لوگ صرف اپنی بھلائی کے لیے سوچتے ہیں جب کہ نبی سارے ہی انسانوں کے لیے فکرمند ہوتا ہے۔ اسلام کے ہر داعی کو بھی اپنے یہاں یہی امتیاز پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(۳) وَ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ اِنِّيْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ اِنَّمَا مَثَلِيْ وَ مَثَلُكُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ رَاَى الْعَدُوَّ فَانْطَلَقَ يَرْبَأُ اَهْلَهُ فَخَشِيَ اَنْ يَّسْبِقُوْهُ فَجَعَلَ يَهْتِفُ يَا صَبَاحَاهُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت قبیصہ بن مخارقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عبد مناف کی اولاد، میں تمھیں خبردار کرنے والا ہوں، میری اور تمھاری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے دشمن کو دیکھ لیا پھر وہ اپنے لوگوں (اپنی قوم کو) بچانے کے لیے ایک پہاڑی پر چڑھا (تاکہ قوم کو آگاہ کر دے) لیکن پھر اس اندیشہ سے کہ کہیں دشمن اس سے پہلے نہ پہنچ جائے وہ وہیں سے پکار کر کہنے لگا: یا صباہ! (دشمن کی غارت گری سے بچو)۔''

تشریح: روایت میں آتا ہے کہ جب قرآن میں یہ حکم نازل ہوا کہ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ''اور اپنے قریب ترین خاندان والوں کو خبردار کرو'' تو آپؐ نے اہل خاندان کے سامنے اپنی پوزیشن واضح کی اور انھیں پیغامِ حق کے قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس حدیث میں نبی ﷺ نے جو تمثیل پیش فرمائی ہے اس میں نہایت اچھوتے انداز میں داعی کے جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس میں قوم کی نجات کے لیے داعی کی بے تابی اور اضطراب کو ہم اپنی چشمِ سر سے دیکھ سکتے ہیں۔

نبی ﷺ کے کچھ دعوتی کام

(۱) عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَا مَعْشَرَ الْيَهُوْدِ وَيْلَكُمْ اِتَّقُوا اللّٰهَ فَوَ اللّٰهِ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِنَّكُمْ لَتَعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ حَقًّا وَ اَنِّيْ جِئْتُكُمْ بِحَقٍّ فَاَسْلِمُوْا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے گروہ یہود کے،

افسوس تم پر۔ اللہ سے ڈرو، اُس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تمھیں معلوم ہے کہ میں خدا کا سچا رسول ہوں۔ تمھارے پاس حق لے کر آیا ہوں۔ لہٰذا اسلام قبول کرو۔''

تشریح: یہود تورات کے ذریعہ سے آنے والے نبی کی نشانیوں اور علامات سے بہ خوبی واقف تھے۔ ان کی کتاب تورات میں نبی ﷺ کے بارے میں واضح طور پر پیشین گوئیاں کی گئی تھی۔ اور بتایا گیا تھا کہ آنے والے نبی کے امتیازی اوصاف کیا ہوں گے۔ لیکن جب نبی ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ مدینہ تشریف لائے تو حسد کی وجہ سے یہود آپ پر ایمان نہ لا سکے۔ انھوں نے آپؐ کا انکار اُسی طرح کیا جس طرح اس سے پہلے انھوں نے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا انکار کیا تھا۔

حضور ﷺ نے یہود سے یہ خطاب مدینہ منورہ پہنچ کر کیا تھا۔ جب کہ یہود کے ایک زبردست عالم عبداللہ بن سلام ایمان لا چکے تھے۔

(۲) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یَا مَعْشَرَ الْیَهُوْدِ اَسْلِمُوْا تَسْلَمُوْا. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے گروہ یہود کے، اسلام اختیار کرلو، سلامت رہو گے۔''

تشریح: یہود کی شرارتوں اور ان کی مسلسل ریشہ دوانیوں کی وجہ سے جب آپؐ نے یہ ارادہ فرمایا کہ انھیں شہر بدر کر دیا جائے تو اس وقت آپ نے ان سے فرمایا کہ تم اگر دنیا اور آخرت میں بھلائی کے خواست گار ہو تو اسلام قبول کرلو۔ ورنہ تمھیں رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(۳) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ دَعَا النَّبِیُّ ﷺ قُرَیْشًا فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَ خَصَّ فَقَالَ: یَا بَنِیْ کَعْبِ بْنِ لُؤَیٍّ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ یَا بَنِیْ مُرَّةَ بْنِ کَعْبٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِ شَمْسٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ یَا بَنِیْ هَاشِمٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ یَا فَاطِمَةُ اَنْقِذِیْ نَفْسَکِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِکُ لَکُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت انذر عشیرتک الاقربین (اپنے قریبی رشتہ

داروں کو خبردار کرو) نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے قریش کو بلایا، وہ جمع ہو گئے تو آپؐ نے عام اور خاص (سبھی قبیلوں کو پکار کر) سب سے کہا: ''اے کعب بن لوی کی اولاد دوزخ کی آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ، اے کعب ابن مرہ کی اولاد اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ، اے عبد شمس کی اولاد اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ، اے عبدالمطلب کی اولاد، اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ، اے فاطمہؓ اپنی جان کو آتش دوزخ سے بچاؤ، کیوں کہ میں اللہ کے مقابلہ تمھاری کچھ بھی مدد نہیں کر سکتا۔

تشریح: داعی کی ذمہ داری ہے دعوتِ حق کو عام کرنے کی سعی و جہد میں اپنے قریبی اعزہ و اقرباء کو ہرگز فراموش نہ کرے بلکہ انھیں سب سے پہلے خدا کے پیغام سے آگاہ کرے۔ نبی ﷺ نے اس ذمہ داری کو ادا کرنے میں کسی تساہل سے کام نہیں لیا۔ آپؐ نے ایک ایک خاندان اور قبیلے کا نام لے کر جس درد کے ساتھ اسے آواز دی ہے اس سے آپ کے دل کی بے تابی عیاں ہے۔

اس حدیث سے ایک خاص بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ دعوت اسلام کا سب سے بڑا محرک دوزخ کی آگ سے نجات ہے۔ دوزخ سے چھٹکارا حاصل کرنا اتنی بڑی کام یابی ہے کہ اسی کو آپؐ نے اپنی دعوت کا عنوان قرار دے کر اہل قریش کو خطاب کیا۔ اور فرمایا کہ ہر ایک خاندان اور قبیلے کو اپنے کو دوزخ سے بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔

(۴) وَ عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَ ھُوَ جَالِسٌ فِی الْمَسْجِدِ فَقَالَ الْقَوْمُ ھٰذَا عَدِیٌّ وَ کُنْتُ جِئْتُ بِغَیْرِ اَمَانٍ وَلاَ کِتَابٍ فَلَمَّا دُفِعْتُ اِلَیْہِ اَخَذَ بِیَدِیْ وَ قَدْ کَانَ بَلَغَنِیْ اَنَّہٗ کَانَ قَالَ: اِنِّیْ لَاَرْجُوْا اَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ یَدَہٗ فِیْ یَدِیْ قَالَ فَقَامَ لِیْ قَالَ فَلَقِیَتْہُ اِمْرَءَ ۃٌ مَعَھَا صَبِیٌّ فَقَالاَ اِنَّ لَنَا اِلَیْکَ حَاجَۃً فَقَامَ مَعَھَا حَتّٰی قَضٰی حَاجَتَھَا ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِیْ حَتّٰی اَتٰی دَارَہٗ فَاَلْقَتْ لَہُ الْوَلِیْدَۃُ وِسَادَۃً فَجَلَسَ عَلَیْھَا وَ جَلَسْتُ بَیْنَ یَدَیْہِ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَ اَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا عَدِیُّ مَا یَعِزُّکَ مِنَ الْاِسْلَامِ اَنْ تَقُوْلَ لاَ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ فَھَلْ تَعْلَمُ مِنْ اِلٰہٍ سِوَی اللّٰہِ؟ قُلْتُ لاَ ثُمَّ تَکَلَّمَ سَاعَۃً ثُمَّ قَالَ، اِنَّمَا تَفِرُّ اَنْ تَقُوْلَ اللّٰہُ اَکْبَرُ فَھَلْ تَعْلَمُ شَیْئًا اَکْبَرُ مِنَ اللّٰہِ؟ قُلْتُ: لاَ. قَالَ: فَاِنَّ الْیَھُوْدَ

مَغضُوبٌ عَلَيهِم وَالنَّصارٰى ضُلاَّلٌ. قُلتُ فَإِنِّي حَنِيفٌ مُسلِمٌ فَرَأَيتُ وَجهَهُ تَبَسَّطَ فَرَحًا ثُمَّ اَمَرَ بِي فَاُنزِلتُ عِندَ رَجُلٍ مِّنَ الاَنصارِ فَجَعَلتُ اَغشَاهُ اٰتِيَتَهُ طَرَفَيِ النَّهَارِ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ عدی بن حاتم ہیں۔ میں اچانک آ گیا تھا۔ نہ میں نے امان کی کوئی درخواست دی تھی اور نہ کوئی اور تحریر میرے پاس تھی۔ جب میں آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؐ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ مجھ تک یہ بات پہلے پہنچ چکی تھی کہ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ اللہ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے گا۔ (عدی سخاوت اور فیاضی میں مشہور شخص حاتم کے بیٹے تھے) آں حضرتؐ ان کے (اکرام) کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اسی اثناء میں ایک عورت اپنے ساتھ ایک بچہ لیے ہوئے آ گئی اور اس نے عرض کیا کہ مجھے آپؐ سے ایک ضرورت ہے۔ آپؐ اس کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور اس کی ضرورت پوری کر کے پھر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنے گھر تشریف لے آئے۔ باندی نے فوراً ایک گدّا بچھا دیا۔ آپ اس پر بیٹھ گئے۔ میں بھی آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر آپؐ نے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر مجھ سے فرمایا ''اے عدی، تمھیں اسلام سے انکار کیوں ہے کہ لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) نہیں کہتے؟ کیا تمھارے علم میں خدا کے سوا بھی کوئی الٰہ (معبود) ہے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ پھر آپ نے تھوڑی دیر کچھ اور (تلقین) فرمایا اس کے بعد ارشاد فرمایا: ''کیا تمھیں اللہ اکبر (اللہ بڑا ہے) کہنے سے گریز ہے؟ کیا تمھارے علم میں اللہ سے بڑی بھی کوئی شے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ یہود تو غضب الٰہی کے مورد بن چکے ہیں اور نصاریٰ پرلے درجہ کے گم راہ ہو چکے ہیں۔'' میں نے عرض کیا کہ میں تو حنیف مسلم ہوتا ہوں۔ اس پر میں نے دیکھا کہ مسرت سے آپؐ کا چہرہ کھل گیا۔ پھر میرے بارے میں حکم ہوا۔ میں (آپؐ کے حکم کے مطابق) ایک انصاری کے یہاں مہمان ٹھیرا دیا گیا۔ اور میں صبح و شام آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔

تشریح: عدی سخاوت اور فیاضی میں مشہور و معروف شخصیت حاتم کے بیٹے تھے۔ نبی ﷺ کی دلی خواہش تھی کہ عدی دائرہ اسلام میں داخل ہوں۔ داعی کی توجہ اہم شخصیتوں کی طرف خاص طور

پر ہوتی ہے۔ ایک تو ایسی شخصیتوں سے دین کی قابل قدر خدمت کی توقع کی جا سکتی ہے۔ دوسرے ایسی شخصیتیں حقیقت میں تنہا نہیں ہوتیں بلکہ ان کے ساتھ بہت سارے لوگ ہوتے ہیں۔ ایسی شخصیتوں کے ایمان لانے سے ان کے ساتھ کے لوگوں کے ایمان لانے کے امکانات روشن ہو جاتے ہیں۔

داعی اپنی دعوت کو قابلِ فہم اور قابلِ قبول بنانے کے لیے استدلال کا کیا اسلوب اختیار کرے اس کا تعلق داعی کی ذہانت اور اس حکمت سے ہے جو خدا کی طرف سے اسے عطا ہو۔ نبی ﷺ کتنے موثر طریقے سے اپنی دعوت عدی بن حاتم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اسلام کی دعوت اس کے سوا اور کیا ہے کہ آدمی ایک خدا کی خداوندی اور اس کی آقائی کو تسلیم کر کے اس کی بندگی کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھے۔ اگر اللہ کے سوا کوئی دوسرا الٰہ اور معبود نہیں ہے تو لا الٰہ الا اللہ کہنے میں آخر کیا تامل ہو سکتا ہے۔

پھر آپؐ فرماتے ہیں کہ اے عدی تم اللہ اکبر کہنے سے کیوں بھاگتے ہو؟ تمھیں اللہ اکبر کہنے سے گریز کیوں ہے؟ کیا خدا سے بڑا بھی کوئی ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں تو اللہ اکبر کہنے میں تاخیر کی وجہ کیا ہے؟ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار اور اللہ اکبر کہنا ہی تو اسلام اور اسلام کی دعوت ہے۔ رہے معروف مذہبی فرقے یہود اور نصاریٰ تو خواہ وہ کتنے ہی بلند بانگ دعوے کرتے ہوں۔ وہ پیروی کے لائق نہیں رہے۔ یہود عتاب الٰہی کے مورد ہو چکے ہیں اور نصاریٰ گم راہی اور ضلالت میں بہت دور نکل گئے ہیں۔ نہ یہودیت دنیا کو راہ نجات دکھانے کے لائق رہ گئی ہے اور نہ نصرانیت سے ہم اپنے لیے ہدایت کی کوئی توقع کر سکتے ہیں۔

عدی آپؐ کی دعوت پر لبیک کہتے اور اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ آپؐ کا چہرہ خوشی اور مسرت سے کھل جاتا ہے۔ داعی کی یہ سب سے بڑی کام یابی ہے کہ اس کی کوشش سے کوئی شخص شرک و کفر اور ضلالت کی بھول بھولیوں سے نکل کر مسلم حنیف ہو جائے۔

(۵) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: بَعَثَ النَّبِیُّ ﷺ خَیْلاً قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَ تْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِیْ حَنِیْفَةَ یُقَالُ لَهٗ ثُمَامَةُ بْنُ اُثَالٍ فَرَبَطُوْهُ بِسَارِیَةٍ مِنْ سَوَارِیْ الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ اِلَیْهِ النَّبِیُّ ﷺ فَقَالَ: مَا عِنْدَکَ یَا ثُمَامَةُ. فَقَالَ عِنْدِیْ خَیْرٌ یَا مُحَمَّدُ

اِنْ تَقْتُلْنِیْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَ اِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰی شَاکِرٍ وَ اِنْ تُرِیْدُ الْمَالَ فَسَلْ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَتَرَکَهٗ حَتّٰی کَانَ الْغَدُ ثُمَّ قَالَ لَهٗ مَا عِنْدَکَ یَا ثُمَامَةُ؟ قَالَ: عِنْدِیْ مَا قُلْتُ لَکَ اِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰی شَاکِرٍ فَتَرَکَهٗ حَتّٰی کَانَ بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ مَا عِنْدَکَ یَا ثُمَامَةُ؟ فَقَالَ عِنْدِیْ مَا قُلْتُ لَکَ. فَقَالَ: اَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ اِلٰی نَخْلٍ قَرِیْبٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ یَا مُحَمَّدُ مَا کَانَ عَلَی الْاَرْضِ وَجْهٌ اَبْغَضَ اِلَیَّ مِنْ وَجْهِکَ فَقَدْ اَصْبَحَ وَجْهُکَ اَحَبَّ الْوُجُوْهِ اِلَیَّ وَاللّٰهِ مَا کَانَ مِنْ دِیْنٍ اَبْغَضَ اِلَیَّ مِنْ دِیْنِکَ فَاَصْبَحَ دِیْنُکَ اَحَبَّ الدِّیْنِ اِلَیَّ وَاللّٰهِ مَا کَانَ مِنْ بَلَدٍ اَبْغَضَ اِلَیَّ مِنْ بَلَدِکَ فَاَصْبَحَ بَلَدُکَ اَحَبَّ الْبِلَادِ اِلَیَّ وَ اِنَّ خَیْلَکَ اَخَذَتْنِیْ وَ اَنَا اُرِیْدُ الْعُمْرَةَ فَمَاذَا تَرٰی فَبَشَّرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاَمَرَهٗ اَنْ یَعْتَمِرَ فَلَمَّا قَدِمَ مَکَّةَ قَالَ لَهٗ قَائِلٌ: اَصَبَوْتَ قَالَ: لَا وَلٰکِنْ اَسْلَمْتُ مَعَ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا وَاللّٰهِ لَا تَاْتِیْکُمْ مِنَ الْیَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتّٰی یَاْذَنَ فِیْهَا النَّبِیُّ ﷺ. (مسلم، بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف سواروں کا ایک دستہ روانہ کیا۔ وہ بنی حنیفہ کے ایک شخص کو گرفتار کر کے لے آیا۔ جسے ثمامہ بن اثال کہتے تھے۔ اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے باندھ دیا۔ نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا ''ثمامہ تیرا خیال ہے۔'' اس نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ اے محمد اگر مجھے قتل کرو گے تو ایسے شخص کو قتل کرو گے جو اپنی قوم کا سردار ہے (اُس کا خون رائیگاں نہ جائے گا) اور اگر احسان کرو گے تو اس پر کرو گے جو قدرداں ہے (احسان فراموش نہیں ہے) اگر تمھیں مال درکار ہے تو کہو کیا چاہتے ہو؟ آپؐ اسے اسی حالت میں چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ پھر دوسرے روز تشریف لائے اور فرمایا: ''ثمامہ، تیرا خیال ہے؟'' اس نے کہا کہ میرا وہی خیال ہے جو پہلے عرض کر چکا ہوں۔ اگر احسان کرو گے تو اس شخص پر کرو گے جو شکر گزار ہوگا۔ آپؐ پھر اسے اسی حال میں چھوڑ کر تشریف لے گئے یہاں تک کہ جب کل کے بعد پھر تشریف لائے تو فرمایا: ''اے ثمامہ کیا خیال ہے؟'' اس نے

کہا کہ میرا خیال وہی ہے جو پہلے بیان کر چکا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ''ثمامہ کو کھول دو۔'' قید سے آزاد ہو کر وہ مسجد کے قریب کھجور کے ایک باغ میں گئے۔ غسل کیا پھر مسجد میں داخل ہوئے اور کہا کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں) اے محمد پہلے روئے زمین پر آپؐ کے چہرے سے زیادہ مبغوض چہرہ میرے نزدیک کوئی اور نہ تھا لیکن آج آپؐ کا چہرہ تمام چہروں میں سب سے محبوب تر ہو گیا ہے۔ بہ خدا پہلے آپؐ کے دین سے بڑھ کر مبغوض میرے نزدیک کوئی دوسرا دین نہ تھا اور آج سب سے محبوب دین میرے نزدیک آپؐ ہی کا دین ہے۔ بہ خدا پہلے تمام شہروں میں سب سے مبغوض شہر میرے نزدیک آپ کا شہر تھا لیکن آج سب شہروں میں میرے نزدیک، سب سے عزیز شہر آپؐ ہی کا ہے۔ آپ کے فوجی دستے نے مجھے گرفتار کر لیا تھا اس وقت میں عمرہ کے ارادے سے جا رہا تھا۔ فرمائیں کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بشارت دی اور فرمایا کہ عمرہ ادا کر لیں۔ جب وہ مکہ پہنچے تو کسی کہنے والے نے کہا کہ ارے کیا اپنے دین سے پھر گیا۔ انھوں نے کہا کہ نہیں (میں بے دین نہیں ہوا ہوں) میں اسلام قبول کر کے رسولِ خدا ﷺ کے ساتھ ہو گیا ہوں۔ بہ خدا جب تک نبی ﷺ کی اجازت نہ ہو گی تمھارے پاس یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہ آسکے گا۔''

تشریح: ثمامہ نے پہلے دن اِنْ تَقْتُلْنِیْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ (اگر مجھے قتل کرتے ہو تو یہ ایک سردار کا قتل ہو گا کسی معمولی شخص کا قتل نہ ہو گا یا ایسے شخص کو قتل کرو گے جو خون کرنے کی وجہ سے قتل کا مستحق ہے) کہا لیکن دوسرے دن اپنی گفتگو کی ابتدا اس فقرے سے کی: اِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰی شَاکِرٍ (اگر احسان کرو گے تو شکر گزار پر احسان کرو گے کسی احسان فراموش پر احسان نہیں کرو گے)۔ یہ ابتدا بڑی بلاغت پر مبنی تھی۔ پہلے دن ثمامہ کو اندیشہ تھا کہ جان بخشی نہ ہو گی، لیکن جب آپؐ کا عفو و کرم کا مشاہدہ کیا تو امید ہوئی کہ رحم کی درخواست پیش کی جائے تو وہ منظور ہو کر رہے گی۔ اس لیے دوسرے دن احسان اور شکر گزاری کے مضمون سے اپنی گفتگو کے آغاز کیا۔ نبی ﷺ کا اخلاق کریمانہ کسی معجزے سے کم نہ تھا۔ یہ آپ کے اخلاق کا اثر تھا کہ آپؐ سے شدید نفرت کرنے والا شخص بالکل بدل جاتا ہے۔ اور آپؐ کے فدا کاروں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور صاف طور پر اس کا اظہار کرتا ہے کہ جس شخص کے چہرے سے، جس کے شہر سے اور جس کے دین اور مذہب

سے مجھے سب سے بڑھ کر نفرت تھی آج اس کی ہر چیز مجھے سب سے بڑھ کر محبوب ہوگئی ہے۔ یہ ہے اخلاق و کردار کا جادو جس سے بڑھ کر ہم کسی سحر کاری کا تصور نہیں کر سکتے۔ داعیِ حق کو ایسے ہی اخلاق و کردار کا حامل ہونا چاہیے۔

(۲) وَ عَنِ ابْنِ الْمُسَیَّبِ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ اَبَا طَالِبٍ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ دَخَلَ عَلَیْهِ النَّبِیُّ ﷺ وَ عِنْدَهٗ اَبُوْجَهْلٍ فَقَالَ اَیْ عَمِّ قُلْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کَلِمَةً اُحَاجُّ لَکَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَقَالَ اَبُوْجَهْلٍ وَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ اُمَیَّةَ یَا اَبَا طَالِبٍ اَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ یَزَالَا یُکَلِّمَاهُ حَتّٰی قَالَ اٰخِرَ شَیْءٍ کَلَّمَهُمْ بِهٖ عَلٰی مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ مَا لَمْ اُنْهَ عَنْهُ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن المسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو نبی ﷺ ان کے پاس گئے۔ اس وقت ان کے پاس ابوجہل بھی موجود تھا۔ آپ نے فرمایا: ''چچا جان، لا الٰہ الا اللہ کہہ لیجیے تاکہ اس کی وجہ سے اللہ کی جناب میں مجھے آپ کے لیے کچھ کہنے سننے کا موقع مل سکے۔'' اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ بول پڑے کہ اے ابو طالب کیا تم عبدالمطلب کے آبائی دین کو چھوڑ دو گے۔ اور وہ برابر ابو طالب کو اسی طرح اپنی باتوں سے ورغلاتے رہے یہاں تک کہ آخری بات جوانھوں نے کہی وہ یہ تھی کہ میں عبدالمطلب ہی کی ملت پر قائم ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ''میں آپ کے حق میں استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے روک نہ دیا جائے۔''

تشریح: ابو طالب نبی ﷺ کے چچا تھے۔ ایمان نہ لانے کے باوجود انھوں نے نبی ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ آپؐ کی آرزو تھی کہ ابو طالب ایمان لے آئیں لیکن وہ ایمان نہ لاسکے۔ جب ابو طالب کے انتقال کا وقت آیا تو آپ چچا کے پاس پہنچے اور ان کو کلمۂ توحید کی تلقین کی۔ اور یہ آرزو ظاہر کی کہ وہ دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہوں۔ لیکن وہ ایمان نہ لاسکے۔ آپؐ نے کہا کہ میں چچا کے لیے خدا سے مغفرت طلب کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے روک نہیں دیا جاتا۔ آخر قرآن میں واضح طور پر یہ آیتیں نازل ہوئیں: مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْ بَعْدِ مَاتَبَیَّنَ لَهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ (التوبہ:۱۱۳)
''نبی اور ان لوگوں کے لیے مناسب نہیں جو ایمان لائے ہیں کہ وہ مشرکوں کے حق میں مغفرت کی

دعا مانگیں جب کہ یہ بات ان پر کھل چکی ہے وہ بھڑکتی آگ میں پڑنے والے ہیں) اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ (القصص:۵۶)
"تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت عطا کرتا ہے اور وہی راہ پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔"

〈۷〉 وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: کَانَ غُلَامٌ یَهُوْدِیٌّ یَخْدُمُ النَّبِیَّ ﷺ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِیُّ ﷺ یَعُوْدُهٗ فَقَعَدَ عِنْدَ رَاْسِهٖ فَقَالَ لَهٗ اَسْلِمْ فَنَظَرَ اِلٰی اَبِیْهِ وَ هُوَ عِنْدَهٗ فَقَالَ لَهٗ اَطِعْ اَبَا الْقَاسِمِ ﷺ فَاَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ وَ هُوَ یَقُوْلُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی ﷺ کی خدمت کرتا تھا۔ وہ بیمار پڑا تو نبی ﷺ اس کی عیادت کے لیے اس کے پاس تشریف لے گئے۔ آپؐ اس کے سر کے پاس بیٹھے اور اس سے فرمایا: اسلام قبول کر لے۔" اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے پاس ہی تھا۔ اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ ابوالقاسم کا کہا مان لے تو وہ اسلام لے آیا۔ نبی ﷺ یہ کہتے ہوئے باہر نکلے کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اسے (دوزخ کی) آگ سے نجات دی۔"

آپؐ کے بعض خطباتِ دعوت

〈۱〉 عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ خَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ حَتّٰی صَعِدَ الصَّفَا فَجَعَلَ یُنَادِیْ یَا بَنِیْ فِهْرٍ یَا بَنِیْ عَدِیٍّ لِبُطُوْنِ قُرَیْشٍ حَتّٰی اجْتَمِعُوْا فَجَعَلَ الرَّجُلُ اِذَا لَمْ یَسْتَطِعْ اَنْ یَّخْرُجَ اَرْسَلَ رَسُوْلاً لِیَنْظُرَ مَا هُوَ فَجَآءَ اَبُوْ لَهَبٍ وَ قُرَیْشٌ فَقَالَ اَرَاَیْتُمْ اِنْ اَخْبَرْتُکُمْ اَنَّ خَیْلاً تَخْرُجُ مِنْ صَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ وَ فِیْ رِوَایَةٍ اَنَّ خَیْلاً تَخْرُجُ بِالْوَادِیْ تُرِیْدُ اَنْ تُغِیْرَ عَلَیْکُمْ اَکُنْتُمْ مُصَدِّقِیَّ؟ قَالُوْا نَعَمْ مَا جَرَّبْنَا عَلَیْکَ اِلَّا صِدْقًا. قَالَ: فَاِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ. قَالَ: اَبُوْ لَهَبٍ تَبًّا لَکَ اَ لِهٰذَا جَمَعْتَنَا فَنَزَلَتْ تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (اپنے قریب ترین لوگوں کو ڈراؤ) تو نبی ﷺ نکلے یہاں تک کہ کوہ صفا پر چڑھ گئے۔ پھر پکارنا شروع کیا: ''اے اولادِ فہر، اے اولادِ عدی۔ اسی طرح تمام قبائل قریش کو آپؐ نے نام لے کر آواز دی۔ یہاں تک کہ سب جمع ہو گئے اور جو شخص (کسی مجبوری کی وجہ سے) خود نہ پہنچ سکا تو اس نے کسی کو اپنا نمایندہ بنا کر بھیجا تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ انھوں نے کیوں بلایا ہے۔ الغرض جب ابولہب اور اہلِ قریش سب آ گئے تو آپؐ نے فرمایا: ''اگر میں تمھیں یہ خبر دوں کہ سواروں کا ایک دستہ اس پہاڑ کی جانب سے (ایک روایت کے الفاظ میں اس وادی سے) نکلا ہے جو تم پر غارت گری کے ارادے سے حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟'' لوگوں نے (ایک زبان ہوکر) کہا کہ ہاں (ہم سچا سمجھیں گے)۔ ہمارے تجربے میں تم ہمیشہ سچے ثابت ہوئے ہو۔ تب آپؐ نے فرمایا: ''میں تمھیں اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمھارے سامنے (پیش آنے والا) ہے'' ابولہب نے کہا کہ تباہ و ہلاک ہو کیا اسی کے لیے تم نے ہمیں جمع کیا تھا! اس پر سورہ تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ (ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ڈھے گیا) نازل ہوئی۔

تشریح: کوہ صفا کی آپؐ کی تقریر اور خطاب سے اس حقیقت کا بہ خوبی اظہار ہوتا ہے کہ پیغمبر جس بلندی پر ہوتا ہے وہ بلندی عام لوگوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ وہ پیش آنے والے اس عذاب کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوتا ہے جو ظالم اور نافرمان قوموں کے لیے مقدر ہو چکا ہوتا ہے۔ عام لوگوں کو مستقبل کے انجام بد کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ اور انھیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اگر وہ اپنے کو انجامِ بد سے بچانا چاہیں تو انھیں کیا کرنا ہوگا۔

نبی ﷺ سب سے پہلے تو اس کا اقرار کراتے ہیں کہ لوگوں کو آپ کے سچے اور صادق ہونے پر پورا یقین ہے۔ آپؐ جو بھی خبر دیں گے وہ خبر غلط نہ ہوگی۔ جب لوگوں نے اقرار کر لیا کہ آپ سچے ہیں اور ہم سبھی لوگوں کا تجربہ رہا ہے کہ آپؐ ہمیشہ سچے ہی ثابت ہوئے ہیں۔ آپؐ نے کسی معاملہ میں بھی کبھی غلط بیانی سے کام نہیں لیا۔ تب آپؐ نے فرمایا کہ آنے والے عذاب شدید سے ڈرو۔ جس کی تمھیں خبر نہیں ہے۔ وہ حملہ آور دستہ کی طرح تم پر آئے گا اور پھر تمھیں تباہی اور بربادی اور دردناک عذاب سے بچانے والا کوئی نہ مل سکے گا۔

اس سے پہلے کہ لوگ نبی ﷺ کی بات پر غور کرتے ابولہب جس کو قوم میں نمایاں مقام حاصل تھا بھبک پڑا اور غصے میں آ کر آپ کو کوسنے لگا کہ یہ کیا نیا راگ چھیڑ کر قوم میں انتشار پیدا کیا جا رہا ہے۔ اگر محمد (ﷺ) کی بات مان لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارے باپ دادا غلط تھے۔ اور ہماری سیادت و قیادت محض ضلالت کی سیادت و قیادت ہے۔ اس بات کو کوئی کیسے برداشت کر سکتا ہے۔

(۲) وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَطَبَ النَّاسَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ: يٰاَيُّهَا النَّاسُ، اَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟ قَالُوْا: يَوْمٌ حَرَامٌ. قَالَ: فَاَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟ قَالُوْا بَلَدٌ حَرَامٌ. قَالَ: فَاَيُّ الشَّهْرِ هٰذَا؟ قَالُوْا: شَهْرٌ حَرَامٌ. قَالَ: فَاِنَّ دِمَآءَ كُمْ وَ اَمْوَالَكُمْ وَ اَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ. كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فَاَعَادَهَا مِرَارًا ثُمَّ رَفَعَ رَاسَهٗ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ، اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّهَا الْوَصِيَّةُ اِلٰى اُمَّتِهٖ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَّضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم نحر کے موقع پر خطبہ دیا۔ آپؐ نے فرمایا: ”اے لوگو، یہ کون سا دن ہے؟“ لوگوں نے کہا کہ یہ یوم حرام ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ”یہ کون سا شہر ہے؟“ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ شہر حرام ہے۔ آپ نے فرمایا: ”تمھارا خون، تمھارا مال، تمھاری آبرو تم پر حرام ہے جس طرح آج کا یہ دن، تمھارے اس شہر میں اور تمھارے اس مہینہ میں حرام ہے۔“ آپؐ نے یہ کلمات چند بار فرمائے۔ پھر اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا: ”اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ کیا میں نے (تیرا پیغام) پہنچا دیا؟“ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی حس کے قبضے میں میری جان ہے۔ آپؐ نے اپنی امت کو یہی وصیت فرمائی تھی کہ ”جو لوگ حاضر ہیں وہ ان لوگوں تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں کہ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔“

تشریح: یعنی لوگوں کو یہ حقیقت جان لینی چاہیے کہ صرف دن، شہر اور مہینے ہی قابل احترام نہیں ہوتے بلکہ لوگوں کی آبرو اور ان کی جانیں بھی محترم ہوتی ہیں۔ کفر صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی حق کا

منکر ہو جائے بلکہ یہ روش بھی کفر کی ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جائیں اور انسانی جانوں کی لوگوں کی نگاہ میں کوئی قدر و قیمت باقی نہ رہے۔

آپؐ کے بعض دعوتی خطوط

〈۱〉 وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَتَبَ اِلٰی قَیْصَرَ یَدْعُوْہُ اِلَی الْاِسْلَامِ وَ بَعَثَ بِکِتَابِہٖ اِلَیْہِ دِحْیَۃَ الْکَلْبِیِّ وَ اَمَرَہٗ اَنْ یَّدْفَعَہٗ اِلٰی عَظِیْمِ بُصْریٰ لِیَدْفَعَہٗ اِلٰی قَیْصَرَ فَاِذَا فِیْہِ: ”بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ مُّحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ اِلٰی ھِرَقْلَ عَظِیْمِ الرُّوْمِ. سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدیٰ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ بِدِعَایَۃِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ وَ اَسْلِمْ یُؤْتِکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ وَ اِنْ تَوَلَّیْتَ فَعَلَیْکَ اِثْمُ الْاَرِیْسِیِّیْنَ وَ یٰۤاَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوْا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے (روم کے بادشاہ) قیصر کے نام گرامی نامہ لکھا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ آپؐ نے اپنا وہ گرامی نامہ دِحیہ کلبیؓ (صحابیِ رسول) کے ذریعہ سے روانہ فرمایا تھا اور ان کو حکم دیا تھا کہ وہ اس نامہ کو بصریٰ کے حاکم کو پہنچا دیں تا کہ وہ اسے قیصر کے پاس پہنچا دے۔ گرامی نامہ کا مضمون یہ تھا:

> بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی جانب سے ہرقل کے نام جو روم کا حکمرانِ اعلیٰ ہے۔ اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی اختیار کرے۔ بعد ازاں میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کرلو، محفوظ و مامون رہو گے۔ اسلام قبول کرلو اللہ تمھیں دوہرا اجر عطا فرمائے گا۔ اور اگر منہ پھیرو گے تو تم پر اریسیون کا گناہ بھی ہوگا۔ ”اے اہلِ کتاب، ہمارے اور اپنے درمیان کی ایک سیدھی بات کی طرف آؤ، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں اور نہ آپس میں ہم میں کوئی ایک دوسرے کو اللہ سے ہٹ کر رب بنائے۔“ پھر اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلم ہیں۔

تشریح: اس وقت روم اٹلی کے دار السلطنت کا نام ہے۔ عرب بازنطین (Byzantine) کو روم کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ چوتھی صدی عیسوی کے اوائل میں سلطنت بازنطین دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ اس کا مشرقی علاقہ ایشیائے کوچک، مصر، شام اور فلسطین وغیرہ ممالک پر مشتمل تھا۔ اس علاقہ میں آبنائے باسفورس کے کنارے ۳۲۶ء میں کونس ٹنٹائن (Constantine) ایک شہر آباد کیا۔ اس کا نام اپنے نام پر کونس ٹنٹائن رکھا۔ جس کو اب قسطنطنیہ یا استنبول کہتے ہیں۔ مغربی حصے کا دار السلطنت بہ دستور روم ہی رہا۔ اسلامی تاریخوں میں روم سے مراد رومی شہنشاہیت کا مشرقی ہے۔ روم کے شہنشاہ کا لقب قیصر (Caesar) تھا۔

اریسون کے معنی میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے اس کے معنی فلاحین اور مزارعین لیے ہیں۔ بہرصورت یہاں اس سے مراد قیصر کی رعایا ہی ہے جس پر وہ حکومت کر رہا تھا۔ حضور ﷺ نے لکھا کہ اگر قیصر اسلام لاتا ہے تو اسے دوہرا اجر ملے گا۔ ایک تو اپنے نبی پر ایمان لانے کا دوسرے خدا کے آخری نبی پر ایمان لانے کا اجر بھی اس کے حصے میں آئے گا۔ پھر اس کے ایمان لانے کی وجہ سے اس کی قوم ایمان لے آتی ہے تو اس کا اجر و ثواب بھی اس کے حصے میں آئے گا۔ اس طرح وہ دوہرے اجر کا مستحق ہوگا۔ لیکن اگر قیصر منہ پھیرتا اور اسلام کی دعوت کو رد کر دیتا ہے تو قوم کے گناہ کا بار بھی اس کی گردن پر رہے گا۔ کیوں کہ اس کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے قوم بھی کفر میں مبتلا رہے گی۔ مشہور ہے الناس علی دین ملو کھم۔

واوین کی عبارت سورہ آل عمران کی آیت ۶۴ ہے جس کو نبی ﷺ نے اپنے مکتوب گرامی میں نقل فرمایا ہے۔ چوں کہ قیصر عیسائی یعنی اہل کتاب میں سے تھا، اسی مناسبت سے آپؐ نے یہ آیت اپنے مکتوب میں نقل فرمائی۔

جب یہ مکتوب قیصر کو ملا تو اس وقت وہ قسطنطنیہ سے یروسلم کی زیارت کے لیے جا رہا تھا۔ اسے یہ خط حمص میں پہنچایا گیا۔ اس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص ملے تو اسے لایا جائے۔ بیت المقدس کے قریب غزہ (جزیرہ نمائے سینا میں فلسطین اور مصر کا سرحدی مقام) میں قریشِ مکہ کے تاجروں کا ایک قافلہ مقیم تھا۔ قافلہ کے امیر ابوسفیان تھے جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے۔ قیصر کے دربار میں یہ لوگ پیش ہوئے۔ قیصر نے نبی ﷺ کے بارے میں مختلف سوالات کیے۔ جو تاریخ میں درج ہیں، وہ اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ حضرت محمد ﷺ برحق نبی ہیں اور وہ وہی نبی ہیں

جن کا اہلِ کتاب کو انتظار رہا ہے۔ ہر چند کہ قیصر کے دل میں نورِ اسلام جلوہ افگن ہو چکا تھا لیکن تخت و سلطنت کی محبت اور رعایا کے خوف سے وہ روشنی بجھ گئی۔ اس نے حضرت دحیہ کلبیؓ سے کہا کہ تم رومیہ کے اُسقفِ اعظم ضغاطر سے جا کر ملو اور اسے اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ ایمان لاتا ہے تو راہ ہموار ہو جائے گی۔ نبی ﷺ کو جب اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے ضغاطر کے نام دعوتی خط لکھا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

''جس نے اسلام قبول کیا اس پر سلام ہو۔ میرا مسلک وہی ہے جس پر عیسیٰ بن مریم روح اللہ کار بند رہے ہیں۔ اور وہ کلمۃ اللہ تھے جو عصمت مآب مریم کو ودیعت ہوا تھا۔ میں اللہ پر اور ان کتابوں پر جو ابراہیم، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوئیں ایمان رکھتا ہوں۔ موسیٰؑ عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاء کو رب کی طرف سے جو عطا ہوا اس کا ہم عقیدہ رکھتے ہیں۔ ہم نبیوں میں کسی بھی تفریق و امتیاز کے قائل نہیں ہیں۔ ہم مسلم ہیں۔ سلام اس پر جو ہدایت کی پیروی اختیار کرے۔''

اس نے یہ خط پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ لیکن لوگ طیش میں آ گئے اور اسے شہید کر دیا۔

قیصر کے نام جو مکتوب نبی ﷺ نے بھیجا تھا اس کی اصل کاپی دریافت ہو چکی ہے۔ تاریخ میں اس مکتوب گرامی کی موجودگی کا ساتویں صدی ہجری تک اسپین میں پتہ چلتا ہے۔ زوال اندلس کے بعد یہ مکتوب کسی طرح مکہ پہنچا دیا گیا۔ حجاز کے حکمراں ہاشمی خاندان نے اسے اپنے یہاں محفوظ رکھا۔ مئی ۱۹۷۵ء میں اخبارات کے ذریعہ سے یہ خبر شائع ہوئی کہ ہاشمی خاندان کے شاہ عبداللہ شریف حسین (شریف مکہ کے فرزند اور شرق اردن کے شاہ حسین کے دادا) نے یہ مکتوب اپنی ملکہ نجہ کو اس شرط پر دے دیا تھا کہ کسی اشد ضرورت پر کسی مسلمان حکمراں کے ہاتھ فروخت کر دینا۔ چناں چہ ابوظہبی کے حکمراں شیخ زید بن سلطان النہیان نے اس گراں قدر دستاویز کو سوملین ڈالر میں خرید لیا۔ اس نامۂ مبارک کی تحقیق میں پورا ایک سال صرف ہوا۔

(۲) وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ بِكِتَابِهٖ اِلٰى كِسْرٰى مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِيِّ فَاَمَرَهٗ اَنْ يَّدْفَعَهٗ اِلٰى عَظِيْمِ الْبَحْرَيْنِ فَدَفَعَهٗ عَظِيْمُ الْبَحْرَيْنِ اِلٰى كِسْرٰى فَلَمَّا قَرَأَ مَزَّقَهٗ قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُمَزَّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کے نام اپنا مکتوب گرامی عبداللہ ابن حذافہ سہمیؓ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ انھیں یہ حکم دیا کہ وہ اسے بحرین کے حاکم کے پاس لے جائیں (تاکہ وہ کسریٰ تک پہنچا دے) اور بحرین کے حاکم نے اسے کسریٰ کے پاس پہنچا دیا۔ جب کسریٰ نے اس مکتوب کو پڑھا تو اسے پھاڑ کر پھینک دیا۔ ابن میسّب (حدیث کے ایک راوی) کہتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ نے کسریٰ اور اس کے طاعت گزاروں کے لیے بد دعا کی کہ ''وہ پاش پاش کر دیے جائیں بالکل پارہ پارہ۔''

تشریح: رومن امپائر کی طرح فارس (ایران) بھی قدیم ترین شہنشاہیت کا گہوارہ رہا ہے۔ اس وقت اس کی سلطنت ایک طرف سندھ تک وسیع تھی تو دوسری جانب عراق اور عرب کے اکثر حصے یمن، بحرین اور عمان وغیرہ ایران کے زیر اقتدار تھے۔ اس سلطنت کے حکمراں کا لقب خسرو ہوا کرتا تھا۔ کسریٰ اس کا معرب ہے۔ حضور ﷺ نے جس کسریٰ کے نام گرامی نامہ بھیجا تھا اس کا نام پرویز تھا۔ جو ہرمز بن نوشیرواں کا بیٹا تھا۔

حضور ﷺ کی بد دعا کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اس کی سلطنت پر وہ لعنت نازل ہوئی کہ ہزاروں سال کی عظیم الشان سلطنت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔

خسرو پرویز نے نہ صرف یہ کہ نامۂ مبارک چاک کیا بلکہ اس نے ایک گستاخی اور کی۔ اس نے یمن کے اپنے نائب اور اپنے بھتیجے بازان کو پیغام بھیجا کہ حجاز کے مدعیٔ نبوت کو ہمارے پاس بھجوا دو۔ اس نے اپنے دو آدمی آپؐ کے پاس بھیجے۔ انھوں نے آپؐ سے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا کہ خسرو نے آپ کو طلب کیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کل مجھ سے جواب لے لینا۔ اگلے روز آپؐ نے فرمایا کہ اپنے حاکم بازان کو یہ خبر پہنچا دو کہ میرے رب نے خسرو پرویز کا کام تمام کر دیا۔ اصل میں خسرو کی رومیوں سے جنگ چھڑی ہوئی تھی خسرو شکست پہ شکست کھا رہا تھا مگر صلح پر آمادہ نہیں تھا۔ اس کے بیٹے شیرویہ نے باپ کو قتل کر کے رومیوں کی شرایط پر اُن سے صلح کر لی۔ لیکن چھ مہینے کی مختصر مدت میں وہ بھی دنیا سے چل بسا اور ایران سلطنت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔

ادھر یمن کے حاکم بازان نے نبی ﷺ کی تعلیمات پر غور کرنے کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ پھر اس کے درباریوں کے علاوہ بہت سے دوسرے لوگ بھی اس کی پیروی میں اسلام لے

آئے۔ایک سال کے بعد بازان کے انتقال کے بعد یمن میں بدامنی پھیل گئی۔ نبی ﷺ نے اس کے نابالغ بیٹے کو حاکم مقرر فرمایا۔ اور امن وامان کی بحالی کے لیے ابوموسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ اور عامر ہمدانیؓ وغیرہ کو یمن کے اضلاع کا منتظم بنا کر بھیجا۔

کسریٰ کے نام نبی ﷺ نے جو مکتوب بھیجا تھا، اس کی اصل کاپی دریافت ہوگئی ہے۔ یہ مکتوب پھٹا ہوا تھا جس کو جوڑ کر ٹھیک کیا گیا ہے۔ یہ خط لبنان کے سابق وزیر خارجہ ہنری فرعون کے پاس محفوظ ہے۔ اس کا انکشاف شام کے ایک عالم ڈاکٹر صلاح المنجد نے کیا ہے۔ ہنری فرعون کے والد نے پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر یہ دستاویز دمشق میں ڈیڑھ سو اشرفی میں خریدا تھا۔۱۹۶۲ء تک ہنری فرعون کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ مکتوب نبوی میں سے ایک اہم مکتوب ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنے ایک تحقیقی مضمون میں اس کے اصلی ہونے کا یقین ظاہر کیا ہے۔ اس مکتوب کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. مِن مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ اِلٰی کِسْرٰی عظیم فارِس. سَلامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ شَھِدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ. اَدْعُوْکَ بِدِعَایَةِ اللّٰہِ فَاِنِّیْ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَی النَّاسِ کَافَّةً لِاُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا وَّ یَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَی الْکَافِرِیْنَ اَسْلِمْ تَسْلَمْ فَاِنْ اَبَیْتَ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ.

اللہ
رسول
محمد

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے کسریٰ عظیم فارس کے نام۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی اختیار کرے۔ اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اور جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تمھیں اللہ کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں۔ کیوں کہ میں خدا کا رسول ہوں جسے تمام ہی انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے'' تا کہ میں زندوں کو (آخرت سے) ڈراؤں اور اہل کفر پر

حجت قائم ہو جائے۔" اسلام قبول کرلو، سلامت رہو گے اور اگر انکار کرو گے تو سارے آتش پرستوں کا عذاب بھی تمھاری گردن پر ہو گا۔

(محمد رسول اللہ)

نبی ﷺ نے جو مکتوب قیصر کے نام بھیجا تھا اس میں اور اس مکتوب میں جو کسریٰ کے نام لکھا گیا ہے بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ قیصر اہل کتاب میں سے تھا اور کسریٰ اہل کتاب میں سے نہیں تھا۔ اس لیے دعوت گرچہ دونوں کو ایک ہی (توحید کی) دی گئی ہے لیکن فطری طور پر دعوت کے پیش کرنے کا انداز الگ الگ اختیار فرمایا گیا ہے۔ کسریٰ کے مکتوب میں واوین کی عبارت قرآن (یٰس: ۷۰) سے ماخوذ ہے۔ جو کسریٰ کے مناسب حال ہے۔ اس میں زور دیا گیا ہے کہ کسریٰ زندگی کا ثبوت دے اور خدا کے رسول پر ایمان لا کر خدائے واحد کی بندگی اختیار کر لے۔ اگر وہ انکار کرتا ہے تو اس پر حجت تو قائم ہی کر دی جا رہی ہے۔ کل وہ یہ نہیں کہہ سکے گا کہ مجھے تو کسی نے حق کی دعوت ہی نہیں دی، میں کیسے ایمان لاتا۔ وہ ایمان نہیں لاتا تو اپنے گناہ کے ساتھ اس کی گردن پر قوم کے گناہ کا بار بھی ہو گا۔ عوام حکمراں سے متاثر ہوتے ہیں اور اسی کے دین و مذہب کے اختیار کرنے کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَتَبَ اِلٰی کِسْرٰی وَ اِلٰی قَیْصَرَ وَ اِلَی النَّجَّاشِیِّ وَ اِلٰی کُلِّ جَبَّارٍ یَدْعُوْهُمْ اِلَی اللّٰهِ وَ لَیْسَ بِالنَّجَّاشِیِّ الَّذِیْ صَلّٰی عَلَیْهِ النَّبِیُّ ﷺ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کسریٰ اور قیصر اور نجاشی اور ہر جابر و مقتدر حکمراں کو خطوط لکھے جن میں انھیں اللہ (کی اطاعت یعنی اسلام) کی طرف دعوت دی گئی تھی۔ یہاں نجاشی سے مراد وہ نجاشی نہیں ہے جس کی نبی ﷺ نے (مدینہ میں غائبانہ) نماز جنازہ پڑھی تھی۔

تشریح: اس روایت کے آخر میں اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ یہاں نجاشی سے مراد وہ نجاشی نہیں ہے جس کو نبی ﷺ نے دعوت نامہ بھیجا تھا اور وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ جس کے انتقال پر آپؐ نے مدینہ میں صحابہؓ سے فرمایا تھا کہ مرد صالح تمھارا بھائی اصحمہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اٹھو، اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ اور پھر آپؐ نے اس کی غائبانہ نماز پڑھائی۔

آپؐ نے دونوں نجاشی کو مکتوب بھیجے تھے۔ پہلے نجاشی نے تو اسلام قبول کر لیا تھا۔ دوسرے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک اس نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن بعض کے نزدیک وہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔

حبش عرب کے جنوب میں مشرقی افریقہ میں واقع ایک ملک ہے۔ حبش کو اتھوپیا کہتے ہیں۔ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت اس ملک پر عیسائی بادشاہ کی حکمرانی تھی۔ حبشی زبان میں بادشاہ کو نجوس (Negus) کہتے ہیں۔ نجاشی اسی نجوس کا معرب ہے۔ یہاں ہم وہ مکتوب نقل کرتے ہیں جو آپؐ نے نجاشی صحمہ کے نام بھیجا تھا۔

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم. مِن محمد رسُول اللّٰهِ اِلی النّجَّاشِی عظیم الحبَشۃِ سلامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدیٰ، اَمَّا بعد، فَاِنّی اَحْمَدُ الیک اللّٰهَ الَّذی لا الٰه اِلاَّ ھُوَ الْمَلِکُ القُدّوسُ السَّلاَمُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیمِنُ وَ اَشھَدُ اَنَّ عِیسٰی بْنُ مریم رُوحُ اللّٰهِ وَ کَلِمَتُهٗ اَلْقَاھَا اِلٰی مَرْیَمَ الْبَتُولُ الطّیّبۃِ الحَصِینۃ فحملتْ بعیسٰی مِن روحِهٖ و نفخهٖ کَمَا خلقَ اٰدَمَ بیَدِهٖ وَ اِنِّی ادعُوک اِلَی اللّٰهِ وَحْدَهٗ لاَ شَرِیْکَ لَهٗ والمَوالات علٰی طاعَتِهٖ وَ اَنْ تتبعنی و تُوقنُ بِالَّذی جَآءَ نِیُ، فَاِنّیُ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ اِنِّیُ أدعُوکَ وَ جُنُودَکَ اِلَی اللّٰهِ عزّوجَلَّ و قَد بلّغتُ و نصحتُ فاقبل نصیحتِی والسلام علٰی مَن اتَّبَعَ الْھُدٰی.

اللّٰه
رسول
محمد

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے حبش کے بادشاہ نجاشی کے نام۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی اختیار کرے۔ بعد ازیں، میں اس خدا کی حمد تمھارے سامنے کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے، نہایت مقدس، سراسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان اور میں شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کی

روح اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اللہ نے مریم پاک دامن کی طرف ڈالا تھا۔عیسیٰ اس کی روح اور پھونک سے حمل میں آئے۔ جس طرح آدم کو اس نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اور میں تمھیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں جو واحد ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور اس دوستی اور باہمی اتحاد کی طرف دعوت دیتا ہوں جو اللہ کی اطاعت پر قائم ہوتا ہے۔ اگر میرا اتباع کرتے ہو اور اس پر یقین کرتے ہو جس نے مجھے بھیجا ہے تو میں اللہ کا رسول ہوں اور میں تمھیں اور تمھارے لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں تبلیغ و نصیحت کا فرض ادا کر چکا۔ اب نصیحت قبول کرو، پیروانِ ہدایت پر سلام ہو۔''

(اللہ رسول محمد)

نبی ﷺ کے دست یاب مکتوبات میں یہ نامۂ مبارک بھی شامل ہے جسے آپؐ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو لکھا تھا۔ یہ نامہ مبارک عمر بن امیہؓ کے ہاتھ بھیجا گیا تھا۔ اس مکتوب کی اصل کاپی اکتوبر ۱۹۳۸ء میں دمشق میں دست یاب ہوئی، دمشق سے یہ مکتوب انگلینڈ لے جایا گیا۔ وہاں برٹش میوزیم میں ماہرین نے اس کا معاینہ کیا اور پھر دمشق واپس کر دیا۔

حضور ﷺ نے دعوتی خطوط بہت سے حکمرانوں اور اہم شخصیتوں کو تحریر فرمائے۔ یہاں بہ طور نمونہ چند اہم خطوط کو پیش کیا گیا ہے۔ آپؐ کے دعوتی خطوط کے مطالعہ سے کئی بنیادی باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ آپؐ نے اپنے خطوط کی زبان نہایت سادہ اور سلیس رکھی ہے۔ بے جا لفاظی سے گریز کیا گیا ہے۔ آپؐ نے اس کی صاف وضاحت فرمائی کہ آپؐ یہ خط خدا کے ایک رسول کی حیثیت سے بھیج رہے ہیں۔ پھر آپ کی دعوت کیا ہے؟ اسے مبہم الفاظ میں نہیں بلکہ واضح الفاظ میں پیش کیا ہے۔ کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا۔ اپنے دعوت ناموں میں اس کا لحاظ رکھا ہے کہ ان کے مخاطب کون ہیں؟ ان کی نفسیات کیا ہے؟ اور ان کی اپنی مذہبی روایات کیا رہی ہیں؟ یہ لحاظ آپؐ نے اس لیے رکھا تاکہ مدعو کو دعوت کے سمجھنے اور اس کے قبول کرنے میں آسانی ہو۔ آپؐ کی دعوت کو قبول نہ کرنے اور اس سے منہ پھیر لینے کے بُرے نتائج کیا ہو سکتے ہیں، ان سے بھی آپؐ نے آگاہ فرمایا۔ یعنی اپنے مکتوبات میں آپؐ نے ترغیب اور ترہیب دونوں طریقے اختیار فرمائے۔ آپؐ کے دعوتی خطوط میں آج کے داعیانِ حق کے لیے رہ نمائی کا بہت کچھ سامان موجود ہے۔

آپؐ کا انداز تعلیم و تربیت

﴿۱﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اَمَرَهُمْ اَمَرَهُمْ مِنَ الْاَعْمَالِ بِمَا يُطِيْقُوْنَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ایسے ہی کاموں کے کرنے کا حکم دیتے تھے جن کی ان میں استطاعت ہوتی تھی۔

تشریح: دین میں آدمی بس اتنے ہی کا مکلف ہے جتنی اس کے اندر طاقت ہے۔ نبی ﷺ ہمیشہ اس کا لحاظ رکھتے تھے۔ کسی کی قوت کار اور اس کی جسمانی و ذہنی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے کوئی خدمت اس کے سپرد فرماتے تھے۔ بلکہ بعض کو تو آپؐ نے اس سے روکا بھی ہے کہ وہ اپنے ذمہ وہ کام لیں جس کی طاقت اور استطاعت ان کے اندر نہیں پائی جاتی۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِی الْاَيَّامِ كَرَاهِيَةَ السَّامَةِ عَلَيْنَا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں وعظ کہنے میں اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کہیں وہ ہمارے اُکتا جانے کا سبب نہ بن جائے جو آپؐ کو پسند نہ تھا۔

تشریح: وعظ اور نصیحت میں بھی اعتدال کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ صبح و شام یا ہر وقت لوگوں کو وعظ اور نصیحت سے فیض یاب رکھنے کا سلسلہ قائم رکھنے میں اس کا قوی اندیشہ ہے کہ لوگ مواعظہ حسنہ سے اُکتا جائیں اور اپنے لیے اسے ایک مصیبت سمجھنے لگیں۔ نبی ﷺ انسان کی نفسیات کا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ آپؐ چاہتے تھے کہ لوگوں کا نشاط باقی رہے۔ وہ اُکتاہٹ محسوس نہ کریں۔ حضرت ابن مسعودؓ بھی نبی ﷺ کے طرزِ عمل کی پیروی فرماتے تھے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا حَسَدَ اِلَّا فِیْ اِثْنَتَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلَكَتِهٖ فِی الْحَقِّ وَ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِیْ بِهَا وَ يُعَلِّمُهَا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حسد صرف دو شخصوں سے کرنا روا ہے ایک وہ شخص جسے خدا نے مال عطا کیا اور راہِ حق میں اسے خرچ کرنے کی

توفیق دی دوسرا وہ شخص ہے جسے خدا نے حکمت عطا فرمائی اور وہ اس کے مطابق معاملات کا فیصلہ کرتا ہے اور اس حکمت کی (لوگوں کو) تعلیم دیتا ہے۔"

تشریح: یہاں حسد کا لفظ بہ طور مبالغہ استعمال ہوا ہے اس سے مراد غبطہ یا رشک ہے، حسد یہ ہے کہ آدمی کسی کی سرفرازی اور ترقی اور اس کی نعمتوں کو دیکھ کر یہ آرزو کرنے لگے کہ یہ نعمتیں اس سے چھن جائیں۔ اور وہ مقام بلند سے نیچے گر جائے۔ یہ حسد قطعاً حرام ہے۔ صرف کسی ظالم اور مفسد کے سلسلہ میں اس کے زوال نعمت کی آرزو کی جاسکتی ہے تا کہ اس کے ظلم وفساد سے مخلوق خدا نجات پاسکے۔ غبطہ یا رشک جائز ہے۔ کسی کی سرفرازی اور اس کی نعمتوں کو دیکھ کر اگر کوئی یہ آرزو کرتا ہے کہ خدا کرے اس کو بھی یہ چیز میسر ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اس حدیث میں درحقیقت یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں یہ دو قسم کے آدمی ایسے ہیں جو حقیقت میں قابلِ رشک ہیں، ایک مال دار جس کا مال راہ حق میں صرف ہورہا ہو دوسرا صاحبِ علم ودانش جو اپنی بصیرت اور قوتِ فیصلہ سے معاملات کو سلجھاتا ہو اور مسائل کو صحیح طور پر حل کرتا ہو اور جس کی کوشش یہ ہو کہ خدا نے اسے جس علم وحکمت سے نوازا ہے وہ علم وحکمت دوسروں کے حصہ میں بھی آسکے۔ تا کہ دین کے صحیح تصور سے لوگ آشنا ہوسکیں اور دینِ حق کی صحیح نمایندگی عالم میں ہوسکے۔

اس حدیث سے ملتی جلتی ایک حدیث اور صحیحین میں ملتی ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

لَا حَسَدَ اِلَّا عَلٰی اِثْنَتَیْنِ: رَجُلٍ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ یَقُوْمُ بِهٖ اٰنَآءَ اللَّیْلِ وَ اٰنَآءَ النَّهَارِ وَ رَجُلٍ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ یُنْفِقُ مِنْهُ اٰنَا اللَّیْلِ وَ اٰنَآءَ النَّهَارِ (بخاری، مسلم عن ابن عمرؓ)

"صرف دو شخصوں پر حسد روا ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن عطا فرمایا ہو اور وہ شب وروز کے اکثر اوقات میں اس کے ساتھ قیام کرتا ہو۔ دوسرا وہ شخص جس کو خدا نے مال عطا کیا ہو اور وہ اسے شب وروز کے اکثر اوقات میں (راہِ حق میں) خرچ کرتا ہو۔"

(۴) وَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ: جَمَعَ النَّبِیُّ ﷺ نَاسًا مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ: اِنَّ قُرَیْشًا حَدِیْثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِیَّةٍ وَ مُصِیْبَةٍ وَ اِنِّیْ اَرَدْتُ اَنْ اُجِیْزَهُمْ وَ اَتَاَلَّفَهُمْ اَمَا تَرْضَوْنَ اَنْ یَّرْجِعَ النَّاسُ بِالدُّنْیَا وَ تَرْجِعُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی بُیُوْتِکُمْ؟ قَالُوْا

بَلٰی. قَالَ لَوْ سَلَکَ النَّاسُ وَادِیًا وَ سَلَکَتِ الْاَنْصَارُ شِعْبًا لَسَلَکْتُ وَادِیَ الْاَنْصَارِ اَوْ شِعْبَ الْاَنْصَارِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا: ''قریش ابھی تازہ تازہ جلد ہی جاہلیت سے نکل کر مسلمان ہوئے ہیں اور فقر کی مصیبتیں جھیل رہے ہیں۔ میں ان کی کچھ مدد کرنی چاہتا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ تالیف قلب کروں۔ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ اور لوگ تو دنیا کا مال لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم خدا کے رسول کو لے کر اپنے گھروں کو جاؤ؟'' انصار بولے کہ کیوں نہیں، ہم اس پر راضی ہیں اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ''اگر لوگ ایک وادی سے گزریں اور انصار دوسرے راستے یا وادی سے گزریں تو میں اسی راستے کو اختیار کروں گا جس سے انصار جائیں گے۔''

تشریح: اس روایت کا ایک تاریخی پس منظر ہے۔ جنگ حنین کے بعد آپؐ نے اسلامی فوج کو طائف کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ طائف حصار بند شہر تھا۔ جس میں ایک مضبوط و مستحکم قلعہ تھا۔ اسلامی فوج نے بیس روز تک قلعہ کا محاصرہ کیا۔ محصورین قلعہ سے باہر نکل کر لڑنے کی جرأت نہ کر سکے۔ محاصرہ کو طول دینا نبی ﷺ نے پسند نہ کیا۔ آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ اہل رائے کا موقف یہ تھا کہ محصورین کا جنگی کردار متزلزل ہو چکا ہے۔ ان کے دوبارہ بغاوت کرنے کا امکان دکھائی نہیں دیتا۔ محاصرہ اٹھالیا گیا۔ طائف سے آپؐ واپس جرانہ تشرف لائے۔ یہاں آپؐ نے مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم فرمایا۔ قریش کے دلوں کو مسخر کرنا آپ کے پیش نظر تھا اس لیے مال غنیمت کا کثیر حصہ قریش کو عطا کیا۔ تجارتی دشواریوں کی وجہ سے قریش کی معاشی حالت بھی اس وقت ابتر ہو چکی تھی۔ انصار کے بعض لوگوں کو جن کی نظر حضور ﷺ کی حکمت عملی پر نہ تھی شکایت ہوئی۔ انھیں قریش پر عطائے کثیر سے ملال ہوا۔ آپؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے انصار کو جمع کیا۔ اس موقع پر آپؐ نے جو خطبہ دیا وہ ایجاز و بلاغت کی بہترین مثال ہے۔ آپؐ نے انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گم راہ تھے۔ اللہ نے میرے ذریعہ سے تمھیں ہدایت سے نوازا۔ تم پراگندہ اور منتشر تھے، اللہ نے میرے ذریعہ سے تم میں وحدت پیدا کی۔ تم مفلس تھے خدا

نے میرے ذریعہ سے تمھیں تونگری بخشی؟ آپؐ کے ہر ایک فقرے پر انصار کہتے جاتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔ دفعتاً آپؐ نے کلام کا رُخ بدلا اور فرمایا:

نہیں، تم یہ جواب دو کہ اے محمد، جب لوگوں نے تمھاری تکذیب کی تو ہم نے تمھاری تصدیق کی۔ لوگوں نے تمھیں چھوڑ دیا تو ہم نے تمھیں پناہ دی۔ تم مفلوک الحال آئے تھے۔ ہم نے ہر قسم کا تعاون کیا۔ پھر ذرا توقف کے بعد فرمایا: تم یہ جواب دیتے جاؤ، میں کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو۔ لیکن اے انصار، کیا تمھیں یہ پسند نہیں ہے کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم (اللہ کے رسول) محمد کو لے کر اپنے گھروں کو واپس ہو؟ انصار چیخ اُٹھے: ہمیں اور کچھ نہیں، صرف محمدؐ چاہیے۔ (طبقات ابن سعد)

﴿۵﴾ وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَلِيْمٍ قَالَ: رَأَيْتُ رَجُلاً يَصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَأْيِهِ لاَ يَقُوْلُ شَيْئًا اِلاَّ صَدَرُوْا عَنْهُ قُلْتُ مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قُلْتُ: عَلَيْكَ السَّلاَمُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَرَّتَيْنِ. قَالَ لاَ تَقُلْ عَلَيْكَ السَّلاَمُ فَاِنَّ عَلَيْكَ السَّلاَمُ تَحِيَّةُ الْمَيِّتِ. قُلْ اَلسَّلاَمُ عَلَيْكَ. قَالَ: قُلْتُ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ؟ قَالَ: اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ الَّذِىْ اِذَا اَصَابَكَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهُ كَشَفَهُ عَنْكَ وَ اِنْ اَصَابَكَ عَامٌ سَنَةٌ فَدَعَوْتَهُ اَنْبَتَهَا لَكَ وَ اِذَا كُنْتَ بِاَرْضٍ قَفْرٍ اَوْ فَلاَةٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعَوْتَهُ رَدَّهَا عَلَيْكَ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابر بن سلیم سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جو بات فرماتے لوگ قبول کر لیتے کوئی چوں چرا بالکل نہ کرتے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ (میں ان کے پاس گیا اور) میں نے کہا کہ علیک السلام یا رسول اللہ، دوبار۔ آپؐ نے فرمایا کہ ''علیک السلام مت کہو کیوں کہ اس طرح مردوں کو سلام کرتے ہیں۔ بلکہ یوں کہو السلام علیک۔'' میں نے عرض کیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ فرمایا: ''میں اس اللہ کا رسول ہوں کہ جب تمھیں نقصان پہنچے اور تم اسے پکارو تو وہ نقصان تم سے دور کر دے۔ اور اگر تم پر قحط آجائے اور تم اسے پکارو تو وہ تمھارے لیے نبات (اور غلہ وغیرہ) اُگائے اور جب کسی بے آب و گیاہ سرزمین میں ہو اور تمھاری اونٹنی گم ہو جائے اور تم اس سے دعا کرو تو وہ اسے تمھارے پاس لوٹا دے۔''

تشریح: کیا سادہ لیکن موثر انداز ہے آپؐ کا جو آپؐ نے اس موقع پر اختیار فرمایا۔ آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ جس خدا سے امید رکھتے ہوئے تم۔ مصیبتوں میں اسے پکارتے ہو اور وہ تمھیں مایوس نہیں ہونے دیتا۔ وہ تمھاری دعائیں سنتا ہے۔ وہ تمھاری مدد کو پہنچتا ہے۔ تمھاری ناامیدی امید میں بدل جاتی ہے۔ تمھارے بجھے ہوئے دل کھل اُٹھتے ہیں، میں اسی خدا کا بھیجا ہوا رسول اور قاصد ہوں۔ کیا تم میرا انکار کر کے اپنے خدا کے ساتھ بے وفائی کے مرتکب نہ ہو گے۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جابر بن سلیم ایمان لاتے ہیں اور آپؐ سے بعض مسائل میں رہنمائی بھی حاصل کرتے ہیں۔

(۲) وَ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّؓ قَالَ: بَيْنَا اَنَا اُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِاَبْصَارِهِمْ! فَقُلْتُ: وَ اُثْكَلَ اُمِّيَاهُ! مَا شَانُكُمْ تَنْظُرُوْنَ اِلَيَّ؟ فَجَعَلُوْا يَضْرِبُوْنَ بِاَيْدِيْهِمْ عَلٰى اَفْخَاذِهِمْ فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ يُصَمِّتُوْنَنِيْ لٰكِنِّيْ سَكَتُّ. فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَبِأَبِيْ هُوَ اُمِّيْ مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ اَحْسَنَ تَعْلِيْمًا مِنْهُ. فَوَ اللّٰهِ مَا كَهَرَنِيْ وَلَا ضَرَبَنِيْ وَلَا شَتَمَنِيْ. قَالَ: اِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ لَا يَصْلُحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ، اِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ، وَ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَ قَدْ جَاءَ اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ وَ اِنَّ مِنَّا رِجَالًا يَاْتُوْنَ الْكُهَّانَ؟ قَالَ: فَلَا تَأْتِهِمْ. قُلْتُ: وَ مِنَّا رِجَالٌ يَّتَطَيَّرُوْنَ؟ قَالَ: ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُوْنَهٗ فِيْ صُدُوْرِهِمْ فَلَا يَصُدُّهُمْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت معاویہ بن حکم سلمیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار میں رسول خدا ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ نمازیوں میں سے ایک شخص کو چھینک آئی تو میں نے کہا یرحمك الله۔ لوگ مجھے گھور کر دیکھنے لگے۔ میں نے کہا کہ ہائے ماں کی جدائی! آخر کیا بات ہے کہ تم مجھے گھور کر دیکھتے ہو۔ وہ اپنی رانوں پر ہاتھ مارنے لگے۔ جب میں نے انھیں دیکھا کہ مجھے خاموش کرا رہے ہیں۔ تو میں خاموش ہو گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے۔ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ میں نے آپ سے بہتر تعلیم دینے والا نہ آپؐ سے پہلے دیکھا اور نہ آپؐ کے بعد

دیکھا۔ بہ خدا نہ آپؐ نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا اور نہ سب وشتم کیا۔ فرمایا: ''یہ نماز ہے۔ اس میں انسانوں کی گفتگو میں سے کوئی بات درست نہیں۔ یہ تو صرف تسبیح، تکبیر اور قرآن کی قرأت ہے۔'' میں نے عرض کیا کہ میں زمانۂ جاہلیت سے قریب ہوں۔ اسلام جلد ہی لایا ہوں۔ ہم میں سے بعض لوگ نجومیوں کے پاس جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''تم ان کے پاس نہ جاؤ'' میں نے کہا کہ کچھ لوگ ہم میں سے بدشگونی لیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ چیز ایسی ہے جسے وہ اپنے سینوں میں محسوس کرتے ہیں۔ یہ ان کو کام سے ہرگز نہ روکے۔''

تشریح: آپؐ کی تعلیم و تربیت کا انداز دیکھیے۔ نہایت احسن طریقے سے دین کی باتیں سمجھا دیتے ہیں۔ کسی کی لاعلمی اور حیرانی پر درشتی اور کرختگی کا اظہار نہیں فرماتے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز حقیقت میں خدا کے ساتھ ہم کلام ہونا ہے۔ نماز حمد ہے، تسبیح ہے، تکبیر ہے۔ کلام الٰہی کی قرأت ہے۔ نماز میں خدا کے سوا کسی دوسرے سے گفتگو نہیں کی جاسکتی۔ نماز میں معاملہ صرف اللہ سے ہوتا ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیؓ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: مَنْ رَأیٰ مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَ ذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''تم میں جوکوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر اسے اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر اپنی زبان کے ذریعہ سے اس خدمت کو انجام دینے کی کوشش کرے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو پھر اپنے دل سے اسے بُرا جانے اور یہ سب سے کم زور ایمان ہے۔''

تشریح: یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ ایمان کا تقاضا ہے کہ آدمی برائی کو برداشت نہ کرے بلکہ اسے مٹانے کی کوشش کرے۔ اگر اسے قوت اور طاقت حاصل ہے تو برائی کو مٹانے کے لیے وہ طاقت کا بھی استعمال کرسکتا ہے۔ اور اگر وہ برائی کو ہاتھ سے مٹانے کی پوزیشن میں نہیں ہے تو کم از کم برائی کو برائی کہے اور لوگوں کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ برائی کو مٹانے کے لیے کوشاں ہوں۔ اور اگر کسی وجہ سے اس کا بھی موقع اسے حاصل نہیں ہے تو دل میں ہی برائی سے نفرت کرے اور اس کا آرزومند رہے کہ کسی طرح برائیوں کا دنیا سے خاتمہ ہوسکے۔ لیکن اگر وہ برائی کو دیکھ کر اپنے اندر کڑھن محسوس نہیں کرتا تو پھر اسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ کیوں کہ اس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ باقی نہیں رہتا۔

〈۲〉 وَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَثَلُ الْمُدْھِنِ فِیْ حُدُوْدِ اللّٰہِ وَالْوَاقِعِ فِیْھَا مَثَلُ قَوْمٍ اسْتَھَمُّوْا سَفِیْنَۃً فَصَارَ بَعْضُھُمْ فِیْٓ اَسْفَلِھَا وَ صَارَ بَعْضُھُمْ فِیْٓ اَعْلاَھَا فَکَانَ الَّذِیْ فِیْ اَسْفَلِھَا یَمُرُّ بِالْمَآءِ عَلَی الَّذِیْنَ فِیْٓ اَعْلاَھَا فَتَاَذَّوْا بِہٖ فَاَخَذَ فَاْسًا فَجَعَلَ یَنْقُرُ اَسْفَلَ السَّفِیْنَۃِ فَاَتَوْہُ فَقَالُوْا مَالَکَ قَالَ: تَاَذَّیْتُمْ بِیْ وَلاَ بُدَّ لِیْ مِنَ الْمَآءِ فَاِنْ اَخَذُوْا عَلٰی یَدَیْہِ اَنْجَوْہُ وَ نَجُّوْا اَنْفُسَھُمْ وَ اِنْ تَرَکُوْہُ اَھْلَکُوْہُ وَ اَھْلَکُوْا اَنْفُسَھُمْ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خدا کے حدود کے معاملے میں تساہل سے کام لینے اور ان میں جا پڑنے والوں کی مثال ان لوگوں کی ہے جو قرعہ ڈال کر کشتی میں بیٹھے ہوں۔ چناں چہ ان میں سے کچھ لوگ کشتی کے نیچے کے حصے میں ہوں اور کچھ لوگ اس کے اوپر کی منزل میں ہوں۔ وہ جب پانی لینے کے لیے اوپر کی منزل میں آئیں تو اس سے اوپر والے تکلیف محسوس کریں۔ لہٰذا نیچے کی منزل والوں میں سے ایک شخص کلہاڑی لے کر کشتی کے تختے اکھاڑنے شروع کردے۔ اوپر کے لوگ آکر کہیں کہ تمھیں کیا ہوگیا ہے؟ اس پر وہ کہے کہ میری وجہ سے تمھیں تکلیف پہنچتی ہے اور میں پانی حاصل کرنے پر مجبور ہوں۔ ایسی حالت میں یا تو لوگ اس کے ہاتھ کو پکڑلیں تاکہ اسے بھی اور خود کو بھی (غرقابی سے) بچالیں یا اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں اور اُسے بھی ہلاکت میں ڈالیں اور خود بھی ہلاکت سے دوچار ہوں۔''

تشریح: یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کے سارے انسان ایک ہی کشتی یا جہاز میں سوار ہوکر زندگی کا سفر طے کررہے ہیں۔ یہ کشتی یا جہاز اگر غرقاب ہوتا ہے تو اچھے برے سبھی ہلاکت سے دوچار ہوں گے۔ اس لیے اس کشتی کی حفاظت کی طرف ہر ایک کی توجہ ہونی چاہیے۔ کشتی میں اگر کوئی شگاف ڈالتا ہے تو سبھی کا فرض ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑلیں اور کشتی کو ڈوبنے سے بچائیں۔ شگاف ڈالنے والوں کی پریشانیوں کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے جن کی وجہ سے وہ کشتی کے تختوں کو اکھیڑنے لگ جاتے ہیں انھیں اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کرنے جارہے ہیں۔

انسانی معاشرے میں یا کسی مملکت میں اگر کوئی برائی پنپتی ہے اور اسے دور نہیں کیا جاتا تو وہ سارے ہی معاشرے اور پورے ملک کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ ہمارے دور میں ایک بڑا مسئلہ فضا کی آلودگی۔(Pollution) کا ہے۔ جس سے امیر وغریب سبھی متاثر ہوتے ہیں۔ اگر بڑھتی ہوئی اس آلودگی کی روک تھام نہ کی گئی تو یہ زمین انسان کی رہائش کے لائق نہ رہے گی۔ فضا کی آلودگی سے بڑھ کر خطرناک چیز انسان کا اخلاقی بگاڑ ہے۔ اس بگاڑ کی مختلف شکلیں ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں۔ خدا بے زاری، اس کے مقرر کیے ہوئے حدود سے تجاوز، فساد، فحاشی، سرکشی، دہشت گردی، کم زوروں پر ظلم وستم اور حق وانصاف کا خون وغیرہ۔ ان ساری برائیوں سے زمین کو پاک رکھنے کی ضرورت ہے۔ کاش اس طرف ہماری توجہ ہوسکے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ حُذَیْفَةَؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَتَامُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لَتَنْھَوُنَ عَنِ الْمُنْکَرِ اَوْ لَیُوْشِکَنَّ اللّٰہُ اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِنْ عِنْدِہٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّہٗ وَلَا یُسْتَجَابُ لَکُمْ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لازماً بھلائی کا حکم دیتے رہو گے اور برائی سے روکتے رہو گے بہ صورت دیگر خدا عنقریب تم پر عذاب بھیجے گا، اس وقت تم خدا سے دعا کرو گے اور تمھاری دعا قبول نہ کی جائے گی۔''

تشریح: اس حدیث میں ایک نہایت قابل توجہ بات بیان فرمائی گئی ہے۔ جس کی طرف بالعموم ہم توجہ نہیں دیتے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کا ترک کرنا اور اس سے غفلت برتنا نہایت سنگین جرم ہے۔ یہ جرم ایسا ہے کہ اس کے پاداش میں خدا کی طرف سے عذاب کے نزول میں تاخیر نہیں ہوتی۔ اس عذاب کی مختلف صورتیں ممکن ہیں۔ اس کی ایک شکل یہ ہے کہ خدا ظالموں کو ہم پر مسلط کر دے اور وہ ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے لگیں۔ پھر ہم خدا سے دعا کریں کہ وہ اس مصیبت سے ہمیں نجات دے لیکن وہ ہماری دعا کو قبول نہ کرے۔ اور ہم مسلسل ظلم وستم کے شکار بنتے رہیں۔ بعض روایتوں میں عذاب کی اس خاص شکل ذکر بھی آیا ہے۔ شاید آج مسلمانان عالم جن مصائب میں گھرے ہوئے ہیں اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ دین کے اس اہم فریضہ کی طرف بالعموم غفلت برتی جارہی ہے۔ بلکہ ہماری توانائی کا زیادہ حصہ تفرقہ بازی میں صرف ہورہا ہے۔

قیام دین

﴿۱﴾ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: لَنْ یَّبْرَحَ ھٰذَا الدِّیْنُ قَائِمًا یُّقَاتِلُ عَلَیْہِ عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَةُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ دین برابر

قائم رہے گا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس پر لڑتی رہے گی یہاں تک کہ قیامت برپا ہوجائے گی۔“

تشریح: یعنی ایسا کبھی نہ ہوگا کہ دین اور اس کے تقاضوں اور اس کے مطالبات کو پوری امت فراموش کر بیٹھے۔ ایک گروہ دین کے فروغ و بقا کے لیے برابر سرگرم عمل رہے گا۔ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ دین حق ایک فراموش شدہ افسانہ بن کر رہ جائے۔ دین حق ایک زندہ دین ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ یہ وہ روشنی ہے جو کبھی بجھنے کی نہیں۔ وقت اور حالات کے لحاظ سے اہل حق کی ایک جماعت دین کے لیے قیامت تک جان توڑ کوشش کرتی رہے گی۔ دین حق کی روشنی کو کوئی بھی تاریکی ڈھک نہ سکے گی۔ لوگ اس روشنی سے فائدہ اٹھائیں یا فائدہ نہ اٹھائیں۔ خواہ وہ اپنی آنکھیں بند کرلیں اور تاریکی کے پرستار بنے رہیں لیکن حق کی روشنی کو کبھی بھی گرہن نہیں لگ سکتا۔ یہی مفہوم ہے حضور ﷺ کے اس قول کا کہ ”دین برابر قائم رہے گا، اس میں خلل واقع نہ ہوگا۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِؓ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر لڑتا رہے گا وہ غالب رہے گا۔ یہ سلسلہ قیامت کے روز تک جاری رہے گا۔“

تشریح: اللہ کے حکم پر یعنی اس کے فرمان اور اس کے دین پر قائم رہے گا۔ اس سے روگردانی اختیار نہیں کرے گا۔ یہی مفہوم ہے اس کا کہ دین ہمیشہ قائم رہے گا۔ ایک گروہ دین اور اس کے تقاضوں کو بہ خوبی سمجھتا ہوگا اس کی حکمت عملی اور اس کے پروگرام ان ہی تقاضوں کی روشنی میں مرتب ہوں گے۔

﴿۳﴾ عَنْ عُمَيْرِ بْنِ هَانِئٍ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَؓ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ قَائِمَةً بِاَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ اَوْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ ظَاهِرُوْنَ عَلَى النَّاسِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عمیر بن ہانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہؓ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے

سنا، وہ بیان کر رہے تھے کہ میں نے رسولِ خدا ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ”میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گا۔ جو اس گروہ کی مدد سے ہاتھ کھینچ لے گا یا ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا۔ یہاں تک کہ خدا کا حکم آ پہنچے گا اور وہ لوگوں پر غالب رہیں گے۔“

تشریح: یعنی اس گروہ کو کوئی مخالفت اور مخاصمت اس کی راہ سے ہٹا نہیں سکتی۔ کلمۂ حق کو کلمۂ باطل کبھی بھی زیر کرنے پر قادر نہ ہو سکے گا۔ حق کی آواز ہمیشہ بلند ہوتی رہی ہے، بلند ہوتی رہے گی۔ حق کی راہ میں جان کی بازی لگانے والے ہی ہمیشہ سرفراز رہے ہیں اور سرفراز رہیں گے۔

حدیثِ رسولؐ اور ہماری زندگی

ربِّ کائنات

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: یَقْبِضُ اللّٰهُ الْاَرْضَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَ یَطْوِی السَّمَآءَ بِیَمِیْنِهٖ ثُمَّ یَقُوْلُ: اَنَا الْمَلِکُ اَیْنَ مُلُوْکُ الْاَرْضِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ زمین کو قیامت کے روز اپنی مٹھی میں لے لے گا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا: 'میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟''

تشریح: اس حدیث میں خدا کی عظمت کی تصویر پیش کی گئی ہے۔ آج بالعموم اس کی عظمت کا احساس لوگوں کو نہیں ہوتا لیکن قیامت کے روز دنیا دیکھ لے گی کہ عظمت اور کبریائی اصلاً خدا ہی کے لیے ہے۔ اس دن نظر آئے گا کہ آسمان و زمین اسی کے قبضے میں ہیں۔ زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان رومال کی طرح اس کے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔ ہر شے پر اسی کا اقتدار ہوگا۔ جو کم نظر ہیں ان کی یہ غلط فہمی دور ہو جائے گی کہ خدا کے علاوہ بھی حکمرانی اور بادشاہی کا مستحق کوئی ہو سکتا ہے۔ کسی ایسے شخص کو بھی دم مارنے کا یارانہ ہوگا جس کی حکمرانی کا دنیا میں ڈنکا بجتا تھا۔ خدا فرمائے گا، بادشاہ اور حکمراں تو میں ہوں۔ دنیا میں بادشاہ بننے والے کہاں ہیں؟ قرآن میں بھی ہے: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ، وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (الزمر: ۶۷) ''انھوں نے خدا کی عظمت کا احساس نہ کیا جیسا کہ اس کی عظمت کا احساس ہونا چاہیے تھا۔ حالاں کہ قیامت کے روز زمین ساری کی ساری اس کی مٹھی میں ہوگی۔ اور آسمان اس کے دستِ راست میں لپٹے ہوئے ہوں گے، عظیم و برتر ہے وہ اس سے جو شرک وہ کرتے ہیں۔''

دنیا میں اگر کسی کو اقتدار حاصل ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ مطلق العنان بن کر رہے۔ اس کا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی مملکت میں خدا کے احکام نافذ کرے۔ زمین کو ظلم و جور سے پاک رکھے۔ لوگوں کی بھلائی اور ان کی فلاح کے منصوبے بنائے اور ان کو عملی شکل دے۔ حاجت مندوں کی حاجت روائی کی طرف سے غافل نہ ہو۔ لوگوں کو خدا کی عظمت اور بڑائی سے آگاہ کرے۔ اور خود بھی خدا کے آگے جھکا رہے۔ اس کی پکڑ اور گرفت کے اندیشہ سے ہمیشہ لرزاں اور ترساں رہے۔

〈۲〉 وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَقُوْلُ: اَعُوْذُ بِعِزَّتِکَ الَّذِیْ لاَ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الَّذِیْ لاَ یَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ یَمُوْتُوْنَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''(یا اللہ) میں تیری عزت کی پناہ مانگتا ہوں، تو وہ ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تجھ پر موت نہیں آنے کی۔ جب کہ تمام ہی جن اور انس کو مرنا ہے۔''

تشریح: اس حدیث سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ وہ زندۂ جاوید ہستی ہے۔ رہے جن و انس تو یہ سب فانی ہیں۔ ان سب کو موت سے دوچار ہونا ہے۔ اس لیے عقل و دانش کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی خدائے واحد سے اس کی پناہ طلب کرتا رہے۔ خدا کے مقابلے میں کوئی نہیں جو کسی کو تباہی اور ہلاکت سے بچا کر حقیقی فلاح اور کامیابی سے ہم کنار کر سکے۔

〈۳〉 وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: مَآ اَحَدٌ اَصْبَرُ عَلٰی اَذًی سَمِعَہٗ مِنَ اللّٰہِ یَدَّعُوْنَ لَہُ الْوَلَدَ ثُمَّ یُعَافِیْھِمْ وَ یَرْزُقُھُمْ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بھی تکلیف دہ بات سن کر اللہ سے بڑھ کر صبر کرنے والا نہیں ہے۔ لوگ اس کے لیے اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر وہ انھیں عافیت دیتا ہے اور انھیں رزق عطا فرماتا ہے۔''

تشریح: خدا کی ذات بڑی حلیم ہے۔ خدا چاہے تو ان نافرمانوں کو جنھیں اس کے حقوق اور اس کی عظمت کا کچھ پاس و لحاظ نہیں چشم زدن میں ہلاک کر دے لیکن وہ صبر و تحمل سے کام لیتا ہے۔ نہ

صرف یہ کہ وہ ایسے لوگوں کو فوراً ہلاک نہیں کرتا بلکہ انھیں رزق و عافیت سے بھی نوازتا ہے جس سے سرکشوں کی سرکشی اور ان کی جاہلیت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ خدا کے تحمل کا مظاہرہ انسان کی تاریخ میں برابر ہوتا رہا ہے۔ لیکن مہلت کی عمر جب تمام ہو جاتی ہے تو پھر نافرمانوں کو خدا کے غضب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ خدا کے قانون امہال سے لوگ دھوکے میں پڑ جاتے ہیں۔ وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ زمین میں جو چاہیں کریں اور جس طرح چاہیں دندناتے پھریں انھیں پکڑنے والا کوئی نہیں۔ لیکن فیصلہ کا وقت بتا دیتا ہے کہ یہ ان کی خام خیالی ہے جس میں وہ زندگی بھر مبتلا رہتے ہیں اور کسی اور کو نہیں خود اپنے آپ کو مسلسل دھوکے میں رکھتے ہیں۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحَرِّزٍ اَنَّ رَجُلاً سَاَلَ ابْنَ عُمَرَ كَيْفَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِي النَّجْوٰى؟ قَالَ: يَدْنُوْا اَحَدُكُمْ مِنْ رَّبِّهٖ حَتّٰى يَضَعَ كَنَفَهٗ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُ عَمِلْتَ كَذَا وَ كَذَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ وَ يَقُوْلُ عَمِلْتَ كَذَا وَ كَذَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيُقَرِّرُهٗ ثُمَّ يَقُوْلُ: اِنِّيْ سَتَرْتُ عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا فَاَنَا اَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت صفوان بن محرز سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ آپ نے سرگوشی سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کس طرح سنا ہے؟ انھوں نے بیان کیا کہ آپؐ نے فرمایا: ”تم میں سے ایک شخص اپنے رب سے قریب ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنا ہاتھ اس پر رکھ کر فرمائے گا کہ تم نے فلاں فلاں کام کیے تھے؟ وہ کہے گا کہ ہاں۔ وہ پوچھے گا کہ تم نے فلاں فلاں کام کیے تھے؟ وہ کہے گا کہ ہاں۔ اس سے اقرار کرنے کے بعد فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تیرے گناہوں پر پردہ ڈالا، آج میں انھیں بخش دیتا ہوں۔“

تشریح: خدا ستار العیوب ہے۔ بندہ اگر گناہوں سے سچے دل سے تائب ہو جائے تو خدا اس کے گناہوں کو معاف کر کے اسے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لیتا ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ خدا کی ایک خاص صفت یہ بھی ہے کہ وہ گناہوں پر پردہ ڈالتا اور گناہ گار کو رسوائی اور ذلت سے بچاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی خود ہی مسلسل خدا کی نافرمانیوں اور معاصیت میں مبتلا رہے اور اسے اپنی ذلت کی کوئی پروا نہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر کسی کے حصے میں رسوائی اور ذلت آتی ہے تو اس کا ذمہ دار کوئی اور نہیں وہ خود ہوتا ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنِ الْمُغِيْرَةِؓ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا اَحَدٌ اَحَبُّ اِلَيْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَ مِنْ اَجَلِ ذٰلِكَ وَعَدَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ سے بڑھ کر کسی کو اپنی تعریف محبوب نہیں، اسی لیے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔''

تشریح: یہ ایک طویل حدیث کا حصہ ہے۔ اس حدیث میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیرت والا ہے، اسی لیے اس نے فواحش اور بے حیائی کے کاموں کو خواہ ظاہری ہوں یا باطنی حرام قرار دیا ہے۔ خدا سے بڑھ کر کوئی عذر کو اہمیت دینے والا نہیں اسی لیے اس نے انبیاء علیہم السلام کو مبشر و منذر بنا کر بھیجا تاکہ لوگ خدا کے سامنے یہ عذر نہ پیش کر سکیں کہ کسی نے راہِ حق کی طرف ہماری رہ نمائی نہیں کی آخر ہم راہِ راست کو کیسے اختیار کر سکتے تھے۔ اس کے بعد وہ بات بیان ہوئی ہے جو یہاں نقل کی گئی ہے، کہ اللہ سے بڑھ کر کسی کو اپنی تعریف محبوب نہیں۔ اسی لیے اس نے ان لوگوں کے لیے جنت کا وعدہ فرمایا ہے جو اس کی حمد وثنا اور تعریف کرتے ہیں۔ ساری تعریف اللہ کے لیے ہے۔ یہ سب سے بڑی حقیقت ہے۔ زندگی میں اس سے بڑی کسی یافت (Finding) کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ سب سے آخری اور عظیم بات جو کہی جا سکتی ہے اسی سے قرآن اپنی ابتدا کرتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (ساری تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے) سارے قرآن کا ماحصل یہی قرآن کی پہلی آیت ہے۔ ساری تعریف کا مستحق اللہ تعالیٰ کی ذات بے ہمتا ہے۔ اس فقرے سے شرک اور بدبختی کی ساری جڑیں کٹ جاتی ہیں۔ جب کوئی پورے شعور کے ساتھ خدا کی حمد کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس نے اپنے رب کو پہچان لیا اور اب ممکن نہیں کہ وہ خدا سے بے نیاز اور بے پروا ہو کر زندگی گزار سکے۔ جس نے خدا ہی کو نہ جانا اسے ہرگز ہدایت یاب نہیں کہہ سکتے۔ جس نے خدا کو جانا اسے لازماً خدا سے محبت ہوگی اور پھر خدا بھی اسے محبوب رکھے گا۔ خدا منبعِ حیات اور حسن و جمال کا سرچشمہ ہے۔ محبت کے اسباب میں حسن و جمال کو دیگر محاسن اور اوصاف حمیدہ کے مقابلے میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِیْ كِتَابِهٖ هُوَ يَكْتُبُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَ هُوَ وَضْعٌ عِنْدَهٗ عَلَى الْعَرْشِ اِنَّ رَحْمَتِیْ تَغْلِبُ غَضَبِیْ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ خلق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں لکھا۔ وہ اپنی ذات کے متعلق لکھتا ہے ـــــ اور وہ (کتاب) اس کے پاس عرش پر رکھی ہے ـــــ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔''

تشریح: ابتدائے آفرینش سے خدا کی سنت یہی رہی ہے کہ اس نے رحمت کو اپنے غضب پر غالب رکھا۔ اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ اس کی رحمت کے آثار کائنات میں ہر چہار جانب دیکھے جاسکتے ہیں۔ ظالم قوموں کو بھی خدا سنبھلنے اور اپنی ظالمانہ روش کو بدلنے کا پورا موقع عنایت کرتا ہے۔ اسے اس کی رحمت کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے۔ کسی قوم پر اس کا غضب اس وقت ٹوٹتا ہے جب اس قوم کا ظلم وستم یا سرکشی اس حد کو پہنچ جاتی ہے کہ صفحۂ ہستی سے اس کا مٹا دینا ناگزیر ہوجاتا ہے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ اَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَکَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَ اِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍ ذَکَرْتُهٗ فِیْ مَلَاٍ خَیْرٍ مِّنْهُمْ وَ اِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا وَ اِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعًا وَّ اِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے۔ اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اگر وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک گز قریب ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھ سے ایک گز قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر قریب ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی جانب دوڑ کر آتا ہوں۔''

تشریح: اس حدیث میں اس بات کی جیتی جاگتی تصویر پیش کی گئی ہے کہ خدا کو اپنے بندوں سے کتنا گہرا تعلق ہے۔ بنیادی بات اس حدیث میں یہ کہی گئی ہے کہ خدا فرماتا ہے ''میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے۔'' بندے کا فکری و عملی لحاظ سے جیسا معاملہ اپنے خدا کے ساتھ ہوگا خدا بھی اپنے بندے کے ساتھ اس طرح کا معاملہ فرمائے گا۔ چناں چہ

مسلم اور احمد کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ اِنْ ظَنَّ خَیْرًا فَلَهٗ وَ اِنْ ظَنَّ شَرًّا فَلَهٗ۔ ''میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔ اگر وہ (میرے ساتھ) اچھا گمان رکھتا ہے تو یہ اُسی کے لیے بہتر ہے اور اگر وہ (میرے ساتھ) بُرا گمان رکھتا ہے تو یہ اسی کے حق میں بُرا ہوگا۔'' انسانی زندگی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک کو ہم خدا پرستانہ زندگی کہتے ہیں اور دوسری وہ زندگی ہے جو خدا سے بے نیاز و بے پروا ہو کر گزاری جائے۔ اور زندگی کے نظام وضوابط متعین کرنے میں خدا کی مرضی اور اس کے احکام کا کوئی لحاظ نہ رکھا جائے۔ ان دونوں قسم کی زندگیوں کے نتائج دنیا اور آخرت میں کبھی یکساں نہیں ہوسکتے۔ اس حقیقت کو ایک جامع فقرے میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ (میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے۔'' اس جامع فقرے کے مفہوم میں وہ بات بھی شامل ہے جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے کہ بندہ اگر اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو اس کا رب بھی اسے یاد کرتا ہے۔ وہ اگر اپنے رب کی طرف بڑھتا ہے تو اس کا رب اس سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے اس کی طرف بڑھتا اور اس کے قریب ہوتا ہے۔

(۸) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی: اَنَا اَغْنَى الشُّرَکَآءِ عَنِ الشِّرْکِ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً اَشْرَکَ فِیْهِ مَعِیَ غَیْرِیْ تَرَکْتُهٗ وَ شِرْکَهٗ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میں شرک سے تمام شرکاء سے بڑھ کر بے نیاز ہوں۔ جس کسی نے ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ میرے غیر کو شریک کیا تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔

تشریح: یعنی شرک کو خدا کبھی پسند نہیں کرسکتا، وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے صرف اسی کی بندگی میں اپنی زندگی بسر کریں، اسی کے آگے جھکیں، اسی سے اپنی امیدیں اور آرزوؤں کو وابستہ رکھیں۔ کسی دوسرے کو اپنی زندگی میں وہ مقام نہ دیں جو مقام دراصل خدا کے لیے مخصوص ہے۔ خدا کے علاوہ جو بھی ہیں وہ اس کی مخلوق اور مربوب ہیں۔ وہ نہ خالق ہوسکتے ہیں اور نہ رب ہوسکتے ہیں۔ اور نہ انھیں اپنا الٰہ اور معبود بنایا جاسکتا ہے۔ اس لیے یہ ظلم عظیم ہوگا کہ ہم اللہ کی الوہیت، اس کی صفات اور اس کے حقوق میں دوسروں کو شریک قرار دیں۔ اور یہ تصور کریں کہ خدا کے علاوہ

کوئی دوسرا بھی ہمارا حاجت روا ہو سکتا ہے۔ خدا کے سوا کوئی اور بھی ہمارے جذبۂ عبودیت اور جذبۂ شوق و اشتیاق کی پناہ گاہ بن سکتا ہے۔ قرآن نے صاف الفاظ میں شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے خدا شرک کو کبھی بھی معاف نہیں کر سکتا، مشرک ہمیشہ کے لیے خدا کی رحمت سے دور ہوگا۔ خدا کی غیرت یہ کبھی پسند نہیں کر سکتی کہ مشرک پر لطف و عنایت کی نگاہ ڈالی جائے۔

شعور و احساس

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ اَبُو الْقَاسِمِ ﷺ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَّ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم جان جاؤ جو میں جانتا ہوں تو روؤ زیادہ اور ہنسو کم۔''

تشریح: انسان کو جس امتحان اور آزمائش میں ڈالا گیا ہے اور آنے والے عالم میں جو احوال و معاملات پیش آنے والے ہیں، ان سب کا شعور و احساس اور پورا علم اگر کسی کو ہو جائے تو وہ کبھی بھی غافل رہ کر دنیا میں زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ پھر تو جو اندیشہ اور خوف اسے لاحق ہوگا وہ کبھی اسے چین سے رہنے نہ دے گا۔ اسے سب سے زیادہ فکر اپنی آخرت کی ہوگی۔ خدا کے غضب کا تصور اسے تڑپا دے گا۔ وہ جانتا ہے کہ خدا کی ذات بے نیاز ہے۔ وہاں مجرموں کا ناصر اور مددگار کوئی نہ ہوگا۔ اور نہ ظالموں کے حق میں کوئی سفارش کام آسکتی ہے۔ اس زندگی کے بعد جو کچھ پیش آنے والا ہے اس کا علم اور اس کا زندہ شعور جو نبی کو حاصل ہوتا ہے وہ اگر کسی شخص کو حاصل ہو جائے تو یقیناً اس کی ہنسی مختصر سے مختصر ہو جائے گی اور اس کی آنکھیں اکثر اشک بار رہا کریں گی۔

(۲) وَ عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهُ وَ تَمَنّٰی عَلَی اللّٰهِ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عقل مند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو قابو میں رکھا اور موت کے بعد آنے والی زندگی کے لیے عمل کیے۔ اور عاجز وہ ہے جس نے پیروی اپنی خواہشات نفس کی کی اور اچھی آرزوئیں اللہ سے وابستہ رکھیں۔''

تشریح: بالعموم لوگ اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اوران کی زندگی کے قیمتی ایام یوں ہی گزر جاتے ہیں۔ فلاحِ آخرت کی طرف سے وہ غافل ہی رہتے ہیں۔ عارضی زندگی کے پیچھے اپنی دائمی حیات کوتباہ کرنے والے شخص کو کوئی بھی عقل مند نہیں کہہ سکتا۔ اور وہ شخص تو نہایت بدبخت اور نادان ہوگا جو خدا سے بے پروا ہوکر پیروی تو اپنے نفس کی کرتا ہو اور خدا سے یہ توقعات رکھتا ہو کہ وہ اسے اپنے جوارِ رحمت میں بہتر سے بہتر جگہ عنایت کرے گا۔ گویا خدا کی نوازشات اس کی منتظر ہیں۔ کسی شخص کو بھی اس طرح کی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ خدا کے یہاں جو چیز کام آنے والی ہے وہ آدمی کا ایمان اوراس کا نیک عمل ہے۔ عقل منداور سمجھ دار وہی ہے جس کی زندگی خدا کی اطاعت میں گزرتی ہے اور جو خدا کے خوف سے ہمیشہ لرزاں وترساں رہتا ہو۔

(۳) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَ مَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِیَةٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ الْجَنَّةَ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”جسے (آخر شب میں دشمن کی غارت گری کا) خوف ہوتا ہے وہ رات کے پہلے حصے میں چل کھڑا ہوتا ہے۔ اور جو شخص اول شب میں بھاگ کھڑا ہوتا ہے وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ سن لو، خدا کا مال بہت قیمتی ہے۔ سن لو، خدا کا مال جنت ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں نبی ﷺ نے ایک مثال کے ذریعہ سے سمجھایا ہے کہ آدمی کو کبھی بھی غفلت کی زندگی نہیں گزارنی چاہیے۔ دشمن اگر آخر شب قافلہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اہل قافلہ کو اول شب ہی سفر پر نکل پڑنا چاہیے۔ اس طرح قافلہ بہ عافیت اپنی منزل پر پہنچ سکتا ہے اور غارت گر دشمن اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے جس متاعِ خاص کا وعدہ فرمایا ہے، شیاطین اور شیطان صفت ان کے دشمن اس سے محروم کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ خدا پرستی کے مقابلہ میں نفس پرستی اور دنیا طلبی لوگوں کا شعار ہو نبی ﷺ ہمیں خبردار کر رہے ہیں کہ خدا نے اپنے طاعت گزار بندوں کے لیے جس متاعِ خاص کا وعدہ فرمایا ہے، اس سے بڑھ کر قیمتی

شے ممکن نہیں۔ اور وہ متاع خاص جنت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن تمھیں اس جنت سے محروم کر دے۔ اور ہلاکت کے سوا اور کچھ تمھارے حصے میں نہ آسکے۔ اس لیے خدا کی اس متاع خاص کو حاصل کرنے میں تساہل سے ہرگز کام نہیں لینا چاہیے۔ بلکہ بلا توقف اس کے حصول کی فکر میں لگ جانا چاہیے۔

(۴) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَا رَاَیْتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَارِبُهَا وَلَا مِثْلَ الْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے دوزخ کی آگ جیسی کوئی شے نہیں دیکھی جس سے بھاگنے والا سوتا رہے اور جنت کے مانند کوئی شے نہیں دیکھی کہ اس کا طالب سوتا رہے۔''

تشریح: یعنی یہ کتنی عجیب بات ہے کہ دوزخ کی آگ جو ہلاکت آفرینی، شدت اور ہولناکی میں سب سے بڑھ کر ہے، لوگ اس سے بچنے اور اس سے دور بھاگنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اسی طرح یہ بھی حیرت انگیز بات ہے کہ جنت جس سے محبوب تر کسی دوسری چیز کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور جس کی طلب اور خواہش کی راہ میں تساہل روا نہیں ہوسکتا، لیکن اس کی طرف سے وہ لوگ بے پروا اور غافل نظر آتے ہیں جن کے لیے وہ جنت بنائی گئی ہے۔ جنت جو تمام تر خوبیوں، شادمانیوں اور سعادتوں کا مرکز ہے، پھر بھی اس کی طلب میں جینے کے بجائے لوگ عارضی خوشیوں کے پیچھے دیوانے دکھائی دیتے ہیں۔ اور انھیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

دوزخ کی آگ سے بچنے اور اس سے دور بھاگنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی گناہ اور معصیت سے دور رہے۔ اور زندگی میں خدا شناسی اور خدا ترسی کا اختیار کرے۔ خدا کی اطاعت اور اس کی بندگی کو اپنے لیے لازم قرار دے لے۔ جنت کی طلب میں سرگرمی دکھانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی خدا اور اس کی رضا اور خوشنودی کو ہر چیز پر مقدم رکھے۔ گناہ اور خدا کی نافرمانیوں سے بچتا رہے۔ خدا کی اطاعت اور فرماں برداری کے کاموں میں پیش پیش رہے اور اس سلسلے میں کسی قسم کی سستی اور تساہل کو روا نہ رکھے۔

کیش و مذہب

(۱) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: فَلَمَّا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَّا قَالَ: لاَ اِيْمَانَ لِمَنْ لاَ اَمَانَةَ لَهُ وَلاَ دِيْنَ لِمَنْ لاَ عَهْدَ لَهُ. (البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطاب فرمایا تو لازماً اس میں آپؐ نے فرمایا: ''اس شخص میں ایمان نہیں ہے جس میں امانت داری نہ ہو، اور وہ شخص بے دین ہے جسے عہد کا کوئی پاس ولحاظ نہ ہو۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ دین اصلاً نام ہے اخلاق و کردار کا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے: اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ ''میری بعثت محض اس لیے ہوئی ہے کہ میں اخلاقی خوبیوں کو درجۂ کمال تک پہنچادوں۔'' اسلام نے انسانی اخلاق کا رشتہ ایمان سے قائم کیا ہے، جس کی وجہ سے انسانی اخلاق کو وہ قوت حاصل ہوئی جس کا عام شخص تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اسلام نے اخلاق کے مسئلہ کو ایمان کا مسئلہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ پھر اخلاق و کردار کو محدود معنی میں لینے کے بہ جائے اسے وسیع مفہوم اور آفاقیت عطا کی اور پورے نظام حیات اور اصول وضوابط کو اخلاق کا پابند بنایا۔ اسلام کا یہ وہ عظیم کارنامہ ہے جس کا احساس بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے۔

اس حدیث میں بیان فرمایا کہ کسی کے اندر امانت داری کی صفت نہ ہو تو اس شخص کا ایمان کا دعویٰ کرنا بے معنی ہے۔ اسی طرح اپنے کیے ہوئے عہد کا پاس ولحاظ رکھنا عین دین ہے۔ جسے عہد و پیمان کا پاس ولحاظ نہ ہو اس شخص کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ یہ سادہ سی بات نہایت انقلاب انگیز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین محض کچھ ظاہر رسوم کے ادا کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ دین اپنی حقیقت کے لحاظ سے اعلیٰ کردار اور کیریکٹر ہے۔

(۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَنْ يَّزَالَ الْمُؤْمِنُ فِيْ فُسْحَةٍ مِّنْ دِيْنِهٖ مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن ہمیشہ اپنے دین کے معاملہ میں کشادگی میں رہتا ہے، جب تک وہ خونِ ناحق کا مرتکب نہ ہو۔''

تشریح: دین کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کی تنگی نہیں پائی جاتی۔ کشادگی، فراخی اور آسانی دین کا اصل مزاج ہے۔ دین میں جو آسانی اور کشادگی پائی جاتی ہے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے اس کا حال سن کر ایک موقع پر ایک صحابی حضرت غُضَیب بن حارثؓ پکار اُٹھے: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَعَلَ فِى الْاَمْرِ سَعَةً (اللہ اکبر، ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے امر دین میں کشادگی عطا فرمائی۔'' (ابوداؤد) یہ دین آیا ہی اس لیے ہے کہ لوگوں کو ہر طرح کی تنگی سے اور ان بے جا بندشوں سے آزاد کرے جن میں جاہلیت نے لوگوں کو جکڑ رکھا تھا۔ اور انھیں ہر طرح کی فرقہ پرستی اور تخریب سے نجات دلائے۔ اور انسانوں کو اس نظام زندگی سے آشنا کرے جس میں سارے ہی انسانوں کی عزت اور ان کے حقوق کی محافظت کی گارنٹی دی گئی ہے۔ جس میں رنگ ونسل کی تفریق اور لسانی، علاقائی اور ملکی تعصبات کے لیے کوئی گنجائش نہیں پائی جاتی۔ کشادگی اور فراخی جس کا نمایاں وصف ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص خود ہی کوئی بے جا اقدام کر کے اپنے کو تنگی میں ڈال لے۔ مثلاً خونِ ناحق کا مرتکب ہو کر مجرموں میں شامل ہو جائے۔ اور پھر اسے اپنے جرم کی سزا بھگتنی پڑے۔ مجرموں اور ظالموں کو اگر ان کے جرم اور ظلم کی سزا نہ دی جائے تو معاشرہ میں امن وامان باقی نہیں رہ سکتا۔

(۳) وَ عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّؓ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: الدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ ثَلاَ ثًا قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ لِلّٰهِ وَ لِكِتَابِهٖ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ عَامَّتِهِمْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دین خیر خواہی کو کہتے ہیں۔'' یہ بات آپؐ نے تین مرتبہ فرمائی۔ ہم نے پوچھا کہ یہ خیر خواہی کس کے لیے ہے۔ فرمایا: ''اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے اماموں کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔''

تشریح: یہ حدیث دین کے ایک اہم پہلو کو اجاگر کرتی ہے، فرمایا: دین سراپا نصح اور خیر خواہی ہے۔ دین میں مطلوب یہ ہے کہ لوگ ایسے خود غرض بن کر ہرگز نہ رہیں کہ انھیں دوسروں کی بھلائی سے کوئی دل چسپی نہ ہو۔ لوگوں میں باہم ربط وتعلق ہونا چاہیے اور اس کے پیچھے خیر خواہی کا جذبہ کارفرما ہو۔ وہ خدا اور اس کے رسول کے وفادار ہوں۔ انھیں خدا کی کتاب کی عزت اور عظمت اور

اس کے حقوق کا شعور ہو۔ اجتماعی زندگی میں ان کی جو ذمہ داریاں ہوتی ہیں ان کی طرف سے بھی وہ غافل نہ ہوں۔ سربراہ مملکت سے لے کر عام رہنماؤں، علماء دین اور ائمہ تک کے لیے ان کے دل میں جذبۂ خیر خواہی پایا جاتا ہو، اور عام مسلمان بھی ان کی نگاہ سے اوجھل نہ رہیں۔ ان کی بھلائی اور خیر خواہی کی بھی انھیں فکر ہو۔

(۴) وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ یَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: یَاتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ خَیْرُ مَّالِ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ الْغَنَمُ یَتْبَعُ بِھَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَ مَوَاقِعَ الْقَطْرِ یُفِرُّ بِدِیْنِهٖ مِنَ الْفِتَنِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مسلمان شخص کا بہترین مال بکریوں کا ریوڑ ہوگا، جسے لے کر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور بارش ہونے کی جگہوں پر چلا جائے گا۔ اس طرح وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچا کر نکل بھاگے گا۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ دین انسانی زندگی کی اصل متاع ہے۔ دین سے بڑھ کر کسی قابل قدر اور بیش قیمت شے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ دین کا اصل تعلق انسان کے قلب و نگاہ اور اس کے جذبات و عقائد سے ہے۔ پھر دین کا مطالبہ یہ ہے کہ آدمی کی زندگی شرک اور ہر طرح کے فواحش اور منکرات سے پاک ہو۔ دین اس کی نگاہ میں دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر عزیز ہو۔ حتیٰ کہ اپنی جان کے مقابلے میں بھی وہ دین کو زیادہ عزیز رکھتا ہو۔ دین کا حاصل ہے خدا سے تعلق اور اس سے انتہائی محبت۔ مومن شخص اس تعلق اور محبت کو کبھی اور کسی حال میں بھی قربان نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ تعلق باللہ کے بغیر اس کی نگاہ میں جینے کے کوئی معنی ہی باقی نہیں رہتے۔ اس لیے اگر فتنہ اتنا بڑھ چکا ہو کہ اپنے دین کی محافظت کے لیے کسی کو بستی چھوڑ کر پہاڑوں میں بود و باش اختیار کرنی پڑے جہاں انسان اپنی بکریوں کے ذریعہ سے اپنی ضروریات پوری کر کے اپنے دین کی حفاظت کرسکے تو اسے پہاڑوں کا رخ کرنا چاہیے، پھر بکریوں کا ریوڑ ہی اس کا سب سے بہتر مال ہے۔ اس لیے کہ آرام و آسائش کی فکر میں اگر دین فتنوں کی نذر ہوگیا تو یہ آرام و راحت بے معنی ہے۔ پھر تو آدمی کو آخرت میں خدا کے عذاب سے کوئی نہیں بچاسکتا۔

غیر مادّی حقائق

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَ هُوَ سَاجِدٌ فَاَکْثِرُوا الدُّعَاءَ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدے میں ہوتا ہے، تو دعا زیادہ کیا کرو۔''

تشریح: سجدہ درحقیقت زندگی کی معراج ہے۔ سجدہ صرف اظہار عبدیت ہی کا مظہر نہیں ہے بلکہ یہ حسن و جمال خداوندی پر نثار ہونے اور اس سے حقیقی طور پر لذّت گیر ہونے کا فطری اظہار بھی ہے۔ جب کوئی بندہ سجدے کے ذریعہ سے خدا کے آگے اپنی نفی کرتا اور بالکلیہ اپنے آپ کو خدا کے قدموں میں ڈال دیتا ہے تو وہ خدا کی جناب میں اس کی بے پایاں نوازشات کا مستحق قرار پاتا ہے۔ اس لیے جب خدا کے آگے سر بہ سجود ہوں تو اپنی بہترین تمناؤں اور آرزوؤں کے ساتھ سر بہ سجود ہوں۔ اور زیادہ سے زیادہ اپنے رب کی عنایتوں کے طالب ہوں۔ خدا کے حضور میں اپنے دامنِ طلب کو کشادہ رکھیں۔

(۲) وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَبْشِرُوْا یَا مَعْشَرَ صَعَالِیْکِ الْمُهَاجِرِیْنَ بِالنُّوْرِ التَّامِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے گروہ فقرائے مہاجرین کے، تمھیں خوش خبری ہو قیامت کے روز نور کامل کی۔''

تشریح: آدمی کو دنیا میں جو مالی منفعتیں حاصل ہوتی ہیں ان ہی کو سب کچھ سمجھ لینا انسان کی سب سے بڑی گم راہی ہے۔ زندگی میں مادّیت کے علاوہ بھی کچھ ہے اور وہی زندگی کی سب سے بیش قیمت شے ہے۔ اسی بیش قیمت شے کو اس حدیث میں نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ نور درحقیقت انسان کی اپنی شخصیت کا نور ہے۔ اسی سے انسان کی شخصیت چمک اٹھتی ہے۔ اس نور کا حصول صحیح فکر اور سیرت و کردار کی بلندی سے ممکن ہوتا ہے۔ خدا پر ایمان، اس سے روحانی و قلبی وابستگی اور اس پر توکل اور زندگی کی معنویت سے آگہی آدمی کو ہر طرح کی ظلمتوں سے نجات دلاتی

ہے۔ پھر ایسے شخص کے یہاں نہ تو ذوق وفکر کا افلاس پایا جاسکتا ہے اور نہ اس کی زندگی افسردگی اور بے کیفی کی نذر ہوسکتی ہے۔ ایسا شخص سستے قسم کے جذبات اور پست خیالات سے نجات پالیتا ہے۔ اسے فکر ونظر اور آگہی اور جذبات و کیفیات کی ایسی دنیا میسر آجاتی ہے جو سراپا نور ہوتی ہے۔ جہاں ظلمت کا نام ونشان نہیں پایا جاتا۔ ایسے شخص کے مقام ومرتبہ کو سمجھنے سے وہ لوگ قاصر ہی رہتے ہیں جو دنیا کے حریص اور مادّی منفعتوں ہی کو سب کچھ سمجھنے کے فریب میں گرفتار ہوتے ہیں۔ شخصیت کے نور کے اتمام کی خوش خبری دے کر نبی ﷺ نے ایک بڑی حقیقت سے ہمیں آگاہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ زندگی میں سب سے قابلِ قدر شے آدمی کی اپنی شخصیت ہی ہے۔ شخصیت کے جس نور کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے اس کا حصول اور اس کی محافظت دونوں ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آدمی کی شخصیت بے نور ہو یا اس کی غفلتوں کی وجہ سے زندگی کے کسی مرحلے میں یہ نور بجھ جائے۔ قرآن میں بھی اس نور کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ اہل ایمان کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ وہ جنت کے باغات میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور خدا اپنے رسول اور اس کے پیروؤں کو رسوائی سے محفوظ رکھے گا۔ ان کا نور ان کے آگے آگے دوڑ رہا ہوگا اور وہ کہہ رہے ہوں گے: رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ ''ہمارے رب، ہمارے نور کو کامل کردے۔'' اس نور کی قدر و قیمت اور اس کے راحت زا ہونے کا عالم یہ ہوگا کہ بے ساختہ وہ خدا سے عرض کررہے ہوں گے کہ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ (التحریم:۸)

سورہ الحدید میں اہل ایمان کو صدیق اور شہید کے لقب سے نوازتے ہوئے انھیں یہ خوش خبری دی گئی ہے کہ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ''ان کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہے۔'' (آیت:۹) یعنی خدا کے یہاں انھیں اجر وثواب تو ملے گا ہی لیکن ان کی شخصیت کا نور خود اپنی جگہ ایک ایسی چیز ہے جسے تمام نعمتوں پر فوقیت حاصل ہے۔ کیوں کہ یہ نعمت ایسی ہے جو انسان کے اپنے وجود سے براہ راست تعلق رکھتی ہے بلکہ اس کے وجود وشخصیت کا اصل حصہ ہے۔

(۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَ غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَ نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَ ذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب بھی لوگ خدا کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں تو فرشتے انھیں چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور خدا کی رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور خدا ان کا ذکر ان کے درمیان کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں۔“

تشریح: خدا کے ذکر میں بڑی وسعت ہے۔ خدا کا نام لینا، اس کی تسبیح وتحمید کرنی، دینی تقاریر اور قرآن کی تلاوت وغیرہ سب خدا کے ذکر میں شامل ہیں۔ اللہ کو یاد کرنے والوں کا قرب فرشتے بھی پسند کرتے ہیں۔ وہ انھیں گھیر لیتے ہیں۔ خدا خود بھی اپنی رحمتیں ان پر نازل فرماتا اور اس طرح اپنی خوش نودی کا اظہار کرتا ہے۔

ایسے لوگوں پر سکینہ نازل ہوتا ہے۔ سکینہ (Shechina) کا ذکر کتب سابقہ میں بھی ملتا ہے۔ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سکینہ کے نزول کے اثرات بھی کبھی کبھی نمایاں طور پر محسوس کیے گئے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حقائق صرف وہی نہیں ہیں جن کو مادّی شکل میں ہم دیکھتے ہیں بلکہ مادیّت سے ہٹ کر بھی ایسے حقائق ہیں جن سے ہماری زندگیاں دوچار ہوسکتی ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ہم ان کو اس طرح محسوس نہ کرسکیں جس طرح دوسری عام، مادّی چیزوں کو محسوس کرتے ہیں۔

حدیث کی یہ اطلاع کہ خدا اپنے ذکر کرنے والوں کا ذکر فرشتوں اور نیک ارواح کے درمیان کرتا ہے ایک بڑی خوش خبری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بندے کے لیے شرف ومجد کی اس سے بڑی بات دوسری نہیں ہوسکتی۔

(۴) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: لَقَدْ كَانَ فِیْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ رِجَالٌ یُكَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّكُوْنُوْا اَنْبِیَآءَ فَاِنْ یَّكُنْ مِنْ اُمَّتِیْ مِنْهُمْ اَحَدٌ فَعُمَرُ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم سے پہلے بنی اسرائیل

میں ایسے لوگ ہوئے ہیں جن سے (خدا کی جانب سے) کلام کیا جاتا تھا، بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں۔ میری امت میں اگر ایسے کچھ لوگ ہوں گے تو ان میں سے ایک عمر ہوں گے۔''

تشریح: اس حدیث سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ بندگانِ خدا میں سے نبیوں کے علاوہ بھی بعض ایسی شخصیتیں ہوئی ہیں اور ہوسکتی ہیں روحانی طریقے سے جنھیں غیب سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہو۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کا زمانہ گزر جانے کے بعد بھی خدا کا رشتہ دنیا سے منقطع نہیں ہوا ہے۔ وہ ہدایت کے اسباب فراہم کرتا ہے اور بعض جو اہل تر اشخاص ہوتے ہیں ان پر اس کی خصوصی رحمت بھی ہوسکتی ہے۔ اس حدیث کی تائید صحیح بخاری کی ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اِنَّهٗ قَدْ كَانَ فِيْمَا مَضٰى قَبْلَكُمْ مِّنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ وَ اِنَّهٗ اِنْ كَانَ فِىْ اُمَّتِىْ هٰذِهٖ مِنْهُمْ فَاِنَّهٗ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ یعنی ''تم سے پہلے کی امتوں میں کچھ لوگ محدَّث ہوتے تھے، میری اس امت میں اگر کوئی ایسا شخص ہے تو یقیناً وہ عمر بن خطابؓ ہیں۔'' محدَّث سے مراد ایسا شخص ہے جو نبی تو نہ ہو مگر اسے الہام ہوتا ہو۔ یعنی روحانی طور پر غیب سے اسے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہو۔ اس کے دل میں خدا کی طرف سے کچھ باتیں ڈالی جاتی ہوں۔ اس طرح اس شخص کے فیصلے اور مشورے نہایت درست اور صائب ہوتے ہوں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ میں یہ وصف نمایاں طور پر موجود تھا۔

(۵) وَ عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيْدُ فِى الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ وَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهٗ. (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''تقدیر کو دعا کے سوا کوئی چیز بدل نہیں سکتی اور عمر کو کوئی چیز نہیں بڑھاتی سوائے نیکی کے اور آدمی گناہ کی وجہ سے جس کا اُس نے ارتکاب کیا ہو روزی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔''

تشریح: یہ حدیث ہمیں متنبہ کرتی ہے کہ دنیا میں صرف مادّی اسباب ہی کی کارفرمائی نہیں پائی جاتی بلکہ دعا اور نیکی یعنی روحانی اور غیر مادّی چیزوں کا بھی زندگی میں نمایاں اثر ہوتا ہے۔ دعا سے بگڑنے والی بات بن سکتی ہے۔ خدا اس کے بارے میں بہتر فیصلہ کرسکتا ہے۔ اُسے بُرائی اور پریشانی سے بچا سکتا ہے۔ عمر میں اضافہ صرف صحت مند غذاؤں اور حفظانِ صحت کے اصولوں ہی

پرعمل کرنے سے نہیں ہوتا۔ آدمی کی نیکیوں کا بھی اس میں خاص دخل ہوتا ہے۔ اس طرح گناہوں کا ارتکاب آدمی کو روزی سے بھی محروم کرسکتا ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ وَّ مَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَ اللّٰهُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ کرنے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی، کسی بندے کے عفو و درگزر سے کام لینے سے اللہ لازماً اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور اللہ کے لیے کسی کے تواضع اختیار کرنے سے اللہ لازماً اس کا رتبہ بلند کرتا ہے۔''

تشریح: یہ حدیث ہمیں صحیح نقطۂ نظر عطا کرتی ہے۔ صدقہ کرنے سے بہ ظاہر مال کم ہوجاتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ صدقہ سے خدا مال میں برکت اور آدمی کے کاروبار کو ترقی دیتا ہے۔ آدمی اگر قدرت کے باوجود انتقام نہیں لیتا اور جس کسی نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہوتی ہے اُسے معاف کردیتا ہے تو خدا اس اعلیٰ ظرفی کی وجہ سے اس کی عزت میں اضافہ فرماتا ہے۔ اسی طرح جو محض خدا کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے تو اس کی وجہ سے خدا دنیا اور آخرت میں اس کا رتبہ بلند کرتا ہے۔ اس طرح یہ حدیث زندگی کے راز ہم پر کھولتی ہے۔ صحیح زندگی گزارنی ہے تو پہلے زندگی کے اسرار و رموز کو جان لینا ضروری ہے۔ اس سے زندگی کا نقشہ اور طور و طریق اس سے بالکل مختلف ہوگا جو طور و طریق ہم بے خبری کی حالت میں اختیار کرتے ہیں۔

مقصدیت

﴿۱﴾ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَیْتِ وَ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَ رَمْیِ الْجِمَارِ لِاِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیت اللہ (کعبہ) کا طواف اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا اور کنکریاں مارنا، یہ سب اللہ کی یاد کو قائم کرنے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔''

تشریح: دین کے سبھی ارکان اور ان کے ادا کرنے کے جو طور طریقے رکھے گئے ہیں ان کی

حیثیت بے روح رسوم کی ہرگز نہیں ہے۔ نماز میں قیام اور رکوع اور سجود ہوں یا روزہ میں کھانے پینے سے اجتناب۔ یہ ساری چیزیں اعلیٰ مقاصدِ حیات کے حصول کے لیے ہی لازم قرار دی گئی ہیں۔ اس حدیث میں اسلام کے خاص رکن حج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حاجیوں کو خانۂ کعبہ کا طواف یا صفا و مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان سعی کرنے یا منی میں کنکریاں مارنے کا جو حکم دیا گیا ہے، ان سب کا اصل تعلق ذکر اللہ یعنی خدا کی یاد قائم کرنے سے ہے۔ خانہ کعبہ کا طواف یعنی کعبہ کے گرد پروانہ وار پھرنا اس کا اظہار ہے کہ بندہ کا اپنے رب سے شدید محبت اور گرویدگی کا تعلق ہے۔ وہ خدا کی محبت میں سرشار ہو کر بیت اللہ کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا اس کا اظہار ہے کہ اسلام مذہبِ عشق ہی نہیں مذہبِ جہاد بھی ہے۔ رمی جمار سے مقصود اس یقین کو تازہ کرنا ہے کہ جس خدا نے دشمنِ حق ابرہہ کو مع اس کے لشکر کے تباہ کر دیا تھا وہ حی و قیوم خدا آج بھی موجود ہے اور دشمنانِ حق کو ہلاک کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ رمی جمار سے اس عزم کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ بندۂ مومن اعلاء کلمۃ اللہ کی سعی و جہد میں کبھی پیچھے نہیں رہ سکتا۔ اسے اپنے رب پر کامل بھروسہ ہے لیکن راہِ حق میں اس کی اپنی کیا ذمہ داریاں ہوتی ہیں ان سے بھی وہ پوری طرح باخبر ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فِيْ اَقَلَّ مِنْ ثَلٰثٍ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے قرآن تین دن اور اسے کم میں پڑھا اس نے کچھ نہیں سمجھا۔“

تشریح: یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن کی تلاوت کا اصل مقصود قرآن کو سمجھ کر پڑھنا اور اس میں غور و فکر اور تدبر کرنا ہے۔ ظاہر ہے جس شخص کو فکر صرف جلد سے جلد قرآن ختم کرنے کی ہوگی اس کو فکر و تدبر کا موقع نہیں مل سکتا۔ اسی لیے فرمایا کہ جو شخص تین روز سے بھی کم دنوں میں قرآن ختم کرنے کا معمول اختیار کرتا ہے وہ قرآن محض پڑھے گا اسے سمجھنے کی وہ کوشش نہیں کر سکتا۔

﴿۳﴾ وَ عَنِ الْمُطَّلِبِؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: الصَّلٰوةُ مَثْنٰى مَثْنٰى اَنْ تَشَهَّدَ فِيْ

كُلِّ رَكْعَتَيْنِ اَنْ تَبْاَسَ وَ تَمَسْكَنَ وَ تَقْنَعَ بِيَدَيْكَ وَ تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَللّٰهُمَّ فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَهِيَ خِدَاجٌ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت مطلبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نماز دو دو رکعتیں ہیں۔ ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھے، اپنی مصیبت اور مسکنت ظاہر کرے اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگے اور کہے: اے اللہ، اے اللہ۔ جس نے ایسا نہ کیا، اس کی نماز ناقص ہے۔''

تشریح: ترمذی میں حضرت فضل بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلصَّلٰوةُ مَثْنٰى مَثْنٰى تَشَهَّدٌ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَ تَخَشُّعٌ وَ تَضَرُّعٌ وَ تَمَسْكُنٌ ثُمَّ تُقْنِعُ يَدَيْكَ۔ ''نماز دو دو رکعت ہے۔ ہر دو رکعت میں تشہد (التحیات) ہے۔ اور (نماز میں) خشوع ہے، عجز ہے اور اظہار مسکنت ہے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھاؤ'' یعنی پھر ہاتھوں کو اپنے رب کی طرف بلند کرو، اس طرح کی دونوں ہتھیلیاں منہ کی جانب ہوں اور یہ کہو یا رب، یا رب۔

اس حدیث میں نماز ادا کرنے کے طریقہ کی طرف رہ نمائی کی گئی ہے۔ اور صاف الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ نماز کی اصل روح کیا ہے؟ وہ ہے اپنے رب کے سامنے اپنے عجز و نیاز، بے چارگی اور تذلل کا اظہار۔ اپنے رب کو بار بار پکارنا اور اس سے اپنی بھلائی کی درخواست کرنی۔ اور اس کا اظہار کرنا کہ خدا ہی اس کی پناہ گاہ اور اس کے جینے کا اصل سہارا ہے۔ وہی اس کے دل کا قرار اور سکون ہے۔ وہ اپنے رب سے کسی حال میں بھی بے نیاز ہو کر نہیں رہ سکتا۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دعا عبادت کا مغز ہے۔''

تشریح: یعنی عبادت کی روح اور اس کا ماحصل دعا ہے، کیوں کہ عبادت کی حقیقت اور اس کا حاصل عجز و نیاز اور خدا کے آگے اپنے تذلل کا اظہار ہے اور دعا میں یہ سب کچھ بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں تو یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ: اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ۔ ''دعا ہی عبادت ہے۔'' دعا میں بندہ خدا کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ اللہ ہی سے اپنی امیدیں وابستہ کرتا ہے۔ اللہ کی ذات کے سوا ہر ایک سے استغناء برتتا ہے۔ خدا کو پکارتا ہے، اس کے آگے اپنا دامنِ احتیاج

کشادہ کرتا ہے۔ خدا سے لپٹ لپٹ کر اس کے آگے اپنی ضرورتیں اور آرزوئیں پیش کرتا اور اسی کو اپنا ملجا و ماویٰ سب کچھ سمجھتا ہے۔

زاویۂ نظر

﴿۱﴾ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَآئِكُمْ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت مصعب بن سعدؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "تمھارے اپنے کم زور لوگوں ہی کی وجہ سے تمھاری مدد کی جاتی ہے اور تمھیں رزق دیا جاتا ہے۔"

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ دنیا میں صرف مادّی قوانین ہی نہیں بلکہ اخلاقی اور غیر مادّی قوانین بھی نافذ ہیں۔ آدمی سمجھتا ہے کہ قوت، مدد اور روزی محض اپنی صلاحیتوں اور کوششوں سے حاصل ہوتی ہے۔ حالاں کہ خدا کسی کی مدد کرتا یا اسے رزق کی فراوانی عطا کرتا ہے تو اس لیے کہ وہ غریبوں اور کم زوروں کے کام آئے۔ رزق کی فراوانی یا کسی قسم کی فوقیت اگر کسی کو حاصل ہے تو اسے کم زوروں اور محتاجوں کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ خدا چاہتا ہے کہ کم زوروں اور مجبوروں سے ہم دردی اور دردمندی کا سلوک کیا جائے۔ مال داروں کو دولت صرف اس لیے نہیں دی جاتی کہ وہ اسے محض عیش و عشرت میں صرف کریں اور ضرورت مندوں کو بالکل فراموش کر دیں۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مُقَامُ الرَّجُلِ بِالصَّمْتِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً. (بیہقی)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کسی شخص کا خاموشی اختیار کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔"

تشریح: خاموشی کی قدر و قیمت کو بالعموم لوگ نہیں سمجھتے۔ خاموشی سے آدمی کتنی ہی آفات سے مامون و محفوظ رہتا ہے۔ ایک خاموشی کتنی ہی بلاؤں اور جھگڑوں سے ہمیں نجات دلاتی ہے۔ ایک روایت میں طُولُ الصَّمت اور حُسنِ الخُلق (طویل خاموشی اور حسن اخلاق) کے بارے میں آیا ہے کہ میزانِ عمل میں ان کا وزن سب سے بڑھ کر ہوگا۔ بلکہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ مَا عَمِلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا۔ "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ان

دونوں کے مثل تو کوئی عمل دنیا نے کیا ہی نہیں۔'' یعنی یہ دونوں اپنی مثال آپ ہیں۔(بیہقی۔عن انسؓ)۔خاموشی کو ساٹھ سال کی عبادت پر فوقیت دی جا رہی ہے تو اس کی کچھ اپنی امتیازی خوبیاں ہیں۔حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ خاموشی آدمی کا شعار ہو۔فضول اور لایعنی گفتگوؤں سے بچے اور غیبت، چغلی اور بہتان وغیرہ سے دور رہے۔حدیث کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ جہاں حق بات کا اظہار ضروری ہو وہاں بھی آدمی گونگا بنا رہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَ اَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ. (ترمذی، دارمی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''تم میں بہتر شخص وہ ہے جو تم میں اپنے اہل وعیال کے لیے سب سے بہتر ہو اور میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل وعیال کے لیے بہتر ہوں۔''

تشریح: آدمی کے اچھے ہونے کی ایک آسان پہچان بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ شخص بہتر ہوگا جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہو۔اس کے اہل وعیال اس سے راضی اور خوش ہوں۔وہ اپنے اہل وعیال اور اپنے لوگوں سے بے پروانہ ہو۔اس سلسلہ میں نبی ﷺ کی زندگی میں سب کے لیے ایک بہترین اسوہ ہے، جس کی طرف آپؐ نے اشارہ بھی فرمایا۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ حَدَّثَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ الْكَافِرَ اِذَا عَمِلَ حَسَنَةً اُطْعِمَ بِهَا طُعْمَةً مِّنَ الدُّنْيَا وَ اَمَّا الْمُؤْمِنُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَدَّخِرُ لَهٗ حَسَنَاتِهٖ فِي الْاٰخِرَةِ وَ يُعْقِبُهٗ رِزْقًا فِي الدُّنْيَا عَلٰى طَاعَتِهٖ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جب کافر کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کو اس کا دنیا میں فائدہ مل جاتا ہے اور مومن کی نیکیوں کو اللہ آخرت کے لیے رکھ چھوڑتا ہے اور دنیا میں بھی اسے اپنی اطاعت پر رزق عطا فرماتا ہے۔''

تشریح: آخرت میں اہلِ کفر کے حصے میں عذاب کے سوا کچھ نہ آسکے گا۔دنیا میں انھوں نے کوئی نیکی اور بھلائی کا کام کیا ہوگا، مثلاً مخلوقِ خدا کی انھوں نے کوئی خدمت انجام دی ہوگی تو اس کے بدلے میں وہ دنیا کی زندگی میں خدا کی کتنی ہی نعمتوں سے مستفید ہو چکے۔خدا کی زمین نے

انھیں جگہ دی۔ سورج اور چاند کی تمازت اور روشنی سے انھوں نے فائدہ اُٹھایا۔ مختلف قسم کے طعام اور مشروبات وغیرہا سے شادکام ہوئے۔ لیکن خدا کے ساتھ کفر کی روش اختیار کر کے آخرت کے لیے انھوں نے محرومی کا سودا کیا۔ اس کے برخلاف اہلِ ایمان کے نیک اعمال کا اجر وثواب آخرت کے لیے محفوظ رہتا ہے۔ خدا اپنے اطاعت گزار بندوں کو دنیا کی زندگی میں بھی رزق بہرہ مند کرتا ہے، رہی آخرت کی زندگی تو وہ تو ان ہی کے لیے ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَ هُوَ سَاجِدٌ فَاَكْثِرُ الدُّعَا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے۔ پس اس میں بہ کثرت دعا کیا کرو۔''

تشریح: یہ ایک اہم حدیث ہے۔ خدا اور بندے کے درمیان جو حقیقی اور وجد انگیز رشتہ پایا جاتا ہے اس کا اظہار سب سے بڑھ کر سجدے کی حالت میں ہوتا ہے۔ سجدہ کر کے بندہ اپنے رب کے آگے انتہائی عجز کا اظہار کر کے اس کی عظمتوں کا اقرار کرتا ہے۔ اس لیے لازماً سجدے کی حالت میں وہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اور اس حالت میں خدا کی رحمت بھی لازماً اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اس لیے بندے کے لیے اپنے رب سے عرض معروض کا یہ خاص موقع ہوتا ہے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيْدُ فِي الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ وَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهٗ. (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تقدیر کو کوئی چیز بدلتی نہیں سوائے دعا کے، اور عمر کو کوئی چیز نہیں بڑھاتی مگر نیکی۔ اور انسان روزی سے محروم اس گناہ کی وجہ سے ہو جاتا ہے جس کا وہ مرتکب ہوتا ہے۔''

تشریح: بعض دیگر احادیث کی طرح یہ حدیث بھی بتاتی ہے کہ مادّی قوانین کے علاوہ دنیا میں اخلاقی اور غیر مادی قوانین بھی کارفرما ہیں۔ دعا سے خدا انسان کے حق میں ایسے فیصلہ کرتا ہے جو دعا کے بغیر ممکن نہ ہوتا۔ تجربات و مشاہدات اس کے گواہ ہیں کہ دعا انسان کی زندگی کا سب سے بڑا سہارا ہے۔

عمر کے اضافہ کے لیے اچھی غذا اور حفظانِ صحت کے اصولوں ہی پر نگاہ نہیں رہنی چاہیے۔ مومن اس سے بے خبر نہیں ہوتا کہ عمر کے اضافہ میں نیکی کا بلکہ نیکی ہی کا اصلاً دخل ہوتا ہے۔ تجربات اور مشاہدات بھی اس کی شہادت دیتے ہیں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ گناہ اور خدا کی نافرمانی کی نحوست سے انسان روزی سے محروم ہو جاتا ہے۔ خاص طور سے حلال رزق اس کے حصے میں بہت کم آتا ہے۔ یہ دھوکا نہ ہونا چاہیے کہ بہت سے مجرمین اپنے جرائم کے باوجود مادی اعتبار سے ترقی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ خدا مجرموں کو ڈھیل دیتا ہے۔ یہ بھی اس کی سنت ہے۔ لیکن مجرمین اپنی روش بدل کر اپنی اصلاح کر لیں، ایسا بالعموم نہیں ہوتا۔ مجرموں اور ظالموں کا انجام ہمیشہ عبرت ناک شکل میں سامنے آیا ہے۔

〈۷〉 وَ عَنْ اَبِیْ عُثْمَانَ النَّهْدِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا اُعْطِیَ اَحَدُکُمُ الرَّیْحَانَ فَلاَ یَرُدُّهٗ فَاِنَّهٗ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ. (رواہ الترمذی مرسلاً)

ترجمہ: حضرت ابی عثمان نہدیؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تمھیں کوئی شخص خوش بودار پھول دے تو اسے لینے سے انکار نہ کرو کیوں کہ پھول جنت سے آیا ہے۔“

تشریح: پھول جنت سے آیا ہے۔ یعنی پھولوں کا تعلق اصلاً جنت سے ہے۔ پھول جنت کی یاد ہی نہیں دلاتے بلکہ وہ اس کا واضح ثبوت ہیں کہ جنت ہے اور اگر خدا نے جنت کی اطلاع دی ہے تو اس پر یقین کرنے میں کسی قسم کا شک اور تذبذب نہیں ہونا چاہیے۔

طرزِ عمل

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ اَعْطٰی لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ. (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے محبت کی تو خدا کے لیے، بغض رکھا تو خدا کے لیے، دیا تو خدا کے لیے اور روکا تو خدا کے لیے، اُس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا۔“

تشریح: ایمان صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی خدا کی ذات کو تسلیم کر لے۔ بلکہ ایمان کی تکمیل اس

وقت ہوتی ہے جب کہ ایمان باللہ ہی انسان کی زندگی کا اصل محور ہو جائے۔ اس کی زندگی کی ساری دوڑ دھوپ اور اس کی سرگرمیاں محض خدا کی خوش نودی کے لیے وقف ہوں۔ یہاں تک کہ اس کی دوستی اور دشمنی بھی محض اللہ کے لیے ہو۔ وہ کسی سے محبت کرتا ہے تو اس لیے کہ وہ خدا کا فرماں بردار اور نیک بندہ ہے۔ کسی کو مبغوض رکھتا ہے تو صرف اس لیے کہ وہ خدا کا مبغوض اور دشمنِ دین ہے۔ وہ خرچ کرتا ہے تو خدا کی خوش نودی کے لیے خرچ کرتا ہے۔ وہ ایسی جگہوں پر خرچ کرنے سے اپنا ہاتھ روک لے گا جہاں خرچ کرنا برائیوں کو فروغ دینا ہے جس کو خدا کبھی پسند نہیں کرسکتا۔

(۲) وَ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَمَرَهُمْ مِّنَ الْاَعْمَالِ بِمَا یُطِیْقُوْنَ، قَالُوْا اِنَّا لَسْنَا کَهَیْئَتِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ فَیَغْضِبُ حَتّٰی یُعْرَفَ الْغَضَبُ فِیْ وَجْهِهٖ ثُمَّ یَقُوْلُ: اِنَّ اَتْقَاکُمْ وَ اَعْلَمَکُمْ بِاللّٰهِ اَنَا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ایسے عمل کا حکم دیتے تھے جو وہ (ہمیشہ) کرسکیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول ہم آپ جیسے نہیں ہیں، اللہ نے تو آپؐ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیے ہیں۔ اس پر آپ غصہ میں آگئے یہاں تک کہ آپؐ کے روئے مبارک سے غضب کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ''میں تم سب سے زیادہ اللہ کا ڈر رکھنے والا اور اللہ کو جاننے والا ہوں۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین میں بے جا سختی کو روا نہیں رکھا گیا ہے۔ آدمی کو زندگی میں ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے جس پر وہ ہمیشہ کاربند رہ سکے۔ اسی لیے نبی ﷺ لوگوں کو ان کی استطاعت اور ان کی قوتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے عمل کی تلقین کرتے تھے۔ بعض ذہنوں میں یہ بات پیدا ہوئی کہ ہمیں عبادت وغیرہ میں محنت شاقہ سے کام لینا چاہیے۔ نبی ﷺ کی بات اور ہے وہ تو خدا کے محبوب ترین انسان ہیں، ہمیں تو آپؐ سے کہیں بڑھ کر عبادت اور ریاضت میں مشقتیں برداشت کرنے کی ضرورت ہے۔ اس پر نبی ﷺ سخت ناراض ہوئے جس کا اظہار آپؐ کے چہرہ سے ہو رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور اسے جاننے والا

ہوں۔ اس لیے میری زندگی ہی تمھارے لیے اسوہ ہوسکتی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادات ہوں یا نیک اعمال اسلام میں ان سب کا اصل محرک تقوی اللہ اور علم باللہ ہی ہے۔ خدا کا خوف اور اس کا عرفان ہی وہ چیز ہے جس سے زندگی تہذیب آشنا ہوتی ہے اور انسان حسن و پاکیزگی کا پیکر نظر آنے لگتا ہے۔

(۳) وَ عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سِمْعَانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ. (شرح السنہ)

ترجمہ: حضرت نواس بن سمعانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔“

تشریح: یعنی کسی شخص کی اطاعت سے اگر خدا کی نافرمانی لازم آتی ہے تو پھر یہ اطاعت جائز نہیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ ہر اطاعت خدا کی اطاعت کے تابع ہو۔ کسی اطاعت میں اگر خدا کی نافرمانی ہو رہی ہو تو دین میں اس اطاعت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مثلاً والدین کی خدمت اور ان کی اطاعت ضروری ہے لیکن اگر وہ کسی ایسے کام کے لیے مصر ہوں جس سے خدا نے روکا ہے تو اس صورت میں والدین کی بات نہیں مانی جاسکتی۔ خدا کو ناراض کر کے سارے لوگوں کی خوشی اور دنیا کی ساری دولت بھی حاصل ہو جائے تو اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

(۴) وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبَعْضِ جَسَدِیْ فَقَالَ: کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ وَ عُدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے جسم کے کسی حصے (مثلاً مونڈھوں کو) پکڑا اور فرمایا: دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم مسافر ہو اور اپنے آپ کو ان لوگوں میں شمار کرو جو قبروں میں جاچکے۔“

تشریح: نبی ﷺ نے حضرت ابن عمرؓ کے جسم کے کسی حصے مونڈھے وغیرہ کو پکڑ کر نصیحت کی تاکہ حضرت ابن عمرؓ اس نصیحت کی اہمیت اور قدر و قیمت کو زیادہ سے زیادہ محسوس کرسکیں اور وہ یہ بھی احساس کرسکیں کہ خدا کے رسولؐ کو اپنے پیروؤں سے کس درجہ تعلق خاطر ہے۔

آپؐ نے جو نصیحت فرمائی ہے اس کے بیش قیمت ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں

ہے۔ دنیا میں زندگی گزارنے کا حقیقت پسندانہ انداز اس سے مختلف نہیں ہوسکتا جس کی تعلیم نبی ﷺ دے رہے ہیں۔ دنیا میں مسافر کی طرح رہو۔ مسافر پردیس کو کبھی وطن تصور نہیں کرتا۔ اس کا دل اپنے وطن ہی میں لگا رہتا ہے۔ پردیس کی بے بہا نعمتوں کے مقابلہ میں وطن کی شیریں یادا سے زیادہ دلکش محسوس ہوتی ہے۔ جو لوگ دنیا میں رہ کر آخرت کے لیے فکرمند ہوتے ہیں اور آخرت کی کام یابی کے لیے جو کچھ کر سکتے ہیں اس سے غافل نہیں ہوتے، حقیقت میں شعور کے ساتھ زندگی گزارنے والے وہی ہیں۔ لیکن اس نصیحت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ آدمی دنیا میں گوشہ گیری اختیار کرلے اور دنیا کو اہل دنیا کے لیے چھوڑ دے کہ وہ جس طرح چاہیں اس میں فتنہ وفساد برپا کریں اور ظلم و جور کو روا رکھیں۔ آدمی کو رزق حلال کی فکر بھی کرنی ہوگی۔ اہل وعیال کی تعلیم وتربیت کی طرف بھی توجہ دینی ہوگی۔ دنیا سے برائی مٹے اور دین حق کو فروغ حاصل ہو اس کے لیے بھی اسے سوچنا ہوگا۔ لیکن اس سب کے باوجود وہ اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا کہ وہ یہاں ایک مسافر ہے جسے یہاں سے جلد ہی کوچ کرنا ہے۔ بلکہ وہ تو اپنے آپ کو ان لوگوں میں شمار کرے گا جو یہاں سے جاچکے اور قبروں نے جنھیں اپنے اندر چھپالیا۔

(۵) وَ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: جَآءَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِیْ عَلٰى عَمَلٍ اِذَا اَنَا عَمِلْتُهُ اَحَبَّنِیَ اللّٰهُ وَ اَحَبَّنِیَ النَّاسُ. قَالَ ازْهَدْ فِی الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيْمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ. (ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ یارسول اللہ، مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ جب میں اسے کروں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگے اور لوگوں کو بھی مجھ سے محبت ہوجائے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''دنیا سے بے رغبتی اختیار کرلو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہو اس سے بے رغبت ہوجاؤ لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔''

تشریح: یہ حدیث بڑی حکیمانہ ہے۔ جب دنیا سے بے رغبتی ہوگی تو لازماً آدمی کا تعلق خدا سے بڑھ جائے گا۔ دنیا سے رغبت کے بعد تو آدمی کی دل چسپیوں کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ پھر خدا کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت اس کے پاس بہت ہی کم رہ جاتی ہے۔ لیکن انسان کی اصل آرزوؤں کا محور و مرکز اگر دنیا نہیں ہے تو لازماً اس کا رخ خدا کی طرف ہوگا۔ خدا کا نام اس کے دل کا سکون اور اس

کی روح کی راحت ہوگی۔ خدا کی جانب اس کی انابت بڑھتی چلی جائے گی۔ ایسی حالت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا اسے اپنے محبوب بندوں میں شامل نہ فرمائے۔

آپؐ نے یہ جو فرمایا کہ لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے بے رغبت ہو جاؤ لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ یہ تعلیم بھی مبنی بر حکمت ہے۔ جب لوگوں سے ہمارا ملنا جلنا کسی دنیوی غرض سے نہ ہوگا اور نہ ہمارے دل میں اس وجہ سے کوئی حسد پیدا ہوگا کہ فلاں شخص مال و دولت میں اس قدر آگے کیوں ہے، لوگوں سے ملیں گے تو محض محبت اور ان کی خیر خواہی کا جذبہ لے کر ملیں گے۔ ان کے مال اور ساز و سامان کی کوئی حرص ہمارے دل میں نہ ہوگی تو لازماً لوگ ہم سے محبت کرنے لگیں گے۔ کیوں کہ یہ ممکن نہیں کہ آپ کسی سے بے لوث اور بے غرض تعلق رکھیں اور یہ تعلق اپنا کوئی اثر نہ دکھائے۔

اصل شے

(۱) عَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَللّٰهُمَّ لاَ عَيْشَ اِلاَّ عَيْشُ الْاٰخِرَةِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اے اللہ، زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔“

تشریح: زندگی کے بارے میں یوں تو ہر ایک فکر مند نظر آتا ہے لیکن بالعموم لوگ نہیں جانتے کہ اصل زندگی کون سی ہے جس کی کام یابی اور کامرانی کے لیے ہمیں کوشش کرنی چاہیے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ حقیقی زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے۔ آدمی کو اس کی طرف سے ایک دم کے لیے بھی غافل نہیں رہنا چاہیے۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی بے خبری پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔ لیکن جو لوگ آخرت پر پختہ ایمان رکھتے ہیں کم از کم انھیں تو دنیا میں اس طرح رہنا چاہیے جیسے وہ کہیں اور جگہ جا کر آباد ہونے کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ ایسی جگہ جہاں خوشیاں ہوں گی، مسرتیں اور شادمانیاں ہوں گی اور وہ سب کچھ ہوگا جس کی کوئی آرزو کر سکتا ہے۔

(۲) وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: وَ لَوْ كُنْتِ سَأَلْتِ اللّٰهَ اَنْ يُّعِيْذَكِ مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ اَوْ عَذَابٍ فِي الْقَبْرِ كَانَ خَيْرًا اَوْ اَفْضَلَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے (حضرت ام حبیبہؓ سے) فرمایا: ''اگر تم خدا سے یہ درخواست کرتیں کہ وہ تمھیں دوزخ کے عذاب سے یا قبر کے عذاب سے بچا لے تو زیادہ بہتر اور افضل ہوتا۔''

تشریح: یہ ایک طویل روایت کا حصہ ہے۔ حضرت ام حبیبہؓ دعا مانگ رہی تھیں، ان کی دعا سن کر آپؐ نے جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر چیز کے لیے خواہ وہ رزق ہو یا کچھ اور اللہ کے یہاں ایک خاص وقت مقرر ہے جس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوسکتی۔ اس کے لیے دعا کرنے میں کوئی قباحت نہیں لیکن انسان کو یہ ہرگز نہیں بھولنا چاہیے کہ خدا سے اصل مانگنے کی چیز یہ ہے کہ خدا ہمیں دوزخ اور قبر کے عذاب سے مامون و محفوظ رکھے۔ انسان کے لیے عذابِ جہنم یا عذابِ قبر ایک ایسا خطرہ ہے جس کی طرف سے کسی حالت میں بھی غفلت صحیح نہیں ہوسکتی۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جِهَارًا غَيْرَ سِرٍّ يَقُوْلُ: اَلاَ اِنَّ اٰلَ اَبِیْ يَعْنِیْ فُلاَنًا لَيْسُوْا لِیْ بِاَوْلِيَآءَ وَ اِنَّمَا وَلِیَّ اللّٰهُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ آپ پکار کر فرماتے تھے چپکے سے نہیں کہ فلاں کی اولاد میری عزیز نہیں بلکہ میرا ولی اللہ ہے اور میرے عزیز صالح مومنین ہیں۔''

تشریح: کس کی اولاد میری عزیز نہیں؟ راوی نے کسی مصلحت کی وجہ سے اس شخص کا نام نہیں لیا۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ دین کا رشتہ ہی اصل رشتہ ہے۔ دین کے افتراق کے بعد دنیوی رشتوں کی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ آپؐ نے واضح طور پر فرمایا کہ خدا ہی میرا ولی ہے اور صالح مومنین ہی اصل میں میرے دوست اور عزیز ہوتے ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت متقاضی ہو تو اعدائے حق سے برملا اظہار برأت کیا جاسکتا ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَجُلاً قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: وَيْلَكَ وَمَا اَعْدَدْتَّ لَهَا؟ قَالَ: مَا اَعْدَدْتُّ لَهَا اِلَّآ اِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ. قَالَ: اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول قیامت کی گھڑی کب آئے گی؟ آپؐ نے فرمایا: ''افسوس تم پر، قیامت کے لیے تم نے کیا تیاری کی ہے؟'' اُس نے کہا کہ میں نے اس کے لیے کوئی تیاری نہیں کی ہے البتہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہوں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''تم اسی کے ساتھ ہو جس سے تم محبت رکھتے ہو۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ دین میں اصل فیصلہ کن چیز محبت ہی ہے۔ جسے اللہ اور اس کے رسولؐ سے سچی محبت ہو سمجھ لیجیے کہ حقیقت میں وہ دین کا لذّت شناس ہو گیا۔ خدا اور اس کے رسولؐ سے اصل رشتہ محبت ہی کا ہے۔ خدا کی عبادت اور نبی ﷺ کی اطاعت سب کچھ ایک حرفِ محبت کی تعبیر و تفسیر ہے۔ نبی ﷺ کے صحابی نے یہ جو کہا کہ میں نے قیامت کے لیے کوئی تیاری نہیں کی ہے تو اس کی اصل وجہ اظہار عجز اور انکسار ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا اور اس کے رسولؐ سے محبت کرنے والا اطاعت اور حقِ بندگی کی طرف سے غافل ہو۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کوشش کے باوجود حقِ بندگی کہاں ادا ہو پاتا ہے۔ اصلاً جو چیز کام آنے والی ہے وہ خدا کی رحمت ہی ہے۔ اس کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ خدا اور رسول سے اپنے تعلق اور رشتہ کو کبھی کم زور نہ ہونے دیں۔ اس تعلق کے استحکام کے لیے طاعت و بندگی اور دین کی راہ میں جدوجہد ضروری ہے۔

روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو میں نے اسلام کے بعد کسی اور چیز سے اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا آپؐ کے اس ارشاد سے وہ خوش ہوئے: انت مع من احببت (تم اسی کے ساتھ ہو جس سے تمھیں محبت ہے)۔

پہچان

(۱) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَؓ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اَلرُّوْیَا مِنَ اللّٰهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّیْطَانِ.

(بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت قتادہ الحارثؓ بن ربعی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اچھے خواب خدا کی جانب سے ہوتے ہیں اور پریشان خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔''

تشریح: خواب کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ اچھے خواب جنھیں رویائے صالحہ کہتے ہیں خدا کی

جانب سے ہوتے ہیں، ان کی حیثیت بالعموم مبشرات کی ہوتی ہے۔ اس طرح دراصل خدا اپنے نیک بندوں سے رشتہ قائم رکھتا ہے۔ ان کے لیے تسلّی کے اسباب فراہم کرتا رہتا ہے۔ ان کی رہ نمائی کرتا اور ان کے ایمان و یقین میں اضافہ فرماتا ہے۔ جو خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں وہ بالعموم رنج و غم اور اوہام میں اضافہ کرتے ہیں۔ شیطان مومنین کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے سے کسی حال میں باز نہیں آتا۔ آدمی کے کچھ خواب ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس کے اپنے ہی خیالات و افکار کا پرتو ہوتے ہیں جو خواب بن کر سامنے آتے ہیں۔

(۲) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ اِذَآ اَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَالَ اِنِّیْٓ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهٗ قَالَ فَیُحِبُّهٗ جِبْرَئِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِی السَّمَآءِ فَیَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَیُحِبُّهٗ اَهْلُ السَّمَآءِ ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ وَ اِذَا اَبْغَضَ اللّٰهُ عَبْدًا دَعَا جِبْرَئِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیَقُوْلُ اِنِّیْٓ اُبْغِضُ فُلَانًا فَاَبْغِضْهُ قَالَ فَیُبْغِضُهٗ جِبْرِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِیْ اَهْلِ السَّمَآءِ اِنَّ اللّٰهَ یُبْغِضُ فُلَانًا فَاَبْغِضُوْهُ قَالَ فَیُبْغِضُوْنَهٗ ثُمَّ تُوْضَعُ لَهُ الْبَغْضَآءُ فِی الْاَرْضِ.

(مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلاتا اور فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے، تم بھی اس سے محبت کرو، پھر آسمان والے (فرشتے) اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد اس کی مقبولیت زمین میں اُترتی ہے (یعنی زمین والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں)۔ اور جب اللہ کو کسی سے دشمنی ہوتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کو مبغوض رکھتا ہوں، تم بھی اسے مبغوض رکھو۔ پھر جبریلؑ بھی اسے مبغوض رکھنے لگتے ہیں پھر آسمان والوں میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ کو فلاں شخص مبغوض ہے پھر وہ بھی اسے مبغوض رکھنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد زمین میں اس کے لیے بغض اترتا ہے (یعنی زمین میں رہنے والوں کو بھی اس سے بغض اور دشمنی ہو جاتی ہے)۔''

تشریح: یہ حدیث بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ خدا اپنے جس بندے سے اس کے اخلاق اور نیک کردار وغیرہ کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو وہ اس بندے کی محبوبیت کو آسمان وزمین میں عام کر دیتا ہے۔ آسمان کے فرشتے تک اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں اور اہل زمین کے دلوں میں بھی ایسے شخص کی عظمت ومحبت جانگزیں ہو جاتی ہے۔

اس کے برخلاف جس بدبخت سے خدا کو دشمنی یا بغض ہوگا۔ وہ دونوں جہاں میں خوار ہوگا، نہ آسمان میں اسے کوئی عزت کا مقام حاصل ہوتا ہے اور نہ زمین والوں کے دلوں میں اس کی کوئی محبت ہوتی ہے۔ ہر ایک کی نگاہ میں وہ مبغوض محض بن کر رہ جاتا ہے۔

انبیاءؑ، وصلحا کی انسانوں کے دلوں میں جو محبت وعقیدت پائی جاتی ہے وہ بلا وجہ نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا انعام ہے جو اس نے اپنے محبوب بندوں کو دنیا میں عطا فرمایا ہے۔ آخرت میں انھیں جو سرفرازی حاصل ہوگی اس کا تو ہم آج تصور بھی نہیں کر سکتے۔

(۳) وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ: قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَرَأَیْتَ الرَّجُلُ یَعْمَلُ عَمَلَ مِنَ الْخَیْرِ وَ یَحْمَدُہُ النَّاسُ عَلَیْہِ قَالَ: تِلْکَ عَاجِلُ بُشْرَی الْمُؤْمِنِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ آپؐ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو اچھا عمل کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''یہ فوری بالفعل بشارت ہے مومن کو۔''

تشریح: یعنی آخرت میں جو اجر وثواب اس کے حصے میں آئے گا وہ تو الگ ہے۔ یہ ایک نقد ملنے والا انعام ہے جو اس کے حصے میں آتا ہے کہ لوگوں کی زبانوں پر اس کے لیے اچھے اور تعریف وتحسین کے کلمات ہوتے ہیں۔ یہ مقبولیت اس بات کی علامت ہے کہ آخرت کی خوشیاں اور مسرتیں اس کی منتظر ہیں۔

(۴) وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلاَ اُخْبِرُکُمْ بِمَنْ یُحْرَمُ عَلَی النَّارِ وَ بِمَنْ تُحْرَمُ النَّارُ عَلَیْہِ عَلٰی کُلِّ ہَیِّنٍ لَیِّنٍ قَرِیْبٍ سَہْلٍ.

(ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں اس

شخص کی خبر نہ دوں جو دوزخ کے لیے حرام ہے اور دوزخ کی آگ اس کے لیے حرام ہے؟ دوزخ کی آگ ہر ایسے شخص پر حرام ہے جو مزاج کے لحاظ سے تیز نہ ہو، نرم ہو، لوگوں سے قریب ہو، اور سہل اور نرم خو ہو۔“

تشریح: اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس مزاج کے لوگوں کے لیے دوزخ کی آگ تیار کی گئی ہے۔ اور اس آگ سے مامون ومحفوظ رہنے والے کن اوصاف کے حامل ہوں گے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ دوزخ سے رشتہ دراصل ان ہی لوگوں سے قائم ہوتا ہے جو مزاج کے سخت ہوتے ہیں۔ رعونت، انانیت اور استکبار کی وجہ سے انھیں حق وناحق کا فرق دکھائی نہیں دیتا۔ نہ وہ خدا کے احکام کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں نہ خدا کے بندوں کے ساتھ ان کا سلوک ترحم ومحبت کا ہوتا ہے۔

خدا کے ایسے (مومن) بندے جو شیریں خصلت کے حامل ہوتے ہیں۔ جو نرم خوئی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ لوگوں سے ان کا ربط وتعلق ہوتا ہے، وہ لوگوں سے کٹ کر نہیں رہنا چاہتے۔ وہ لوگوں سے محبت کرتے ہیں اور لوگوں کو ان سے محبت ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کی منزل یا اصل ٹھکانا دوزخ نہیں ہوسکتا۔ ان کی منزل تو بہشت بریں ہی ہوگی۔ تمنا کرنے والوں کو اسی کی تمنا کرنا چاہیے۔ دوزخ سے محفوظ رہنے والوں کے جن اوصاف حمیدہ کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے وہ باہم قریب المعنی ہیں اور نرم خوئی کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ جن اوصاف حمیدہ کا ذکر اس حدیث میں فرمایا گیا ہے ان اوصاف کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی مومن ہو، اور وہ خدا کے احکام کا پاس ولحاظ رکھتا ہو۔ کیوں کہ ایمان ویقین کے بغیر حقیقت کی نگاہ میں اعمال واخلاق کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

آدابِ زندگی

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ غَدَا اِلَی الْمَسْجِدِ اَوْ رَاحَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗ فِی الْجَنَّةِ نُزُلاً كُلَّمَا غَدَا اَوْ رَاحَ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص صبح وشام مسجد میں حاضر ہوگا تو خدا جنت میں ہر صبح وشام اس کے لیے ضیافت کا سامان فرمائے گا۔“

تشریح: یہ اسلامی تہذیب اور ادب کی بات ہے کہ مومن کا مسجد سے قلبی و روحانی تعلق ہوتا ہے۔ جو شخص صبح و شام مسجد پہنچ کر نماز ادا کرتا ہے۔ خدا اس کے کلمات حمد و ثنا اور اس کی عبادت کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔ خدا کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ خدا کی یہ نوازش دنیا کی زندگی میں بھی مومن کے حصے میں آتی رہتی ہے۔ جنت میں اس کی ضیافت کا سامان جنت کے شایانِ شان ہوگا۔ وہاں انسان پر یہ حقیقت بہ خوبی واضح ہوجائے گی کہ نماز حقیقت میں آخرت ہی کا حصہ ہے اور یہ نماز کوئی خشک عمل نہیں بلکہ اظہار شوق و عبدیت ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِذَا کَانَ اَحَدُکُمْ فِی الصَّلٰوۃِ فَاِنَّہٗ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے تو درحقیقت وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں نماز کی قدر و قیمت پر اچھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ نماز اپنے رب سے سرگوشی ہے۔ نماز میں خدا بندے سے بہت قریب ہوتا ہے۔ بندہ اس کے آگے سجدہ ریز ہوکر اپنے جذبات عبودیت کو تسکین دیتا ہے۔ اس کی اپنے رب سے راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں۔ نماز اپنے رب سے عہد و پیمان کی تجدید بھی ہے اور مومن کی زندگی کی کامل تصویر بھی۔

﴿۳﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: یٰاَیُّھَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ فَاِنِّیْ اَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ فِی الْیَوْمِ مِائَۃَ مَرَّۃٍ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اے لوگو، اللہ کی طرف توبہ کرو کیوں کہ میں اللہ کی طرف ہر روز سو بار توبہ کرتا ہوں۔“

تشریح: بندے کا فرض ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف بار بار پلٹے۔ خدا سے وابستگی ہی اصل زندگی ہے۔ وہی دلوں کو قرار بخشتا ہے، خطاؤں کو معاف کرتا اور دامنِ رحمت سے ہمیں ڈھکتا ہے۔ اس کی طرف بار بار لوٹنا ہماری فطرت کا تقاضا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی طرف بار بار پلٹنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہمارا دل اس کے سوا کہیں اور اٹک کر نہ رہ جائے۔ خدا سے اپنے تعلق کو درست اور زندہ رکھنے کے لیے اس سے گہری اور قلبی وابستگی ضروری ہے۔ خود نبی ﷺ خدا کی

جناب میں سو سو بار توبہ کرتے تھے۔ اس سے توبہ کی اہمیت اور ضرورت کا بہ خوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ سب سے قیمتی احساس اپنی عبدیت کا احساس ہے۔ اس احساس کو تازہ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم خدا کی طرف بار بار رجوع ہوں۔ اور اس سے اپنی کوتاہیوں اور خطاؤں کی بخشش کے خواستگار ہوں۔ اور اس سے زیادہ سے زیادہ طاعت و بندگی کی توفیق طلب کرتے رہیں۔

〈۴〉 وَ عَنْ جَرِيْرٍؓ قَالَ: بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر۔"

تشریح: یہ اسلامی زندگی کی ایک حسین ترین تصویر ہے، جس میں زندگی کا ہر پہلو روشن دکھائی دیتا ہے۔ اسلامی زندگی ایک عہد و پیمان ہے کہ اپنی زندگی میں ہم خدا کو شامل رکھیں گے۔ نماز اس سے ہمارے تعلق کو زندگی عطا کرے گی۔ اور یہ تعلق ایک زندہ تعلق ہوگا۔ اپنے مال سے ہم زکوٰۃ دیں گے۔ جس سے حاجت مندوں کی حاجت روائی ہو سکے۔ خدا کے بندوں سے ہمیں محبت ہوگی۔ خوش دلی کے ساتھ ہم ان پر اپنا مال خرچ کریں گے۔ مسلمانوں سے ہمارا تعلق اخوت کا ہوگا۔ ہم اپنے ہر بھائی کی خیر خواہی کو اپنے لیے لازم سمجھیں گے۔

ہمارے اعمال

〈۱〉 عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: كَانَ اَحَبُّ الدِّيْنِ اِلَيْهِ مَا دَاوَمَ صَاحِبُهٗ عَلَيْهِ.

(بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ کو وہی دین (عبادت و عمل) زیادہ پسند ہے جسے اختیار کرنے والا اس پر مداومت اختیار کرے۔"

تشریح: یہ ایک لمبی حدیث کا اہم حصہ ہے۔ نبی ﷺ سے ایک خاتون کے بارے میں کہا گیا کہ وہ بڑی نمازیں پڑھتی ہیں تو اس موقعہ پر آپؐ نے فرمایا کہ بس اتنا ہی کرو جتنی تم میں طاقت ہو۔ اللہ نہیں اُکتاتا تم ہی اکتا جاؤ گے۔ اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس پر آدمی مداومت

اختیار کرے وہی دین و عمل اللہ کو زیادہ پسند ہے۔ استقامت اور مداومت کی اہمیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جس عمل یا عبادت پر آدمی مداومت اختیار کرتا ہے وہ اس کا اخلاق بن جاتا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ اخلاق و کردار ہی زندگی ہے اور جو چیز زندگی بن سکے اس کی قدر و قیمت سے کس کو انکار ہوسکتا ہے۔

(۲) وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: یُبْعَثُ کُلُّ عَبْدٍ عَلٰی مَامَاتَ عَلَیْهِ.
(مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز ہر بندہ اسی حال پر اُٹھایا جائے گا جس پر اس کی موت واقع ہوئی ہوگی۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ اصل اعتبار حسن خاتمہ کا ہے۔ ایک شخص زندگی بھر کفر میں مبتلا رہا لیکن آخر میں اسے ایمان لانے کی سعادت حاصل ہوگئی اور وہ ایمان ہی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو قیامت کے روز وہ شخص ایک مومن کی حیثیت سے ہی اٹھایا جائے گا۔ خدا اس کے پچھلے گناہوں کو معاف کردے گا۔ اس کے برعکس ایک شخص خدا کی اطاعت و بندگی میں دن گزار رہا ہوتا ہے لیکن آخر میں وہ فسق و فجور اور نافرمانی میں مبتلا ہوکر مرتا ہے تو حقیقت کی نگاہ میں اس کی حیثیت ایک نافرمان اور عاصی بندے ہی کی قرار پاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ خدا کا اس پر خاص کرم ہو اور وہ اس کے گناہوں کو معاف فرمادے۔

(۳) وَ عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِتَّقُوا النَّارَ وَ لَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَیِّبَةٍ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتمؓ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''دوزخ کی آگ سے بچو، کھجور کا ایک ٹکرا دے کر ہی سہی۔ اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو کوئی اچھی بات کہہ کر ہی سہی۔''

تشریح: ہر انسان کے لیے دوزخ کی آگ ایک بڑا خطرہ ہے۔ اپنے کو اس خطرے سے محفوظ رکھنے کے لیے انسان کو ہمہ وقت فکرمند رہنا چاہیے۔ اور دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لیے جو تدبیریں بھی وہ اختیار کرسکتا ہو اختیار کرے۔ اس کی طرف سے ہرگز غافل نہ ہو۔ خدا کے عذاب سے جو چیز انسان کو بچا سکتی ہے وہ ایمان اور عمل صالح ہے۔ اعمال صالحہ میں انفاق اور صدقہ کو

بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسی لیے قرآن میں بالعموم نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔
حضور ﷺ فرماتے ہیں دوزخ سے بچنے کی فکر کرو، کھجور کے ایک ٹکڑے کے صدقے سے بھی تمھارے مومن ہونے کا اظہار ہوسکتا ہے۔ اور اگر افلاس کی وجہ سے تم سے یہ بھی نہ ہوسکے تو کوئی اچھی بات ہی کہو۔ اچھی گفتگو بھی اس کا ثبوت ہوتی ہے کہ آدمی خدا کا نافرمان نہیں اور نہ وہ اس کے بندوں کا بدخواہ ہے۔

〈۴〉 وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ.

(بخاری)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر نیکی صدقہ ہے۔''

تشریح: اسلام میں صدقہ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ زکوٰۃ اور واجب صدقات کے علاوہ بھی انسان جو نیکی کرتا ہے اس کا شمار بھی خدا کے یہاں صدقہ میں ہوتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مومن کی ہر نیکی اس کی سچائی اور پاک بازی کا بین ثبوت ہوتی ہے۔

مومن کے اوصاف

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجَسُ.

(بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن ناپاک نہیں ہوتا۔''

تشریح: خدا کی نگاہ میں ناپاک اگر ہوتے ہیں تو مشرکین ہوتے ہیں، چناں چہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (توبہ:۲۸) ''مشرکین تو محض ناپاک اور نجس ہیں۔'' ناپاکی اور گندگی کا تعلق صرف جسم سے نہیں ہوتا۔ بلکہ اصل ناپاکی فکر و خیال اور عقیدہ اور عمل کی ہوتی ہے۔ اسی لیے قرآن مشرکین کو نجس کہتا ہے۔ کیوں کہ شرک سے بڑھ کر فکر و اخلاق کی گراوٹ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ شرک ایک ایسی گھناونی شے ہے کہ شرافت کے دامن پر اس کا معمولی سا دھبّہ بھی گوارا نہیں کیا جاسکتا۔ شرک درحقیقت خدا کی عظمت اور اس کے جلال کے خلاف ایسا رویّہ ہے جس کی قباحت اور گھناونے پن کے اظہار کے لیے نجس سے بڑھ کر موزوں شاید ہی کوئی

دوسرا لفظ مل سکے۔ مومن اس گندگی سے بالکل پاک ہوتا ہے جس سے مشرکین کا دامن آلودہ ہوتا ہے۔ اسی لیے آپؐ نے فرمایا ہے کہ مومن اگر مومن ہے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا، اگر چہ وہ جنابت کی حالت میں ہو اور اسے غسل کی حاجت ہو۔ وہ اس حالت میں لوگوں سے بلکہ نبی سے بھی ملاقات کرسکتا ہے۔ البتہ نماز پڑھنے یا مسجد میں داخل ہونے کے لیے غسل جنابت ضروری ہے۔

(۲) وَ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَثَلَ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ خَامَةِ الذَّرْعِ يَفِيْئُ وَرَقُهٗ مِنْ حَيْثُ اَتَتْهَا الرِّيْحُ تُكَفِّئُهَا فَاِذَا سَكَنَتْ اِعْتَدَلَتْ وَ كَذٰلِكَ الْمُؤْمِنُ يَكَفَّأُ بِالْبَلَآءِ وَ مَثَلُ الْكَافِرِ كَمَثَلِ الْاَرْزَةِ صَمَّآءُ مُعْتَدِلَةٌ حَتّٰى يَقْصِمَهَا اللّٰهُ اِذَا شَآءَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’مومن کی مثال ایسی ہے جیسے نرم کھیتی کہ جب ہوا زور سے چلتی ہے تو اسی لحاظ سے وہ اور اس کے پتے وغیرہ ادھر ادھر جھک جاتے ہیں۔ اور جب ہوا ٹھہر جاتی ہے تو یہ بھی سیدھی ہو جاتی ہے۔ اس طرح مومن بلاؤں سے (تباہ ہونے سے) بچا لیا جاتا ہے۔ اور کافر کی مثال ایسی ہے جیسے صنوبر کا سیدھا سخت درخت کہ جب خدا چاہتا ہے اسے جڑ سے اکھیڑ دیتا ہے۔‘‘

تشریح: مومن کسی حال میں غافل اور بے حس ہو کر بیٹھ نہیں رہتا وہ فتنوں اور بلاؤں سے محفوظ رہنے کی تدبیریں اختیار کرتا ہے۔ وہ حالات کے نشیب و فراز کو بہ خوبی سمجھتا ہے اور حالات اس سے جس حکمت عملی کا تقاضا کرتے ہیں وہ اسے اختیار کرتا ہے۔ اس طرح بڑی سے بڑی آزمائشوں سے بھی وہ سلامتی کے ساتھ گزر جاتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مختلف حالات میں اور مختلف مواقع پر اسلام کے کیا تقاضے ہوتے ہیں۔ وہ اسلامی تقاضوں کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے اپنے لیے راہیں نکال لیتا ہے۔ اس کے برخلاف جو لوگ ایمان و یقین سے خالی ہوتے ہیں، وہ حالات کے پیچ و خم میں گم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ان کی اپنی پہچان کھو جاتی ہے۔ وہ بڑے درخت کی طرح زمین پر گر جاتے ہیں جسے طوفانی ہوا نے جڑ سے اکھیڑ دیا ہو۔ اگر چہ وہ بہ ظاہر زندہ بھی رہتے ہیں تو اعلیٰ مقاصد اور عظمت انسانی سے عاری ہو کر زندہ رہتے ہیں اور ایسی زندگی اہل نظر کی نگاہ میں کسی ہلاکت سے کم عبرت انگیز نہیں ہوتی۔

﴿۳﴾ وَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِیْ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَوَادِّهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا شْتَكٰى عَضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مومنوں کو دیکھو گے کہ وہ باہم رحم کرنے، ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی اور معاونت کا سلوک کرنے میں ایسے ہیں جیسی جسم کی کیفیت ہوتی ہے۔ جب جسم کے کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے سارے اعضاء اس ایک عضو کی وجہ سے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں اور سارا جسم بیداری اور بخار میں شریک رہتا ہے۔"

تشریح: نبی ﷺ نے مثال کے ذریعہ سے یہ بتایا ہے کہ اہل ایمان کے باہمی تعلقات کتنے گہرے ہوتے ہیں۔ ان میں محبت و موانست کا جو ربط و تعلق پایا جاتا ہے وہ نہایت دلکش اور روح پرور ہوتا ہے۔ ایمان کا رشتہ ایسا رشتہ ہے جو رنگ و نسل اور زبان و کلچر کے اختلاف اور تفرقہ بازیوں سے نجات دے کر انھیں باہم اس طرح جوڑ دیتا ہے کہ دنیا حیران و ششدر رہ جاتی ہے۔ ان میں جو یگانگت اور اتحاد پایا جاتا ہے وہ مصنوعی ہرگز نہیں ہوتا۔ اس کی بنیاد نہایت گہری ہوتی ہے۔ چناں چہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ وَ اِنِ اشْتَكٰى رَأْسُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ۔ "سارے مومن شخص واحد کی طرح ہیں۔ اگر اس کی آنکھ دکھتی ہے تو اس کا سارا جسم بے چین اور مضطرب ہو جاتا ہے۔ اور اس کا سر دکھتا ہے تو پورا بدن اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔"

بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں مومنوں کے باہمی تعلقات کو مکان سے تشبیہ دیتے ہوئے نبی ﷺ فرماتے ہیں: "مومن، مومن کے لیے ایک مکان کے مانند ہوتے ہیں جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کی مضبوطی کا سبب بنتا ہے۔ یہ کہہ کر آپؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل فرمایا (کہ مومنین باہم اس طرح مضبوطی کے ساتھ ملے ہوئے ہوتے ہیں)۔

﴿۴﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَكَمَثَلِ الْقِطْعَةِ مِنَ الذَّهَبِ نَفَخَ

عَلَيْهَا صَاحِبُهَا فَلَمْ تَغَيَّرَ وَلَمْ تَنْقُصْ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَكَمَثَلِ النَّحْلَةِ اَكَلَتْ طَيِّبًا وَّ وَضَعَتْ طَيِّبًا وَ وَقَعَتْ فَلَمْ تُكْسِرْ وَلَمْ تَفْصِدْ. (احمد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے مومن کی مثال ٹھیک سونے کے اس ڈلے جیسی ہے جس کے مالک نے اسے تپایا لیکن نہ تو اس کا رنگ بدلا اور نہ اس کے وزن میں کوئی کمی ہوئی۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے مومن کی مثال ٹھیک اس شہد کی مکھی جیسی ہے جس نے عمدہ پھول چوسے، عمدہ شہد بنایا اور جس شاخ پر وہ بیٹھی نہ تو اسے اپنے وزن سے توڑا اور نہ خراب کیا۔''

تشریح: یعنی مومن سونے کی طرح کھرا ہوتا ہے۔ آزمائش میں بھی کھرا ثابت ہوتا ہے۔ وہ کوئی نقلی سونا نہیں ہوتا کہ تپانے سے اس کا رنگ بدل جائے یا اس کا وزن گھٹ جائے۔ شہد کی مکھی کی طرح وہ غذا بھی پاک اور ستھری کھاتا ہے۔ شہد کی مکھی اگر شہد بناتی ہے تو مومن بھی زہر نہیں اُگلتا۔ وہ نہایت شیریں گفتار ہوتا ہے اور اس کے اعمال و کردار میں وہ جاذبیت ہوتی ہے کہ لوگوں کے دل بے اختیار اس کی طرف کھنچنے لگتے ہیں۔ شہد کی مکھی کی طرح وہ بھی جہاں سے گزرتا ہے کسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتا۔

(۵) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمُ الْكَرْمَ فَاِنَّ الْكَرْمَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی تم میں سے انگور کو کرم نہ کہے، کرم تو مومن کا دل ہے۔

تشریح: ایک روایت کے الفاظ ہیں: لَا تُسَمُّوا الْعِنَبَ الْكَرْمَ فَاِنَّ الْكَرْمَ هُوَ الْمُسْلِمُ۔ (مسلم) ''انگور کو کرم نہ کہو کیوں کہ کرم تو بس مسلم ہوتا ہے۔''

ایک روایت میں آیا ہے کہ انگور کو کرم نہیں عنب یا حبلہ کہو۔ کرم کا لفظ اپنے اندر پاکیزگی اور دیگر اوصاف حمیدہ کا مفہوم لیے ہوئے ہوتا ہے۔ اسی لیے عربی میں انگور کی بیل کے علاوہ

پاکیزہ زمین، سونا اور ہار کو بھی کرم کہتے ہیں۔ نبی ﷺ کے ارشاد کا منشا یہ ہے کہ اوصاف حمیدہ سے متصف تو حقیقت میں مومن ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں مومن کا مقابلہ دنیا کی کوئی چیز نہیں کرسکتی۔ اس لیے وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے کہ اسے اچھے سے اچھے ناموں مثلاً کرم، کریم اور کریم النفس (Noble hearted, Generous) وغیرہ سے موسوم کیا جائے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جِهَارًا غَيْرَ سِرٍّ يَقُوْلُ: اَلاَ اِنَّ اٰلَ اَبِيْ يَعْنِيْ فُلاَنًا لَيْسُوْا لِيْ بِاَوْلِيَآءَ وَ اِنَّمَا وَلِيَّ اللّٰهُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عمرو بن عاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، آپؐ پکار کر فرماتے تھے سن لو، کہ فلاں کی اولاد میری عزیز نہیں بلکہ میرا ولی تو اللہ ہے اور صالح مومن میرے عزیز ہیں۔''

تشریح: یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ مومن کا اصل رشتہ خدا سے ہوتا ہے پھر جو خدا کے مومن اور صالح بندے ہوتے ہیں وہ اس کے عزیز ہوتے ہیں۔ اور یہ حقیقت چھپی اور پوشیدہ نہیں رہنی چاہیے۔ بلکہ ایمان کے اظہار کے مفہوم میں یہ بات شامل ہوتی ہے کہ آدمی نے قرابت کا رشتہ خدا سے قائم کرلیا اور خدا کے بعد اس کے اصل عزیز اور رشتہ دار صالح مومنین ہیں، خواہ ان سے نسل و رنگ کا کوئی تعلق ہو یا نہ ہو۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ابْنُ جُدْعَانَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ وَ يُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهٗ؟ قَالَ: لاَ يَنْفَعُهٗ اِنَّهٗ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا رَبِّ اغْفِرْ لِيْ خَطِيْٓـئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا، اے اللہ کے رسول (ﷺ) جدعان کا بیٹا زمانۂ جاہلیت میں ناتے رشتے کو جوڑتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا، کیا اس سے (قیامت کے روز) اسے فائدہ پہنچے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ''اس سے اسے فائدہ نہیں پہنچے گا، اُس نے کبھی نہیں کہا کہ میرے رب، جزا کے دن میری خطا بخش دے۔''

تشریح: یوم الجزاء پر جس کو یقین حاصل نہ ہو اس کے سارے ہی اعمال آخرت میں بے وزن ہوں گے۔ آخرت میں وہی نیک اعمال آدمی کے کام آئیں گے جن کو اس نے خدا کی رضا طلبی اور اس کی خوش نودی حاصل کرنے کے لیے کیے ہوں گے۔ نیک کام اگر محض اپنے ذوق کی تسکین کے لیے یا صرف لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کیے جائیں تو خدا کے یہاں ان پر کسی اجر وثواب کی امید نہیں کی جا سکتی۔ کیوں کہ اجر وثواب اور اپنی مغفرت کی غرض سے یہ کام کیے ہی نہیں گئے۔ ابن جدعان کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس نے کبھی نہیں کہا کہ میرے رب جزا کے روز میری خطا بخش دے۔ یعنی اس کے پیش نظر یومِ جزا تھا ہی نہیں۔ آدمی کے اعمال آخرت کی کام یابی اور خالص خدا کے لیے نہ ہوں بلکہ ان کی محرکات نمود ونمائش کی خواہش یا کچھ اور ہوں تو یہ ایک نا قابلِ معافی جرم ہے۔ اسی لیے ابن جدعان کی نیکیاں اسے خدا کے عذاب سے نہ بچا سکیں گی۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ نیکیوں کی وجہ سے اس کے عذاب میں دوسرے اہلِ کفر کے مقابلہ میں کچھ تخفیف ہو جائے۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَابْنَ الْخَطَّابِ، اِذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ اِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر ابن خطاب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابن خطاب، جا کر لوگوں میں بہ آواز بلند اعلان کردو کہ جنت میں مومنین کے سوا دوسرا کوئی داخل نہ ہوگا۔''

تشریح: خدا نے جنت کا وعدہ اپنے مومن بندوں سے ہی کیا ہے، وہی جنت میں داخل ہوں گے۔ غیر مومن جنت میں ہرگز داخل نہ ہو سکیں گے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اے عمر ابن خطاب، بہ آواز بلند اس بات کا اعلان کردو کہ خدا کی جنت مومنین ہی کے لیے ہے، اُن کے سوا کوئی دوسرا اس میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اس سے سب کو باخبر کردو تا کہ کل کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ مل سکے کہ ہمیں تو خدا کے اس فیصلہ کی خبر ہی نہ تھی کہ ایمان لائے بغیر جنت میں بار پانا ممکن نہیں۔ اگر اس کی ہمیں خبر ہوتی تو لازماً ہم بھی ایمان لا کر مومنین میں شامل ہو جاتے اور یہ محرومی ہمارے حصہ میں ہرگز نہ آتی۔

ایمان کی حلاوت

(۱) عَنِ الْعَبَّاسِؓ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ذَاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَّضِیَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلاً. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ کے رب کے ہونے، اسلام کے دین اور محمدؐ کے رسول ہونے پر راضی اور خوش ہو گیا اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔''

تشریح: ایمان کی لذّت سے بہرہ مند ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کو اپنے رب کا عرفان حاصل ہو۔ اور اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے کہ اللہ ہی اس کا خالق اور رب ہے۔ اس نے اس کو پیدا ہی نہیں کیا بلکہ اس نے اس کی تکمیل و ترقی کا سامان بھی فراہم کیا ہے۔ وہ اس کی مادی ضروریات ہی کا کفیل نہیں بلکہ اس نے اس کی روحانی ترقی کے لیے بھی کامل رہ نمائی فرمائی ہے۔ اپنے رب کی ہدایت کی پیروی کر کے آدمی نہ صرف یہ کہ اپنی دنیوی زندگی کو مسرتوں سے ہم کنار کر سکتا ہے بلکہ وہ آخرت کی دائمی مسرتوں اور عیش فراواں کا بھی مستحق بن سکتا ہے۔ خدا کا علم درحقیقت زندگی اور زندگی کی مسرتوں کے اصل سرچشمے کا علم ہے۔ ایسے مہربان آقا اور رب کو پا کر انسان کو جو خوشی اور قلبی راحت حاصل ہوتی ہے اس کے اظہار میں الفاظ قاصر ہوتے ہیں۔

اسلام کو اپنا دین قرار دینے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ آدمی نے زندگی کی بہترین رہ گزر کو پالیا، جس پر چل کر دونوں جہاں کی کامرانی اور ہر قسم کی مسرتیں انسان کے حصے میں آئی ہیں۔

اسی طرح حضرت محمد ﷺ کو اپنا رسول ماننے کے معنی ہوتے ہیں کہ آدمی اس رہ نما پر ایمان لے آیا جو خدا کا نمائندہ اور اسے ہر طرح کی گم راہیوں اور ضلالتوں سے نکال کر حق سے آشنا کرنے والا ہے۔ جس کی پیروی دنیا و آخرت کی فلاح اور کام یابی کی ضامن ہے۔ اور جس سے بے گانگی اور جس کی رہ نمائی سے اپنے کو دور رکھنے کا مطلب تباہی، خسران اور ہلاکت کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ اب جس شخص کو اپنے رب کا عرفان حاصل ہو گیا اور جس نے اسلام یعنی اس دین کو اختیار کر لیا جو حقیقت میں خدا کا قرب اور اس کی مرضی اور اس کی پسند سے اپنے کو ہم آہنگ

رکھنے کا نام ہے۔ اور جو حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آیا، جس کی رہ نمائی میں زندگی گزارنے کو وہ اپنے لیے باعث سعادت اور خدا کی خاص نوازش سمجھتا ہے۔ اس کی خوشیوں اور مسرتوں کا اندازہ گم راہ ذہن وقلب کے لوگوں کو ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے آپؐ فرماتے ہیں کہ ایمان کا ذائقہ اس شخص نے چکھ لیا جس نے اپنے مہربان رب کو پالیا، اور جس نے خدا کی اطاعت کو اپنی زندگی کا شعار قرار دے لیا اور جو اپنے حقیقی رہ نما حضرت محمد ﷺ پر ایمان لاکر خوشیوں سے سرشار ہوگیا۔ یہ سرخوشی اور سرشاری اس بات کا ثبوت ہے کہ اسے ایمان کا ذائقہ مل گیا۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ بْنِ مَالِکٍؓ یَقُوْلُ: اَمَّا طُعِنَ حَرَامُ بْنُ مِلْحَانَ وَ کَانَ خَالَهٗ یَوْمَ بِئْرِ مَعُوْنَةَ قَالَ بِالدَّمِ هٰکَذَا فَنَضَحَهٗ عَلٰی وَجْهِهٖ وَ رَأْسِهٖ ثُمَّ قَالَ: فُزْتُ وَ رَبِّ کَعْبَةِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جب میرے ماموں حرام بن ملحان بیر معونہ کے روز نیزے سے شہید کیے گئے تو انھوں نے اپنا خون اپنے ہاتھ سے اپنے منہ اور اپنے سر پر ملا اور کہا کہ رب کعبہ کی قسم میں کام یاب ہوگیا۔''

تشریح: یہ ایمان کی لذّت اور حلاوت ہے کہ آدمی خدا کی راہ میں جان دے کر اپنے کو کام یاب سمجھتا ہے۔ اور بے خودی اور سرشاری کی حالت میں اپنے خون کو اپنے منہ اور سر سے ملنے لگتا ہے اور بے اختیار پکار اُٹھتا ہے کہ رب کعبہ کی قسم، میں کام یاب ہوگیا!

﴿۳﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِیِّ ﷺ یَوْمَ اُحُدٍ اَرَأَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فَاَیْنَ اَنَا؟ قَالَ: فِی الْجَنَّةِ، فَاَلْقٰی تَمَرَاتٍ فِیْ یَدِهٖ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰی قُتِلَ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جنگ احد میں ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ فرمایئے اگر میں مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا؟ آپؐ نے فرمایا: ''جنت میں۔'' یہ سن کر اُس نے اپنے ہاتھ کی کھجوریں پھینک دیں۔ پھر لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔''

تشریح: یعنی نبی ﷺ کی دی ہوئی اس خبر پر کہ خدا کی راہ میں مارے جانے کا صلہ جنت ہے اسے اس درجہ یقین ہے کہ اسے یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ ہاتھ کی کھجوریں کھالے، اس کے بعد میدان

جنگ میں اُترے۔ یہ ایمان ہی کا سرشمہ ہے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک شخص یہ سن کر کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے، اپنے رفقاء کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا اسلام لو اور وہ اپنی تلوار کی نیام توڑ ڈالتا ہے اور دشمن پر بے جگری کے ساتھ حملہ آور ہوتا ہے یہاں تک کہ شہید ہو جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی عُمیر بن حُمام نے جنت کی بشارت سن کر کچھ کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے۔ پھر خود ہی بولے کہ اگر میں اتنی دیر زندہ رہا کہ ان کھجوروں کو ختم کروں تو یہ زندگی بہت لمبی ہو جائے گی۔ یہ کہہ کر کھجوریں پھینک دیں اور جنگ میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ جام شہادت نوش کر لیا۔

جنگ احد کے موقع پر انس بن نضرؓ تلوار لے کر میدان میں بڑھے۔ راستہ میں سعد بن معاذؓ ملے۔ انسؓ نے کہا کہ کیوں سعد کہاں بھاگے جاتے ہو۔ میں تو احد کے پیچھے سے جنت کی خوش بو سونگھ رہا۔ حضرت انس بے جگری سے لڑے اور شہید ہو گئے۔ زخموں کی کثرت سے ان کی لاش پہچانی نہیں جاتی تھی۔ (بخاری) یہ ہے ایمان اور اس کے اثرات اور اس کی لذت کا کرشمہ جو ہم صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں دیکھتے ہیں۔

(۴) وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر اس کے لیے محبوب نہ ہو جاؤں۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ رسول کی محبت عین ایمان ہے۔ اور ایمان کے تحقق کے لیے یہ محبت اس درجہ مطلوب ہے کہ یہ محبت باپ، اولاد اور سارے ہی لوگوں کی محبت سے بڑھی ہوئی ہو۔ جذبۂ محبت دنیا جانتی ہے کہ کوئی خشک چیز نہیں ہے۔ محبت، کیف و سرور سے خالی نہیں ہوتی۔ اس لیے لازماً ایمان بھی کوئی خشک اور بے مزہ شے نہیں ہے۔ نبی ﷺ اگر ایمان کی حلاوت کی بات کرتے ہیں تو گویا آپؐ ہمیں اس حقیقت سے باخبر کر رہے ہوتے ہیں کہ ایمان کوئی خشک، ناگوار اور بے کیف شے نہیں ہے۔ بلکہ زندگی کی بہترین متاع اور لذیذ ترین شے ایمان ہی ہے۔

نقد صلہ

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَا زَھِدَ عَبْدٌ فِی الدُّنْیَا اِلَّا اَنْبَتَ اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ فِیْ قَلْبِہٖ وَ اَنْطَقَ بِھَا لِسَانِہٖ وَ بَصَّرَہٗ عَیْبَ الدُّنْیَا وَ دَاءَ ھَا وَ دَوَاءَ ھَا وَ اَخْرَجَہٗ مِنْھَا سَالِمًا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ. (البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’جو بندہ دنیا میں زہد اختیار کرے تو لازماً خدا اس کے دل میں حکمت اُگائے گا اور اس کی زبان پر حکمت جاری فرمائے گا، اور دنیا کے عیوب اور اس کی بیماریاں اور ان کا علاج بھی اسے سجھا دے گا اور دنیا سے اسے سلامتی کے ساتھ نکال کر سلامتی کے گھر (یعنی جنت میں) پہنچا دے گا۔‘‘

تشریح: زہد اختیار کرے یعنی دنیا پرستی اور خوش عیشی اس کا شعار نہ ہو۔ فکرِ آخرت اور خدا کی رضا اور اس کی خوش نودی کی طلب کو وہ زندگی کا اصل مقصود سمجھتا ہو۔

خدا کی طرف سے اخلاص فی الدین اور زہد کا یہ نقد صلہ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا اپنے اطاعت گزار اور خاص بندوں کو دنیا کی زندگی میں بھی ان کی اطاعت اور بندگی کا صلہ عطا فرماتا ہے۔ اہلِ ایمان کو دنیا میں پاکیزہ ترین زندگی حاصل ہوتی ہے اور جو بندے خدا کی طلب میں آگے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ فضول اور لایعنی کاموں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔ زیادہ وقت ان کا ذکر و فکر اور خدا کی رضا طلبی میں گزرتا ہے، خدا ان کے دل کی زمین میں علم و حکمت کی نبات اُگاتا ہے۔ اور ان کی زبانوں سے حکمت کے چشمے جاری ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے دنیا کے عیوب اور امراض چھپے نہیں رہ سکتے۔ انھیں وہ بصیرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ ان عیوب کو دور کرنے کی تدبیر اور ان امراض کا علاج بھی جان لیتے ہیں۔ اور وہ جب دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو وہ ہر فتنے سے محفوظ سلامتی کے ساتھ رخصت ہوتے ہیں۔ اور خدا انھیں سلامتی کے ساتھ دار السلام یعنی جنت میں پہنچا دیتا ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ وَ اَبِیْ خَلَّادٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اِذَا رَاَیْتُمُ الْعَبْدَ یُعْطٰی زُھْدًا فِی الدُّنْیَا وَ قِلَّۃَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوْا مِنْہُ فَاِنَّہٗ یُلَقَّی الْحِکْمَۃَ.

(البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو خلادؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جب تم دیکھو کہ کسی بندے کو دنیا میں زُہد اور کم سخنی عطا ہوئی ہے تو اس کے قریب اور اس کی صحبت میں رہا کرو کیوں کہ اس کی طرف حکمت القا ہوتی ہے۔''

تشریح: زہد یعنی دنیا کی طرف سے بے رغبتی اور کم سخنی اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ بندے پر زندگی کی اصل حقیقت منکشف ہوگئی ہے۔ اس پر یہ واضح ہوگیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں جو چیز اصل توجہ کی طالب ہے وہ آخرت کی فلاح اور خدا کی رضا اور اس کی خوش نودی ہے۔ اس لیے اس کے پاس لغو اور فضول باتوں کے لیے وقت نہیں ہوتا۔ اس کی زبان لایعنی باتوں سے محفوظ رہتی ہے۔ فطری طور پر کم سخنی اس کا شعار ہوتا ہے۔ دنیا کی حرص و ہوس سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایسے خاص بندوں کو جو خوش عیشی اور تنعم کی زندگی کے طالب اور آرزومند نہیں ہوتے، خدا اس دولت سے نوازتا ہے جس سے بڑی دولت کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ علم و حکمت اور معرفت کی دولت ہے۔ حکمت خدا کی جانب سے اسے القا ہوتی ہے۔ اسی کو حضرت ابو ذرؓ کی روایت میں اَنْبَتَ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فِیْ قَلْبِهٖ (خدا اس کے دل میں حکمت اُگاتا ہے) سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

خوش تر آں باشد

بہترین لوگ

﴿۱﴾ عَنْ عُثْمَانَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَهٗ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اس کی تعلیم دے۔''

تشریح: قرآن سے بڑھ کر دنیا میں ہدایت کی کوئی کتاب نہیں پائی جاتی۔ قرآن علم اور عمل دونوں ہی لحاظ سے ایک رہ نما کتاب ہے۔ فکر ہو یا عمل، اخلاق ہو یا روحانیت، سیاست ہو یا معیشت اور معاشرت، یہ کتاب زندگی کے ہر شعبہ کے لیے ہماری رہ نمائی کے لیے کافی ہے۔ قرآن خدا کی طرف سے انسانوں کی رہ نمائی ہی کے لیے نازل ہوا ہے۔ جس کتاب کو یہ مرتبہ اور حیثیت حاصل ہو، اس کو سیکھنے اور اس کی تعلیم دینے والے شخص سے بہتر کون ہوسکتا ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنُكُمْ اَخْلَاقًا. (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو تم میں اخلاق کے لحاظ سے بہتر ہو۔''

تشریح: اخلاق ہی حقیقت میں اصل دین ہے۔ اخلاق ہی کو درجۂ کمال تک پہنچانے کے لیے حضور ﷺ دنیا میں تشریف لائے تھے۔ اخلاق کا ایمان سے گہرا تعلق ہے۔ ایمان ہی سے اعلیٰ قسم کا اخلاق ظہور میں آتا ہے۔ پھر اسی اخلاق سے مومنانہ زندگی وجود میں آتی ہے۔ اسلامی

زندگی کی اصل بنیاد اخلاق ہی ہے۔ اسی لیے میزان عمل میں سب سے بڑھ کر وزن اخلاق ہی کا ہوگا۔ اخلاق کے حاملین کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ عِیَالِہٖ. (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’مخلوق خدا کا کنبہ ہے، تو مخلوق میں بہترین شخص وہ ہے جو خدا کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔‘‘

تشریح: اپنی مخلوق سے خدا کا اتنا گہرا تعلق ہے گویا اس کی حیثیت عیال اللہ (خدا کے کنبہ) کی ہے۔ اب جو شخص بندگانِ خدا کی خدمت کرتا ہے وہ گویا خدا کے کنبہ کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ اس لیے یقیناً خدا کی نگاہ میں وہ ایک بہترین شخص ہوگا جس کا سلوک اس کی مخلوق کے ساتھ بہتر ہوگا۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ یَزِیْدَ اَنَّھَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: اَلاَ اُنَبِّئُکُمْ بِخِیَارِکُمْ؟ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ. قَالَ: خِیَارُکُمُ الَّذِیْنَ اِذَا رُأُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ.

(ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزیدؓ بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ’’کیا میں تمھیں بتاؤں کہ تم میں بہترین لوگ کون ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ، آپؐ نے فرمایا: ’’تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جنھیں دیکھ کر خدا یاد آئے۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں بہترین آدمی کی پہچان یہ بتائی جا رہی ہے کہ اسے دیکھ کر خدا کی یاد آئے۔ ظاہر ہے ایسا شخص وہی ہوگا جس کے اخلاق، کردار اور گفتار ہر ایک چیز میں للّٰہیت نمایاں ہوگی۔ جس کی زندگی میں خدا کی صفات کا پرتو نظر آتا ہوگا۔ خدا رحمان و رحیم ہے تو اس کے یہاں بھی رحم، شفقت اور نرم خوئی کی صفت پائی جائے گی۔ خدا منصف ہے تو وہ بھی کبھی غیر منصفانہ بات نہیں کر سکتا۔ خدا فیاض ہے تو فیاضی اور سخاوت اس کا بھی شعار ہوگا۔ خدا پر اسے اعتماد کامل حاصل ہوگا۔ خدا ہی زندگی کی جدوجہد میں اس کا اصل سہارا ہوگا۔ اب ایسے شخص کو دیکھ کر خدا کی یاد تازہ نہ ہو تو پھر خدا کی یاد آخر کب آئے گی۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ ابْنِ جُعْشُمٍؓ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: خَيْرُكُمُ الْمُدَافِعُ عَنْ عَشِيْرَتِهٖ مَالَمْ يَاثَمْ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت سراقہ بن مالک بن جعشمؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''تم میں بہتر شخص وہ ہے جو اپنی قوم کی طرف سے (ظلم کی) مدافعت کرے جب تک کہ اس مدافعت میں گناہ کا مرتکب نہ ہو۔''

تشریح: جس شخص کو اپنے کنبہ، قبیلہ یا قوم کی سرے سے کوئی فکر نہ ہو۔ اس شخص کو کوئی بھی پسند نہیں کر سکتا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں وہ بہترین شخص ہے جو قوم کی مدافعت کرتا ہے۔ قوم پر کوئی افتاد پڑ جائے تو ایسا شخص چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ اگر قوم پر کوئی ظلم و زیادتی کرتا ہے تو وہ قوم کی مدافعت میں اپنی ساری طاقت صرف کر دے گا۔ البتہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس مدافعت کے سلسلہ میں وہ کسی گناہ اور زیادتی کا مرتکب نہ ہو۔ انصاف اور عدل کے دامن کو ہر حالت میں وہ مضبوطی کے ساتھ تھامے رہے۔

بہترین اعمال

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَتَدْرُوْنَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی؟ قَالَ قَائِلٌ الصَّلٰوةُ وَالزَّكٰوةُ وَ قَالَ قَائِلٌ الْجِهَادُ. قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اَنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالَى الْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ.

(احمد، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل حد درجہ پسندیدہ ہے؟'' کسی نے کہا کہ نماز اور زکوٰۃ اور کسی نے کہا کہ وہ عمل جہاد ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل ہے اللہ کے لیے کسی سے محبت کرنی اور اللہ کے لیے بغض رکھنا۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ دین میں سب سے زیادہ اہمیت اس عمل کو حاصل ہے جس کا تعلق انسان کے دل اور اس کے پاکیزہ جذبات سے ہوتا ہے۔ آدمی کسی سے محبت کرے یا کسی سے

نفرت کرے تو اس کی یہ محبت اور نفرت محض اللہ کے لیے ہو۔ اس کے پیچھے کوئی اور محرک کام نہ کررہا ہو، تو پھر اس کے مسلم حنیف ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی، گویا اس نے دین کی اصل روح کو پالیا۔ اس کی زندگی لازماً ایمان کی کیفیت سے معمور ہوگی۔

〈۲〉 وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةَ الرَّجُلِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ بَعْدَ اَنْ يُوَلِّيَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بہترین نیکی آدمی کا اپنے باپ کے مرنے کے بعد باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے۔''

تشریح: بیٹے پر باپ کا ایک حق یہ بھی ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد وہ اس کے (باپ کے) دوست واحباب کی تکریم کرے، اور ان سے حسن سلوک سے پیش آئے۔ وہ یہ محسوس نہ کریں کہ انھیں پہچاننے اور ان کی قدر کرنے والا اب کوئی نہیں ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد اس کے دوست واحباب کوئی خلا محسوس نہ کریں۔ غور کریں، اسلام کی تعلیمات میں انسانی نفسیات کا کس قدر لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد اسلام کے دین فطرت ہونے میں کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

〈۳〉 وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ قَالَ الصَّلٰوةَ عَلٰی وَقْتِهَا، قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ ثُمَّ الْجِهَادُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ فرمایا: ''نماز اس کے وقت پر ادا کرنی۔'' میں نے کہا کہ پھر کون سا؟ فرمایا: ''ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا۔'' میں نے عرض کیا پھر کون سا؟ فرمایا: ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔''

تشریح: اس حدیث میں خدا، والدین اور دین حق سب ہی کے حقوق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ خدا کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ ہم اسے اپنا معبود، رب اور حاکم تسلیم کریں۔ حقِ بندگی ادا کرنے میں

ہرگز سستی نہ دکھائیں۔ نماز کی صرف پابندی ہی نہ کریں بلکہ اسے ٹھیک وقت پر جذبۂ شوق کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کریں۔

والدین کے حقوق کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ ان کے ادب و احترام اور جس حد تک ممکن ہو ان کی خدمت میں تساہل سے ہرگز کام نہ لیں۔ خدا کی سب سے بڑی نعمت جو اس نے ہمیں عطا فرمائی ہے وہ اس کا نازل کیا ہوا دین ہے۔ دین کے قیام اور اس کی بقا اور فروغ کے لیے جان توڑ کوشش کرنی یہ دین کا ہم پر ایسا حق ہے جس سے کسی زمانہ میں بھی صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُبْشِيِّ الْخَثْعَمِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ: طُوْلُ الْقِيَامِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حبشی الخثعمیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”نماز میں لمبا قیام۔“

تشریح: دین میں کثرتِ سجود کے ساتھ (نماز میں) لمبے قیام کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ سجدہ میں بندہ خدا کے آگے اپنے آپ کو ڈال دیتا ہے۔ سجدہ میں کمال درجہ کی سپردگی اور حوالگی ظاہر ہوتی ہے۔ لمبے قیام میں بندہ خدا کی جناب میں دیر تک کھڑا رہ کر اس سے اپنے خاص تعلق کا اظہار کرتا ہے۔ وہ اپنے اُس یقین کو ظاہر کرتا ہے جو اپنے رب کا یقین اس کو حاصل ہوا ہے۔ وہ حالت قیام میں اپنے عہدِ بندگی کا اقرار اور اس کی تجدید کرتا ہے۔ وہ خدا سے التجا کرتا ہے کہ اس کا دل کبھی اپنے رب کی طرف سے غافل نہ ہو۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ لِلّٰهِ فَاِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً اِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَ حَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِيْئَةً.

(مسلم)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ (جو مولی یعنی آزاد غلام تھے نبی ﷺ کے) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کثرت سے سجدہ کیا کرو کیوں کہ اللہ کے لیے تمھارے ایک سجدے سے لازماً اللہ تمھارا ایک درجہ بلند فرمائے گا اور اس سے تمھارا ایک گناہ معاف کرے گا۔“

تشریح: اپنی حمد و ثنا اور سجدہ اللہ کو بہت پسند ہے۔ اور انسان کے پاس سب سے بیش قیمت

سرمایہ جذبۂ سجود ہی ہے۔ سجدہ میں ہم خدا سے بہت قریب ہو جاتے ہیں اس لیے لازماً سجدے سے اللہ انسان کا درجہ بلند کرتا اور اس کی خطا سے درگزر فرماتا ہے۔ ہمارے پاس سجدہ ہے اور اس کے پاس رحمتوں کا کبھی ختم نہ ہونے والا خزانہ موجود ہے۔ اس کی رحمتوں سے فیض یاب ہونے کا ذریعہ سجدہ وطاعت کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ ؓ اَنَّهَا قَالَتْ كَانَ اَحَبُّ الْعَمَلِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الَّذِىْ يَدُوْمُ عَلَيْهِ صَاحِبُهٗ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب عمل وہ تھا جس پر آدمی مداومت اختیار کرے۔

تشریح: کسی عمل پر مداومت اختیار کرنے سے وہ عمل آدمی کا کردار بن جاتا ہے۔ پھر اس کی حیثیت کسی وقتی ردِّعمل کی نہیں رہتی بلکہ وہ انسان کے اخلاق کا مظہر ہوتا ہے۔

طوبیٰ لھم وحسن مآب

〈۱〉 عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍؓ قَالَ: جَآءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ؟ فَقَالَ: طُوْبٰی لِمَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَ حَسُنَ عَمَلُهٗ. قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْیَا وَ لِسَانُکَ رَطْبٌ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰهِ.

(احمد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور عرض کیا کہ کون شخص بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”خوش نصیبی ہے اس شخص کے لیے جس کو لمبی عمر ملی اور اس کے اعمال اچھے ہوئے۔“ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، کون سا عمل بہتر ہے؟ فرمایا: ”جب تم دنیا سے جدا ہو تو تمھاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔“

تشریح: اس سے بڑھ کر خوش نصیبی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ آدمی کو لمبی عمر حاصل ہو اور اسے زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کے مواقع میسر ہوں۔ خدا کی بندگی اور اس کے بندوں کی خدمت کا شرف اسے زیادہ سے زیادہ مل سکے۔ نیک اعمال کی فہرست مرتب کرنی ممکن نہیں۔ نیک اعمال بے شمار ہیں۔ اور ان کی بہت سی قسمیں ہیں۔ لیکن نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ افضل اور بہترین عمل اسے کہیں گے کہ آدمی مرتے دم تک اپنے رب کو نہ بھولے۔ زبان پر نام آئے تو پہلے اسی کا نام آئے۔ یہاں تک کہ موت کے وقت بھی زبان اسی کا ذکر کر رہی ہو۔ اس حدیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ خدا کا ذکر کوئی خشک اور بے مزہ عمل نہیں ہے۔ بلکہ خدا کا نام وہ محبوب نام ہے جس سے زبانوں کو تری اور حلاوت حاصل ہوتی ہے۔ روح جس سے وجد میں آتی ہے اور جس سے آسمانوں اور زمین کی تمام ہی چیزوں میں معنویت کی روح دوڑ جاتی ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: طُوْبٰی لِمَنْ وَجَدَ فِیْ صَحِیْفَتِهٖ اسْتِغْفَارًا کَثِیْرًا. وَ رَوَی النَّسَائِیُّ فِیْ عَمَلِ یَوْمٍ وَّ لَیْلَةٍ. (ابن ماجہ، نسائی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ”خوش نصیبی ہے اس شخص کے لیے جس کے اعمال نامے میں بہ کثرت استغفار پایا جائے۔“ نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بھی پائے جاتے ہیں ”روز و شب کے عمل میں (سب سے زیادہ استغفار کا عمل پایا جائے۔)“

تشریح: اللہ تعالیٰ کے احسانات بے پایاں ہیں۔ اس کے احسانات کے شکریہ کا حق ادا کرنا انسان کے بس سے باہر ہے۔ ہمارے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ ہم اس کی اطاعت اور بندگی کا حق ادا کر سکیں۔ ایسی حالت میں توبہ و استغفار ہی بندے کے لیے سب سے بڑا سہارا ہے۔ استغفار سے ہی ہماری کوتاہیوں کی تلافی ممکن ہے۔ اسی لیے روایات میں توبہ و استغفار کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک روایت میں تو یہاں تک آیا ہے کہ جب فرشتے بندے کے اعمال نامہ لے کر اوپر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اعمال نامے کے اول و آخر میں استغفار دیکھ کر فرماتا ہے کہ میں نے بندے کے وہ تمام گناہ معاف کر دیے جو اعمال نامے کے دونوں کناروں کے درمیان درج ہیں۔

بہترین چیزیں

بہترین اسلام

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرؓ قَالَ: اِنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ؟ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَ تَقْرَءُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَّمْ تَعْرِفْ.
(بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا اسلام (کا کام) بہتر ہے؟ فرمایا: کھانا کھلانا، ہر ایک شخص کو سلام کرنا، تم اسے پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔''

تشریح: اسلام نے جس قدر عمل پر زور دیا ہے اس کی مثال بہت ہی کم ملے گی۔ کھانا کھلانے کو بالخصوص مسکینوں اور بھوکوں کو اور ہر ایک کی سلامتی چاہنے کو جس کا اظہار سلام کرنے سے ہوتا ہے عین اسلام بلکہ بہترین اسلام کہا گیا۔ کاش اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو ہم سمجھنے اور ان کو عمل میں لانے کی پوری کوشش کر سکیں۔

بہتر انفاق

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ رَقَبَةٍ وَ دِیْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلٰی مِسْکِیْنٍ وَ دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰی اَهْلِکَ اَعْظَمُهَا اَجْرًا اِلَّذِیْ اَنْفَقْتَ عَلٰی اَهْلِکَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک دینار تم نے اللہ کی راہ میں (جہاد میں) خرچ کیا، ایک دینار تم نے گردن چھڑانے میں خرچ کیا، ایک دینار تم نے مسکین کو صدقہ دیا اور ایک دینار تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا، تو اس میں سب سے بڑھ کر اجر وثواب اُس میں ہے جو تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا۔“

تشریح: معلوم ہوا کہ اہل وعیال کا حق سب پر مقدم ہے۔ آدمی اپنے گھر والوں اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہی ہے لیکن اسلام اسے دنیا داری نہیں کہتا بلکہ اس کے نزدیک تو سب سے بہتر انفاق وہی ہے جو آدمی اپنے اہل وعیال اور اپنے گھر والوں پر کرتا ہے، اس لیے اس میں اجر وثواب بھی دوسرے نیک کاموں میں خرچ کرنے سے کہیں زیادہ ملتا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں وہ چیز بھی عین دین ہے جس کو لوگ بالعموم دنیا داری کا کام سمجھتے ہیں۔ البتہ شرط یہ ہے کہ ہمارے سارے کام خدا کی خوش نودی کے لیے اور اس کے حکم کے مطابق ہوں۔

(۲) وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: لِاَنْ یَّتَصَدَّقَ الْمَرْءُ فِیْ حَیَاتِہٖ بِدِرْھَمٍ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِمِائَۃٍ عِنْدَ مَوْتِہٖ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر آدمی اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کرے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ مرتے وقت سو درہم صدقہ کرے۔“

تشریح: مرتے وقت تو آدمی یہ سمجھتا ہی ہے کہ اس کی دولت اب اس کے پاس نہیں رہے گی اس لیے اُس وقت اگر وہ صدقہ کرتا ہے تو یہ کوئی خاص کمال کی بات نہیں ہے۔ خوبی یہ ہے کہ آدمی اس وقت جب کہ وہ سمجھتا ہو کہ ابھی اسے دنیا میں رہنا ہے اور یہاں کے مال واسباب سے فائدہ اٹھانے کے بہت سے مواقع اُسے میسر ہیں، وہ صدقہ اور انفاق کرتا ہے تو اس صدقہ وانفاق کی بڑی قدر وقیمت ہے۔

بہترین نماز

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ طُوْلُ الْقُنُوْتِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”افضل نماز وہ ہے جس کا قیام دراز ہو۔“

تشریح: نماز میں خاص طور سے رات کی نفل نماز میں لمبے قیام کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ آدمی دیر تک اپنے رب کے آگے کھڑا ہوکر اپنی بندگی کا اظہار اور اپنے رب کے رب اور آقا ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ اور اپنے رب کی جناب میں کھڑے ہونے کو اپنے لیے بڑی سعادت کی بات سمجھتا ہے۔

بہترین ذکر اور پکار

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَفْضَلُ الدُّعَآءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ. (ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہترین ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور بہترین دعا الحمد للہ ہے۔"

تشریح: لا الٰہ الا اللہ (خدا کے سوا کوئی الٰہ اور معبود نہیں ہے) کے کلمہ میں سب سے بڑی حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ جو حق ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کے لیے نہایت وجد انگیز اور پُر کیف بھی ہے۔ اس لیے اس کلمہ کو بہترین ذکر سے موسوم کرنا حقیقت کے عین مطابق ہے۔ ذکر سے حق کی یاد دہانی ہوتی ہے اور آدمی کے دل کی غفلت دور ہوتی ہے۔ اس انسان سے بڑھ کر غافل کون ہوسکتا ہے جو اپنے معبود سے غافل ہوکر زندگی گزار رہا ہو۔

الحمد للہ کو بہترین دعا یا پکار کہا گیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ الحمد للہ ایک قول عظیم ہے۔ ساری تعریف اور حمد وثنا کا مستحق اللہ ہی کی ذات ہے۔ یہ ایسی آگہی ہے جس سے بڑھ کر کسی آگہی اور معرفت کی نشان دہی نہیں کی جاسکتی۔ سورہ الفاتحہ کی پہلی آیت میں اسی سب سے بڑی حقیقت کو پیش کیا گیا ہے کہ ساری حمد اور تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ یہی سورہ الفاتحہ بلکہ پورے قرآن کا ماحصل ہے۔

بہترین عبادت

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ.

(احمد، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حسن ظن رکھنا (اللہ کے ساتھ) من جملہ بہترین عبادت کے ہے۔''

تشریح: یوں تو زندگی کے کتنے ہی معاملات میں حسنِ ظن سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس کے بغیر کسی اجتماعیت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ کے ساتھ حسنِ ظن یا اچھا گمان رکھنا تو بندے کا اولین فرض ہے۔ اگر اپنے رب کے ساتھ اسے حسنِ ظن نہیں ہے تو پھر اسلام پر عمل پیرا ہونا اس کے لیے ممکن نہیں۔ خدا کے ساتھ حسنِ ظن بہترین عبادتوں میں سے ہے اس بامعنی فقرے پر جتنا بھی غور وفکر سے کام لیں گے اس کی معنویت منکشف ہوتی چلی جائے گی۔ نبی ﷺ اپنی وفات سے تین روز پہلے فرما رہے تھے: یَمُوْتَنَّ اَحَدُکُمْ اِلَّا هُوَ حَسَنُ الظَّنِّ بِاللّٰهِ۔ ''تم میں سے کوئی مرے تو اس حالت میں مرے وہ اللہ کے ساتھ نیک گمان رکھتا ہو۔'' (مسلم عن جابرؓ)

بہترین جہاد

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَفْضَلُ الْجِهَادِ کَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ اَوْ اَمِیْرٍ جَائِرٍ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بہترین جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے روبرو انصاف کی بات کہے یا ظالم حاکم کے روبرو۔''

تشریح: اس میں شبہ نہیں کہ ظالم و جابر حکمراں کے روبرو عدل وانصاف کی بات کہنی جس کی وجہ سے اس کی جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہو، کسی جہاد سے کم نہیں۔ اسلام بزدلی کی نہیں، شجاعت اور بہادری کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام کا خاص پیغام ہی یہ ہے کہ حق کو دنیا کے سامنے بغیر کسی لاگ لپیٹ کے پیش کیا جائے خواہ ذاتی مفاد اور مصالح کا تقاضا کچھ اور ہی کیوں نہ ہو۔

بہترین کلام

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اَحَبَّ الْکَلَامِ اِلَی اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے نزدیک محبوب تر کلام ہے: سبحان اللہ وبحمدہ (عظیم و برتر ہے اللہ، اپنی حمد کے ساتھ)

تشریح: جس فقرے میں خدا کی عظمت اور برتری کا اظہار کیا گیا ہو اور جو اس کی حمد و ثنا ہو اس سے بہتر کلام کیا ہوسکتا ہے۔ اس حدیث میں درحقیقت اس کی یاددہانی کرائی گئی ہے کہ دنیا کی زندگی میں انسان کہیں بھٹک کر خدا کی عظمت و برتری اور اس کے جمال و کمال کی طرف سے غافل نہ ہوجائے۔ سرچشمۂ حیات سے اپنا رشتہ اور تعلق قائم رکھنا اپنے وجود و بقا اور فلاح کے لیے ضروری ہے، اس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔

بہترین نام

عَنِ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَحَبَّ اَسْمَائِکُمْ اِلَی اللّٰہِ عَبْدُ اللّٰہِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارے ناموں میں سب سے پسندیدہ نام اللہ کے نزدیک عبداللہ اور عبدالرحمان ہے۔''

تشریح: یعنی وہ نام جن سے بندے کی اصل حیثیت کا اظہار ہوتا ہو اور جن سے اس کے اس تعلق کا پتہ چلتا ہو جو تعلق وہ اپنے رب سے رکھتا ہے، عبداللہ اور عبدالرحمٰن ایسے ہی نام ہیں۔ ان ناموں سے بندے کی عبدیت کا بھی اظہار ہو رہا ہے اور ان سے یہ بات بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ جس کا وہ بندہ اور غلام ہے وہ ذات خدائے رحمان کے سوا کسی اور کی نہیں ہوسکتی۔

بہترین قطرے

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ صُدَیَّ بِنْ عجلانَ الْبَاھِلِیؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: لَیْسَ شَیْءٌ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی مِنْ قَطْرَتَیْنِ وَ اَثْرَیْنِ: قَطْرَۃُ دُمُوْعٍ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰہِ وَ قَطْرَۃُ دَمٍ تُھْرَاقُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ. وَ اَمَّا الْاَثْرَانِ فَاَثَرٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ اَثَرٌ فِیْ فَرِیْضَةٍ مِّنْ فَرَائِضِ اللّٰہِ تَعَالٰی. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ صدی بن عجلان الباہلیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کوئی چیز اللہ کو اتنی محبوب نہیں جتنے دو قطرے اور دو نشان محبوب ہیں۔ ایک قطرہ آنسو کا جو خدا کے خوف سے گرے اور دوسرا خون کا وہ قطرہ جو اللہ کی راہ بہایا جائے۔ اور دو نشانوں میں ایک نشانِ قدم خدا کی راہ میں ہو اور دوسرا وہ جو اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے کسی فرض کے ادا کرنے میں لگے۔''

تشریح: قطرۂ اشک اللہ کو کیوں محبوب نہ ہوگا جو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ بندے کے دل میں خدا کا خوف اور اس کی خشیت موجود ہے۔ وہ اپنے رب کی عظمت اور اس کے جلال سے بے خبر نہیں ہے، خدا کے خوف اور خشیت کے سبب سے آنسوؤں کے جو قطرے آنکھوں سے ٹپکیں گے وہ بے اثر نہیں ہو سکتے۔ دوسرا قطرہ جو اللہ کو محبوب ہے وہ اس خون کا قطرہ ہے جو اللہ کی راہ میں لڑنے والے مجاہد یا شہید کے جسم سے گرا ہے۔ جو قطرۂ خون اللہ کی خوش نودی کی طلب اور اس کے دین کو سر بلند کرنے کے سلسلہ میں گرا ہو وہ لازماً اللہ کو محبوب ہوگا۔

بہترین ہدایت

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِىْ صَلٰوتِهٖ بَعْدَ التَّشَهُّدِ اَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللّٰهِ وَ اَحْسَنُ الْهَدْىِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ ﷺ. (نسائی)

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز میں تشہد کے بعد کہا کرتے تھے اَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللّٰهِ وَ اَحْسَنُ الْهَدْىِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ ﷺ ''سب سے بہتر کلام اللہ کا کلام ہے اور سب سے بہترین طریقہ (راستہ) محمد ﷺ کا ہے۔''

تشریح: کلام اگر خدا کا کلام ہے تو اس کے بہترین کلام ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ جن لوگوں نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے اور جو لوگ خدا کے کلام سے لذّت گیر ہوئے ہیں، ان کا دل اور ان کی روح اس بات کی گواہ ہے کہ قرآن سے بڑھ کر پُرعظمت اور شیریں کلام کا انسان تصور نہیں کر سکتا۔

حضور ﷺ نے زندگی کی جو راہ دکھائی ہے اور جس صراط مستقیم پر چل کر آپ ؐ نے ہماری رہ نمائی کی ہے اُس سے بڑھ کر کسی صراط مستقیم اور ہدایت کا تصور بھی ہمارے لیے ممکن نہیں۔

بہترین حاکم

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِکِ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: خِيَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ يُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَ يُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارے بہترین حاکم وہ ہیں جن کو تم چاہو اور وہ تمھیں چاہیں۔ تم انھیں نیک دعا دو اور وہ تمھیں نیک دعا دیں۔''

تشریح: حاکم اور رعایا کے درمیان کیسا تعلق ہونا چاہیے، اس حدیث میں اسے نہایت بہتر طریقے سے بیان فرمایا گیا ہے۔ رعایا اپنے حاکم سے خوش اور حاکم رعایا سے مطمئن ہو۔ دونوں ایک دوسرے کو چاہنے والے اور ایک دوسرے کے لیے دعا گو ہوں۔ یہ وہ معیار ہے جس پر اسلام چاہتا ہے کہ حاکم پورے اتریں۔

بہترین جگہ

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے نزدیک بہترین جگہ مساجد ہیں۔''

تشریح: شہر ہو یا دیہات مساجد سے بڑھ کر بہتر جگہ کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی۔ مسجدیں دنیا کی زندگی میں ہمیں دنیا کے خالق و مالک کی یاد دلاتی ہیں۔ وہ یہ بھی یاد دلاتی ہیں کہ اس زندگی کے بعد ایک زندگی آخرت کی بھی ہے اور حقیقی اور دائمی زندگی وہی ہے۔

بہترین متاع

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّ خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا کی حیثیت متاع کی ہے۔ اور متاع دنیا میں بہترین متاع نیک عورت ہے۔''

تشریح: یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام دین فطرت ہے۔ دنیا خدا نے انسانوں کے لیے بنائی ہے کہ وہ اس میں آباد ہوں اور جو کچھ اللہ نے اس میں ساز و سامان اور رزق فراہم کیا ہے اس سے مستفید ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی جانیں کہ ان کا کوئی رب بھی ہے۔ انھیں اس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ اور وہ اس کے شکر گزار اور فرماں بردار ہوں گے تو اللہ انھیں آخرت کی نعمتوں سے بھی بہرہ مند فرمائے گا۔ حضور ﷺ آگاہ فرماتے ہیں کہ متاع دنیا میں بہترین متاع عورت ہے، شرط یہ ہے کہ وہ نیک ہو۔ اس لیے عورت کی تحقیر سے بچنا چاہیے، اس کی کسی پہلو سے ناقدری نہیں ہونی چاہیے۔ اس کے ساتھ تمھارا سلوک اچھا ہو۔ اس کی رفاقت سے زندگی کی صعوبتیں آسان ہو جاتی ہیں۔ اور انسان کو سکون کی زندگی حاصل ہوتی ہے۔

خاص محبوب چیزیں

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: حُبِّبَ اِلَیَّ الطِّيْبُ وَالنِّسَاءُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ. (احمد، نسائی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(دنیا کی چیزوں میں) خوش بو اور عورتیں مجھے محبوب ہیں اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ انسان کو ذوق صحیح حاصل ہو تو اس زندگی میں خدا نے مختلف قسم کی نعمتیں اسے دے رکھی ہیں۔ عام دنیوی نعمتوں کے ساتھ روحانی نعمت سے بھی اس نے انسان کو محروم نہیں رکھا۔ خوش بو بھی ہمارے لیے لطیف نعمتوں میں سے ہے۔ عورتیں بھی محبوب بنائی گئی ہیں۔ اور حضور ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ آنکھوں کی ٹھنڈک اللہ نے نماز میں رکھی ہے۔ نماز کے سوا وہ سکون و سرور کہیں اور نہیں مل سکتا جو ہماری روح کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

حکمت

(۱) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا زَهِدَ عَبْدٌ فِی الدُّنْيَا اِلَّا اَنْبَتَ

اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ فِیْ قَلْبِہٖ وَ اَنْطَقَ بِھَا لِسَانَہٗ وَ بَصَّرَہٗ عَیْبَ الدُّنْیَا وَدَاءَ ھَا وَ دَوَاءَ ھَا وَ اَخْرَجَہٗ مِنْھَا سَالِمًا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ. (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بندہ دنیا میں زہد اختیار کرے تو لازماً اللہ اس کے دل میں حکمت اُگائے گا، اور اس کی زبان پر حکمت جاری فرمائے گا اور دنیا کے عیب اور اس کی بیماریاں اور ان کا علاج معالجہ سب اسے آنکھوں سے دکھا دے گا۔ اور دنیا سے اسے سلامتی کے ساتھ نکال کر سلامتی کے گھر (جنت میں) پہنچا دے گا۔''

تشریح: اس حدیث میں ایک نقد انعام اور صلہ یعنی حکمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ دنیا میں جس کو حکمت کی دولت ملی اسے بہت بڑا نقد انعام عطا ہوا۔ لیکن اس انعام کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں زہد اختیار کرتے ہیں۔ یعنی دنیا کی اہمیت اور چاہت کو جو اپنے دلوں سے نکال دیتے ہیں۔ اصلاً وہ خدا کی خوش نودی اور اس کی طلب میں جیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو خدا حکمت کی دولت سے نوازتا ہے۔ حکمت در حقیقت ایک الہامی ادراک اور نور ہے۔ حکمت میں آدمی پر حقیقت کا انکشاف ایسا ہوتا ہے جس کا تعلق تعقل سے نہیں القا سے ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں اس کو القا ہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جس بندے کو خدا زہد عطا کرتا ہے اور کم سخنی جس کا شعار ہوتا ہے اس کی قربت اختیار کرو کیوں کہ اس پر حکمت کا القا ہوتا ہے (فَاِنَّہٗ یُلَقَّی الْحِکْمَۃَ)۔ اس حکمت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ آدمی کی زبان پر حکمت جاری ہوتی ہے۔ اس کی باتیں حکمت اور دانائی سے بھری ہوتی ہیں۔ وہ دنیا کے حسن و قبح سب سے واقف ہو جاتا ہے۔ دنیا کے عیوب اور بیماریوں کے علاج سے بھی وہ باخبر ہوتا ہے۔ اس لیے دنیا کی خرابیوں اور بیماریوں سے وہ محفوظ رہتا ہے وہ کسی فتنہ کا شکار نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اس کی عمر تمام ہو جاتی ہے۔ اور خدا اسے دارالسلام یعنی جنت میں جگہ عنایت فرماتا ہے۔

صورت خرابی کی

بدترین لوگ

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَبْدٌ اَذْھَبَ اٰخِرَتَہٗ بِدُنْیَا غَیْرِہٖ. (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز مرتبہ کے لحاظ سے بدترین انسان وہ بندہ ہوگا جو دوسرے کی دنیا بنانے کے لیے اپنی آخرت کو ضائع (تباہ) کر دے۔''

تشریح: اس سے بڑھ کر بدنصیبی کی بات اور کیا ہوگی کہ انسان اپنی آخرت کی طرف سے بے پروا ہو کر دوسروں کی دنیا بنانے کے لیے غلط اور ظلم اور زیادتی کے کاموں میں ان کی معاونت کرے۔ اس طرح دوسروں کی دنیا بن سکے یا نہ بن سکے لیکن اس سے اس کی اپنی آخرت تو لازماً تباہ ہو کر رہتی ہے۔ دنیا میں اسے اس خسارے کا احساس ہو یا نہ ہو لیکن آخرت میں بدترین لوگوں میں وہ اپنے کو شامل پائے گا۔

﴿۲﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلاً قِیْلَ نَعَمْ. قَالَ الَّذِیْ یُسْئَلُ بِاللّٰہِ وَلَا یُعْطِیْ بِہٖ. (احمد)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں نہ بتاؤں کہ درجہ کے لحاظ سے بدترین انسان کون ہے؟'' لوگوں نے کہا کہ ہاں بتائیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''وہ شخص جو خدا کے نام پر لوگوں سے مانگے اور اسے نہ دیا جائے۔''

تشریح: اس سے برا کون ہوگا جو اپنا اعتبار کھو چکا ہو۔ یہاں تک کہ وہ خدا کے نام سے بھی لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے پھر بھی کوئی توجہ نہیں دیتا۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اِنَّ اَبْغَضَ الرِّجَالِ اِلَى اللّٰهِ الْاَلَدُّ الْخَصِمُ.
(بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند شخص وہ ہے جو نہایت جھگڑالو ہو۔“

تشریح: جھگڑالو قسم کے لوگوں سے دنیا پناہ مانگتی ہے۔ لوگ امن و عافیت سے رہ سکیں اس سے اس کو کوئی دل چسپی نہیں ہوتی۔ ایسے شخص کا وجود صفحۂ ہستی پر ایک بدنما داغ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ خدا کی نگاہ میں تو وہ مبغوض ہوتا ہی ہے۔ لوگ بھی اسے عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ شَرَّ الرُّعَاءِ الْحُطَمَةُ.
(مسلم)

ترجمہ: حضرت عائذ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حاکموں میں بدترین حاکم وہ ہے جو ظالم ہو۔“

تشریح: حاکم کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان انصاف اور عدل قائم کرے۔ اب اگر حاکم خود ظلم وستم ڈھانے لگ جائے تو اس کے بدترین حاکم ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ الحطمہ اصل میں الحاطم کا مبالغہ ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلاَ اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ بَلٰى. قَالَ: خَيْرُكُمْ مَنْ يُّرْجٰى خَيْرُهٗ وَ يُؤْمَنُ شَرُّهٗ وَ شَرُّكُمْ مَنْ لَّا يُرْجٰى خَيْرُهٗ وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهٗ.
(ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمھارے بہترین آدمیوں کو تمھارے بدترین آدمیوں سے ممتاز کر کے تمھیں ان کی خبر دوں؟“ یہ بات آپؐ نے تین بار فرمائی۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ ہاں ضرور خبر دیں۔ آپؐ نے فرمایا: ”تم میں بہترین شخص وہ ہے جس سے خیر اور بھلائی کی امید رکھی جائے اور جس کے شر سے لوگ مامون و محفوظ ہوں۔ اور تم میں بدترین شخص وہ ہے جس سے خیر کی کوئی توقع نہ کی جا سکے اور جس کے شر سے لوگ مامون و محفوظ نہ ہوں۔“

تشریح: یہ حدیث بڑی نصیحت آمیز ہے۔ حضور ﷺ نے ہمارے ہاتھوں میں ایک ایسا آئینہ دے دیا ہے جس کے ذریعہ سے ہم بہترین اور بدترین دونوں قسم کے آدمیوں کو بآسانی پہچان سکتے ہیں۔ کاش اس حدیث کی روشنی میں ہمیں اپنی اصلاح کی فکر ہو۔ کیوں کہ اس کے بغیر ایک مثالی معاشرہ کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ: اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ؟ قَالَ: مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَ حَسُنَ عَمَلُہٗ. قِیْلَ: فَاَیُّ النَّاسِ شَرٌّ؟ قَالَ: مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَ سَاءَ عَمَلُہٗ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو بکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے بہترین شخص کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”جس کو لمبی عمر ملی اور اس نے نیک عمل کیے۔“ دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں بدترین شخص کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جسے لمبی عمر ملی لیکن اس نے بُرے عمل کیے۔“

تشریح: خدا نے ایک شخص کو لمبی عمر عطا کی اور اس نے اسے نیک کاموں میں صرف کیا۔ یہ بندے کی طرف سے بہترین شکر گزاری ہے۔ اس کے برعکس احسان فراموشی کے سوا اسے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ خدا تو ہمیں لمبی حیات عطا کرے اور ہم اسے اس کی نافرمانیوں اور سیہ کاریوں میں گزار دیں۔

بدترین اعمال

﴿۱﴾ عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَاطِعٌ.

(بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رشتہ داری کو قطع کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔“

تشریح: رشتے ناتوں ہی سے خاندان اور پھر خاندانوں سے مل کر ایک معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ یہ خاندان اور معاشرہ اگر صالح اور مثالی ہوں تو درحقیقت یہ دنیا میں جنت کے عکوس ہوتے ہیں۔ اب جو کوئی رشتے ناتے کو قطع کرتا ہے اس کا جنت سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ مُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلاَ ثًا قِيْلَ وَ قَالَ وَ اِضَاعَةَ الْمَالِ وَ كَثْرَةَ السُّؤَالِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''اللہ کو تمھارے لیے تین چیزیں ناپسند ہیں، بے فائدہ گفتگو، مال ضائع کرنا اور بہت مانگنا۔''

تشریح: یہ تینوں ہی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو کبھی بھی پسند نہیں کیا جاسکتا۔ فضول گو کا کوئی وقار اور وزن نہیں ہوتا۔ مال کے استعمال میں سمجھ بوجھ سے کام نہ لینا اور اسے بے جا طور پر خرچ کرنا ناعاقبت اندیشی ہے۔ اس کا انجام پریشانی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ کثرت سے سوال کرنا یا مانگنا دونوں ہی ناپسندیدہ کام ہیں۔ جو لوگ فعّال اور کام کرنے والے ہوتے ہیں ان کے پاس زیادہ دریافت طلب باتیں نہیں ہوا کرتیں۔ ان کی دلچسپی اصلاً عمل سے ہوتی ہے۔ رہی دست سوال دراز کرنے اور مانگنے کی بات تو اسے کون اچھا کہہ سکتا ہے۔ اور پھر مانگنے کی عادت ڈال لینا تو نہایت ہی ناپسندیدہ بات ہوگی۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِؓ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَ قِتَالُهٗ كُفْرٌ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔''

تشریح: کسی کو گالی دینے اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے کو کوئی مہذب شخص پسند نہیں کرسکتا۔ پھر کسی مسلمان کو گالی دینی اور اس سے جنگ کرنی تو نہایت سنگین قسم کا جرم ہوگا۔ ایک مسلمان خدا کی امان اور اس کی حفاظت میں ہوتا ہے۔ خدا کی امان اور اس کی محافظت کی پروا نہ کرکے کسی مسلمان کے ساتھ بدزبانی سے پیش آنا یا اس کے قتل کے درپے ہونا فسق اور کفر کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔

مہلکات

﴿۱﴾ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ. قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا هُنَّ؟ قَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَ قَتْلُ النَّفْسِ الَّتِيْ حَرَّمَ

اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَكْلُ الرِّبٰوا وَ اَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّىْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَ قَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلاَتِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سات ہلاک کرنے والی باتوں سے دور رہو۔'' لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ وہ باتیں کون سی ہیں؟ فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، کسی جان کو ناحق قتل کرنا جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا اور جہاد سے راہِ فرار اختیار کرنی اور پاک دامن شریف بھولی بھالی عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔''

تشریح: مہلکات میں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا تعلق زندگی کے مختلف شعبوں سے ہے۔ عقیدہ اور انسان کی سماجی و معاشی زندگی سے لے کر میدان جہاد تک ان کا دائرہ وسیع ہے۔ مہلکات میں سب سے پہلی چیز شرک ہے جس کو پوری کائنات اور اس کا نظام باطل ٹھہراتا ہے۔ خود انسان کی اپنی نفسیات بھی اس کی مخالف ہے۔ جادو ٹونا اور سفلی چیزیں آدمی کو کہاں لے جا کر گراتی ہیں اس کا عام طور پر اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قتل ناحق اور شریف عورتوں پر زنا کی تہمت لگانی، یہ کسی صحت مند اور صالح معاشرہ کی علامت نہیں ہوسکتیں۔ سود خوری نے آج اپنی گرفت میں پوری دنیا کو جکڑ رکھا ہے۔ اس کی وجہ سے معاشی ناہمواری اور ظلم و جور کی جو مثالیں سامنے آتی ہیں وہ ہماری آنکھ کھولنے کے لیے کافی ہیں۔ میدان جنگ سے فرار اختیار کرنے والا ایک ایسے جرم کا مرتکب ہوتا ہے جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ وہ حق سے دور جا پڑتا ہے بلکہ یہ وہ حرکت ہے جو پورے لشکر کو بلکہ آگے بڑھ کر پوری قوم کو خطرے سے دوچار کر سکتی ہے۔ اس حدیث میں غیر معمولی انتباہ پایا جاتا ہے۔ اس کے پیچھے پیغمبرانہ بصیرت کی کارفرمائی صاف دکھائی دیتی ہے۔

(۲) وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَلاَ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ ثَلاَثَ مَرَّاتٍ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جان لو ہلاک ہوئے کلام و امور میں مبالغہ کرنے والے۔'' یہ بات آپؐ نے تین بار فرمائی۔

تشریح: تقریر ہو یا گفتگو اور تحریر ہو یا کوئی معاملہ اس میں مبالغہ آمیزی صحیح نہیں ہے، غلو اور تصنع کے اہتمام سے بالعموم صداقت اور انصاف کا خون ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے آدمی کی اپنی شخصیت خود مجروح ہو کر رہ جاتی ہے۔

کبائر یا بڑے گناہ

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: سَاَلْتُ اَوْ سُئِلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَیُّ الذَّنْبِ عِنْدَ اللّٰہِ اَکْبَرُ قَالَ: اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰہِ نِدًّا وَّ ھُوَ خَلَقَکَ. قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ: اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَکَ خَشْیَۃَ اَنْ یَّطْعَمَ مَعَکَ. قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ: اَنْ تَزْنِیَ بِحَلِیْلَۃِ جَارِکَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے یا کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”کسی کو خدا کا مدّمقابل ٹھہرانا حالاں کہ اس نے تمھیں پیدا فرمایا۔“ میں نے کہا کہ پھر کون سا؟ فرمایا: ”اولاد کو اس ڈر سے مار ڈالنا کہ وہ تمھارے کھانے میں شریک ہوگی۔“ میں نے عرض کیا کہ پھر کون سا؟ فرمایا: ”اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا۔“

تشریح: اس حدیث میں جن کبائر یا بڑے گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کی قباحت کی شدّت کو ہر شخص محسوس کرسکتا ہے۔ سب سے بڑا گناہ تو خدا کا ہمسر ٹھہرانا ہے۔ سب کا خالق اور مالک خدا ہے پھر کسی دوسرے کا شکر گزار ہونا اور اسے خدا کا ہمسر اور مدمقابل قرار دینا اور اس کے آگے سجدۂ عبودیت گزارنا وہ ظلم عظیم ہے جو کبھی بھی قابلِ معافی نہیں ہوسکتا۔

پھر اولاد کو قتل کرنے کو کہ وہ کھانے میں شریک ہوگی، گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ دراصل دہرا گناہ ہے۔ ایک تو قتل اور دوسرے یہ بھول جانا کہ اصل روزی رساں خدا ہے نہ کہ کوئی دوسرا۔ ماں باپ محض ذریعہ ہوتے ہیں اصل رازق سب کا خدا ہی ہے۔

زنا خود گناہ کبیرہ ہے، پھر پڑوس میں رہنے والی پڑوسی یا دوست کی بیوی سے زنا کرنا تو ایسا گناہ ہے جس کا ارتکاب اپنے کمینہ پن اور گراوٹ کی انتہا کو پہنچا ہوا شخص ہی کرسکتا ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ اَبِی بَکْرَۃَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلاَ اُخْبِرُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ؟ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. قَالَ اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰهِ وَ عُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ.

(بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’کیا میں تمھیں سب سے بڑے گناہ سے باخبر نہ کروں؟‘‘ لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں یارسول اللہ، آپؐ نے فرمایا: ’’اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں شرک کے علاوہ والدین کی نافرمانی کو بھی اکبرالکبائر میں شمار کیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خدا کے بعد جن کے احسانات سب سے زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں وہ انسان پر اس کے والدین کے احسانات ہیں۔ اسی لیے قرآن میں شرک سے اجتناب کی تاکید کے بعد جس چیز کی خاص طور سے تاکید فرمائی گئی ہے وہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک ہے۔

وہ ہم میں سے نہیں

〈۱〉 عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَیْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰی عَصَبِیَّةٍ، وَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِیَّةً، وَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ مَّاتَ عَلٰی عَصَبِیَّةٍ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی دعوت دے، وہ بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت کے جذبہ سے لڑے اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر مرے۔‘‘

تشریح: یعنی جو عصبیت کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے، عصبیت ہی کے لیے لڑتا ہے اور عصبیت ہی پر اس کی موت آتی ہے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کی روش ہمارے لائے ہوئے دین کے بالکل خلاف ہے۔ اسلام جاہلی عصبیت کو مٹانے آیا ہے نہ کہ اس کو باقی رکھنے اور اسے فروغ دینے کے لیے آیا ہے۔ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ عصبیت کیا ہے؟ اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا: اَنْ تُعِیْنَ قَوْمَكَ عَلَی الظُّلْمِ۔ ’’یہ کہ تم ظلم پر اپنی قوم کی حمایت کرو۔‘‘ (ابوداؤد) یعنی تمھیں حق و انصاف کا پاس ولحاظ نہ ہو۔ قوم آمادۂ ظلم وستم ہو۔ پھر بھی تم اسی کی حمایت میں لگے رہو، یہ اس عصبیت کی ایک مثال ہے جسے اسلام ختم کرنے کے لیے آیا ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ مُسْلِمَةِ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ سَلَّ عَلَيْنَا فَلَيْسَ مِنَّا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت مسلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ہم پر (مسلمانوں پر) تلوار اُٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

تشریح: یعنی جو ہمارے ساتھ جنگ پر آمادہ ہو، پھر اس باغیانہ روش کے ساتھ اس کا رشتہ ہمارے گروہ سے کیسے قائم رہ سکتا ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت سعید ابن ابی سعیدؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن نہ گنگنائے۔''

تشریح: قرآن کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اسے ترتیل کے ساتھ خوش آوازی سے پڑھا جائے۔ حروف اور آواز کے ادا کرنے میں قصور نہ پایا جائے۔ عرب خاص طور سے مجلسوں اور سفروں میں اشعار ترنم کے ساتھ گایا کرتے تھے۔ قرآن نے مسلمانوں کو اس سے بے نیاز کر دیا۔ قرآن میں وہ صوتی جمال اور آہنگ اور جاذبیت موجود ہے کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ اب جو قرآن کے اس وصف سے محظوظ اور لذت گیر نہ ہو سمجھیے کہ وہ قرآن کا ایک اہم حق ادا کرنے سے گریز کر رہا ہے۔ اس لیے آپؐ تنبیہ فرما رہے ہیں کہ قرآن کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھا جائے۔ قرآن کو امت مسلمہ کے پاس ایک ایسے نغمۂ جاں فزا کی حیثیت حاصل ہے جس سے فیض یاب نہ ہونا مسلم گروہ سے علٰحدگی اختیار کرنے کے ہم معنی ہے۔

اس کا خیال رہے کہ قرآن کا اپنا ایک لہجہ اور آہنگ ہے، تلاوت میں اسی کی پیروی کرنی چاہیے۔ اس سے ہٹ کر عام گانوں کی طرح اسے پڑھنا جائز نہ ہوگا۔

﴿۴﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يُوَقِّرِ الْكَبِيْرَ وَ يَرْحَمِ الصَّغِيْرَ وَ يَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ. (احمد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص ہم میں سے نہیں

جو بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت اور رحم نہ کرے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہ دے۔''

تشریح: اس حدیث میں اسلام کے ایک جامع کردار کا ذکر ہوا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اپنے بڑوں کی توقیر اوران کا ادب کیا جائے، اور اپنے چھوٹوں سے ہمارا سلوک شفقت اور محبت کا ہو۔ اوراس کے ساتھ ہمارا یہ بھی فرض ہوتا ہے کہ نیکی کو فروغ دینے اور بُرائی کو مٹانے، لوگوں کو راہِ راست پر لانے اور انھیں برائیوں سے دور رکھنے کی کوشش بھی کرتے رہیں۔ اس سے گریز ہرگز نہ کریں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ دین کی ان ہدایات اور تعلیمات سے بے پروا ہوکر جو شخص زندگی گزارتا ہے اُسے جان لینا چاہیے کہ وہ اس راستے سے ہٹ کر چل رہا ہے جس راہ پر لوگوں کو چلانے اور جس کی طرف لوگوں کی رہ نمائی کرنے کے لیے میری بعثت ہوئی ہے۔

جن سے خدا بات نہ کرے گا

(۱) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: ثَلاَ ثَۃٌ لاَّ یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الْمَنَّانُ الَّذِیْ لاَ یُعْطِیْ شَیْئًا اِلاَّ مَنَّہٗ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَہٗ بِالْحَلْفِ الْفَاجِرِ وَالْمُسْبِلُ اِزَارَہٗ.

(مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تین آدمی ایسے ہیں جن سے خدا قیامت کے روز بات کرنے کا روادار نہ ہوگا: ایک وہ احسان جتانے والا جو کچھ دیتا ہے تو لازماً احسان جتاتا ہے، دوسرا جھوٹی قسم کھا کر اپنے مال کی نکاسی کرنے والا اور تیسرا ازار لٹکانے والا۔''

تشریح: کسی پر کوئی احسان کرکے اس پر اپنا احسان جتانا نہایت گری ہوئی اور غیر شریفانہ حرکت ہے۔ اسی طرح اپنے دنیوی فائدے کے لیے جھوٹی قسمیں کھا کر خریدار کو دھوکا دینے والے شخص کی بھی یہ حیثیت نہیں رہتی کہ خدا سے اس کو ہم کلامی کا شرف حاصل ہو۔ اسی طرح خدا اس شخص سے بھی گفتگو کا روادار نہ ہوگا جو غرور سے ازار لٹکائے چلتا ہو۔ حضور ﷺ کے زمانے میں اکثر لوگ ازار استعمال کرتے تھے اس لیے ازار کا ذکر فرمایا۔ ورنہ قمیص یا پائجامہ وغیرہ دوسرے لباس کا بھی یہی حکم ہے۔ انھیں بھی ٹخنوں سے نیچے تک لٹکائے رکھنا درست نہیں۔ اس سے غرور کا اظہار ہوتا ہے۔

(۱۱) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلاَثَةٌ لَّا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلاَ یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ وَلاَ یُزَکِّیْهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ رَجُلٌ عَلٰی فَضْلِ مَاءٍ بِالْفَلاَةِ یَمْنَعُهُ مِنَ ابْنِ سَبِیْلٍ وَ رَجُلٌ بَایَعَ رَجُلاً بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَحَلَفَ لَهٗ بِاللّٰهِ لَاَخَذَ بِکَذَا وَکَذَا فَصَدَّقَهٗ وَ هُوَ عَلٰی غَیْرِ ذٰلِکَ وَ رَجُلٌ بَایَعَ اِمَامًا لَّایُبَایِعُهٗ اِلَّا الدُّنْیَا فَاِنْ اَعْطَاهُ مِنْهَا وَفٰی وَ اِنْ لَّمْ یُعْطِهٖ مِنْهَا لَمْ یَفِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین آدمی ہیں جن سے خدا قیامت کے روز بات نہ کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا، نہ انھیں عمدگی عطا فرمائے گا ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ایک وہ شخص جو جنگل میں حاجت سے زیادہ پانی رکھتا ہے پھر بھی مسافر کو پانی سے روکتا ہے۔ دوسرے وہ شخص جس نے عصر کے بعد کسی کے ہاتھ کوئی مال فروخت کیا اور خدا کی قسم کھائی کہ میں نے اسے اتنے میں خریدا ہے، خریدار نے اس کی بات کو سچ سمجھا حالاں کہ اتنے میں اس نے خریدا نہیں تھا۔ تیسرے وہ شخص جس نے امام سے محض دنیا کی طمع میں بیعت کی۔ امام نے اسے کچھ دنیا کا مال دیا تو اس نے بیعت پوری کی۔ اور اگر اس نے نہیں دیا تو پوری نہیں کی۔“

تشریح: اس حدیث میں جن تین اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے وہ اتنے گرے ہوئے اور اخلاق سے عاری لوگ ہیں کہ انھوں نے اس عزت اور اپنی اس وقعت کو کھو دیا جو خدا نے انھیں عنایت فرمایا تھا۔ اب وہ اس کے مستحق ہی قرار نہیں پاتے کہ خدا انھیں اپنی ہم کلامی سے سرفراز فرمائے۔ یا ان کی طرف توجہ دے اور ان کی شخصیت کو رفعت اور بلندی عطا فرمائے۔

پیشین گوئیاں

(۱) عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: اِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ اَیِسَ اَنْ یَّعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ فِیْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ وَ لٰکِنْ فِی التَّحْرِیْشِ بَیْنَهُمْ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”شیطان اس بات سے تو مایوس ہو گا کہ جزیرۃ العرب میں نمازی (مسلمان) اسے پوجیں گے۔ لیکن وہ انھیں باہم بھڑکائے اور لڑائے گا۔“

تشریح: یعنی اب ایسا نہیں ہوگا کہ لوگ شیطان کی پیروی میں دین توحید کو ترک کر کے زمانۂ جاہلیت کی طرح شرک میں مبتلا ہو جائیں۔ آپؐ کی یہ پیشین گوئی غیر معمولی ہے۔ ایک سچا پیغمبر ہی اس طرح کی پیشین گوئی کر سکتا ہے۔ نبی ﷺ کو وفات پائے صدیاں گزر گئیں لیکن عرب شرک میں مبتلا نہیں ہوئے۔ البتہ باہم آویزشیں اور لڑائیاں ہوئیں جن کی خبر اس حدیث میں دی گئی تھی۔

(۲) وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَنْ يَّبْرَحَ هٰذَا الدِّيْنُ قَائِمًا يُّقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ دین (اسلام) برابر قائم رہے گا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت اس (دین حق) پر لڑتی رہے گی یہاں تک کہ قیامت کا وقت آ جائے گا۔“

ترجمہ: یہ پیش گوئی بھی غیر معمولی ہے۔ اور حضرت محمد ﷺ کے سچے رسول ہونے کی دلیل ہے۔ آپؐ نے خبر دی کہ دین حق جس کے ساتھ آپؐ مبعوث ہوئے تھے دنیا میں باقی رہے گا۔ یہ دین قصۂ پارینہ ہو کر رہ جائے ایسا کبھی نہ ہوگا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت اس دین کی محافظت کے لیے ہمیشہ سرگرم عمل رہے گی۔ نہ دین اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹایا جا سکتا ہے اور نہ ایسا ہوگا کہ پوری کی پوری امت مسلمہ حق سے بے گانہ ہو کر رہ جائے جیسا کہ یہود و نصاریٰ کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔

(۳) وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَ سَيَكُوْنُ خُلَفَآءُ فَيَكْثُرُوْنَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، البتہ خلفاء ہوں گے اور وہ بہت ہوں گے۔“

تشریح: آپؐ کی دیگر کتنی ہی پیشین گوئیوں کی طرح یہ پیش گوئی بھی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ آپؐ سے پہلے دنیا میں کتنے ہی انبیاء اور رسل تشریف لا چکے ہیں۔ لیکن آپؐ کی پیشین گوئی کے مطابق آپؐ کے بعد نبیوں کے آنے کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اگر کسی نے اپنے نبی ہونے کا جھوٹا دعویٰ بھی کیا تو وہ کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس کے فریب کے پردے کو خدا نے چاک کر کے رکھ دیا۔

تاریخ شاہد ہے کہ آپؐ کی دی ہوئی خبر کے مطابق آپؐ کے بعد خلفاء ہوئے اور بہت سے خلفاء کی خلافتیں قائم ہوئیں، جنھوں نے دینی نظام سلطنت کو قائم رکھنے اور اس کی توسیع کے سلسلہ میں غیر معمولی خدمات انجام دیں۔

نصائح

(۱) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَللّٰهُمَّ لاَ عَيْشَ اِلاَّ عَيْشَ الْاٰخِرَةِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ، آخرت کی زندگی ہی زندگی ہے۔''

تشریح: حضور ﷺ کے اس ایک جملے میں ہزار نصائح پوشیدہ ہیں۔ اگر آدمی کی سمجھ میں یہ بات آجائے کہ آخرت کی زندگی ہی اصل اور مطلوب زندگی ہے تو پھر اس کی دنیا بدل جائے گی۔ اس کی صبح وشام کا نقشہ کچھ اور ہوگا۔ ایسا شخص آخرت کی تیاری سے غافل نہیں ہوگا اور نہ کبھی وہ دنیا کو اپنا مقصود قرار دے گا۔ اس کی کوشش ہوگی کہ وہ ذمہ دارانہ زندگی گزارے تاکہ اس کی آخرت کی زندگی تباہ و برباد نہ ہو۔

(۲) وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَ رُزِقَ كَفَافًا وَ قَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا اٰتَاهُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''کام یاب ہوگیا وہ شخص جو مسلمان ہوا، اسے بہ قدر ضرورت روزی ملی۔ اور خدا نے اسے جتنا دیا اس پر اُسے قانع بنایا۔''

تشریح: اصل کام یابی تو آخرت کی کام یابی ہے۔ دنیا کی زندگی کے لحاظ سے کسی شخص کے کام یاب ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے اسے اتنی روزی حاصل ہو کہ اس کی ضرورتیں پوری ہو رہی ہوں۔ خدا نے اسے قناعت کی دولت سے سرفراز کیا ہو کہ کسی کی دولت اس کے لیے باعثِ غم نہ ہو۔ دنیا کی زندگی میں کام یاب ہونے کے لیے دولت اور کثیر سرمایہ کا حصول شرط نہیں ہے۔ البتہ اس کے لیے جو چیز لازمی ہے جس کا ذکر اس حدیث میں واضح طور پر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آدمی مسلم ہو۔ اسلام اور ایمان کی دولت سے محروم نہ ہو۔ کیوں کہ مومن اور مسلم نہ ہونے کی صورت

میں اس کی آخرت کی زندگی تباہ ہوگی اور اس کی دنیوی زندگی بھی حقیقی معنویت اور مقصدیت سے خالی ہوگی۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اَلصَّدَقَةُ عَلَی الْمِسْكِیْنِ صَدَقَةٌ وَ عَلٰی ذِوِی الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ. (نسائی، ترمذی)

ترجمہ: حضرت سلمان بن عامرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے لیکن مستحق رشتہ دار کو صدقہ دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔''

تشریح: انسان پر اس کے اقرباء اور رشتہ داروں کا خاص حق ہوتا ہے۔ اس حدیث میں اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اگر آدمی صدقہ دینے میں اپنے محتاج اور ضرورت مند رشتہ داروں کو خاص طور سے ترجیح دیتا ہے اور ان پر اپنا مال خرچ کرتا ہے تو اسے صدقہ کے ثواب کے علاوہ صلۂ رحمی کا ثواب بھی ملتا ہے۔ یعنی خدا کے یہاں وہ دُہرے اجر وثواب کا مستحق قرار پاتا ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا اَلْمُفْلِسُ مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ: اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَّ صِیَامٍ وَّ زَكٰوةٍ وَّ یَاْتِیْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَ قَذَفَ هٰذَا وَ اَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَ ضَرَبَ هٰذَا فَیُعْطٰی هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ یُّقْضٰی مَا عَلَیْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَایَا هُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟'' لوگوں نے عرض کیا کہ مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہے نہ اسباب۔ آپؐ نے فرمایا: ''میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کے ساتھ نماز، روزہ اور زکوٰۃ سب تھے مگر وہ کسی کو گالی دے کر آیا تھا، کسی پر بہتان لگا کر آیا تھا، کسی کا مال مار کر کھایا تھا، کسی کا خون بہایا تھا، کسی کو پیٹ کر آیا تھا۔ پھر ایک ایک مظلوم کو اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی۔ اور اگر اس کی نیکیاں بدلہ کے ادا ہونے سے پہلے ختم ہو گئیں تو مظلوموں کی خطائیں اس کے حساب میں ڈال دی جائیں گی۔ آخر وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔''

تشریح: اس حدیث میں خاص انتباہ ان لوگوں کے لیے ہے جو صوم وصلوٰۃ کے تو پابند ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں لیکن بندگانِ خدا کے ساتھ ان کا سلوک نہایت ظالمانہ ہوتا ہے۔ کسی کو نہ تو گالی دینے میں انھیں کوئی باک ہوتا ہے اور نہ کسی کو پیٹنے اور خوں بہانے میں انھیں کوئی دریغ ہوتا ہے۔ اس کا انجام یہ ہوگا کہ قیامت کے روز ان کی ساری نیکیاں مظلوموں میں بانٹ دی جائیں گی اور اگر بدلہ چکانے میں ان کی نیکیوں نے کفایت نہ کیا تو مظلوموں کے گناہ اور ان کی خطائیں ظالموں کے حساب میں ڈال دی جائیں گی اب ان کے پاس کچھ بھی نہ ہوگا جو انھیں دوزخ کے عذاب سے بچا سکے۔

(۵) وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے سلسلہ میں اکثر لوگ فریب اور ٹوٹے میں پڑے ہوتے ہیں اور وہ ہیں صحت اور فراغت۔''

تشریح: یہ دونوں ہی نعمتیں نہایت قدر و قیمت کی حامل ہیں۔ لیکن لوگوں کی اکثریت ان کی قدر و قیمت کو نہیں جانتی۔ بڑے ہی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو صحت اور فراغت کے قدر شناس ہیں۔ صحت اور فراغت کے زمانے میں جو زیادہ سے زیادہ خدا کی اطاعت اور بندگی اور نیکیاں کمانے میں سرگرم دکھائی دیتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ فراغت اور تندرستی جو انھیں حاصل ہے، دیر تک باقی رہے، اس لیے غفلت میں وقت ضائع کرنا فریب خوردگی اور اپنے کو خسارے میں ڈالنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

(۶) وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّةُ الْكَافِرِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔''

تشریح: کافر کو جو بھی آرام اور راحت حاصل ہے وہ صرف دنیا کی زندگی تک ہے۔ موت کے بعد اس کے حصے میں غضب الٰہی کے سوا اور کچھ بھی آنے کا نہیں۔ اس لیے دنیا ہی اس کی جنت

ہے۔اس کے برعکس مومن شخص کو اس زندگی کے بعد آخرت میں جو سامانِ سکون و راحت میسر آئے گا اس کے مقابلے میں دنیا کی حیثیت ایک قید خانہ کی نظر آتی ہے۔قید خانہ سے تو ہر قیدی رہائی چاہتا ہے۔مومنین بھی دنیا میں دنیا کے لیے نہیں آخرت کے لیے جیتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہم دنیائے آخرت کے لیے پیدا ہوئے ہیں اس لیے ہمارا اصل وطن دنیا نہیں آخرت ہے۔ وہ اپنے دل کو شوقِ وطن سے کبھی خالی نہیں پاتے۔

وصایہ

(۱) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ(ﷺ) اَوْصِنِیْ، قَالَ: اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ فَاِنَّہٗ اَزْیَنُ لِاَمْرِکَ کُلِّہٖ. قُلْتُ زِدْنِیْ، قَالَ: عَلَیْکَ بِتِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ وَ ذِکْرِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ کَانَّہٗ ذِکْرٌ لَکَ فِی السَّمَآءِ وَ نُوْرٌ لَکَ فِی الْاَرْضِ.

(بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپؐ مجھے وصیت فرمائیں۔آپؐ نے فرمایا: ''میں تمھیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں کیوں کہ تقویٰ تمھارے ہر کام کو بہت زیادہ سنوارے اور آراستہ کرے گا۔'' میں نے عرض کیا کہ کچھ مزید میرے لیے وصیت فرمائیں۔آپؐ نے فرمایا: ''تلاوتِ قرآن کو اور اللہ عزوجل کی یاد کو اپنے لیے لازم قرار دے لو۔ یہ آسمان میں تمھارے ذکر کا ذریعہ ہوگا اور زمین میں تمھارے لیے نور ہوگا۔''

تشریح: یہ ایک طویل حدیث کا حصہ ہے۔اس حدیث میں آپؐ سے کئی چیزوں کی وصیت نقل کی گئی ہے۔پہلی وصیت آپؐ نے تقویٰ کی فرمائی کہ اس سے سارے ہی کام سنور سکتے ہیں۔آدمی کسی نہ کسی کام میں لگا رہتا ہے خواہ وہ کام دنیا کا ہو یا دین کا۔وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کا کوئی کام بگڑنے نہ پائے بلکہ اسے ہر کام میں کامیابی حاصل ہو۔آپؐ نے بتایا کہ حقیقت میں اگر کوئی تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اس کے سارے ہی کام درست ہو جائیں گے۔

تلاوت قرآن اور ذکر اللہ کی کثرت کے بارے میں فرمایا کہ اس سے آسمان یعنی ملاءِ اعلیٰ میں تمھارا ذکر ہوگا۔ایک دوسری حدیث میں بھی وارد ہوا ہے کہ جب بندہ دنیا میں خدا کو یاد کرتا

ہے تو اللہ اس کا ذکر فرشتوں کی مجلس میں کرتا ہے۔ قرآن میں بھی ارشاد ہوا ہے: فَاذْكُرُونِيْ اَذْكُرْكُمْ۔ ''تم مجھے یاد کرو، میں تمھیں یاد کروں گا۔''

تلاوت اور ذکر سے دوسری برکت یہ حاصل ہوگی کہ اس سے ایک نور حاصل ہوگا۔ اس سے آدمی کا باطن بھی روشن ہوگا اور ظاہر میں بھی اس کے آثار نمایاں ہوں گے۔ خدا کے احکام اور اس کی ہدایات پر وہ پورے یقین کے ساتھ عمل پیرا ہوگا۔ کبھی کسی قسم کا شک و شبہ اسے دامن گیر نہیں ہوگا۔

یہ حدیث میں ایک خاص وصیت یہ بھی فرمائی گئی ہے: عَلَيْكَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّهٗ مِطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَ عَوْنٌ لَكَ عَلٰى اَمْرِ دِيْنِكَ۔ ''زیادہ خاموش رہنے کو اپنا شعار بنالو۔ یہ چیز شیطان کو دفع کرنے والی ہے اور دین کے معاملہ میں یہ تمھاری مددگار ثابت ہوگی۔'' خاموشی (Silence) کے بارے میں حکماء نے بہت کچھ کہا ہے۔ لیکن خاموشی کے بارے میں چند لفظوں میں آپؐ نے جو کچھ فرمایا وہ ایک پیغمبر کے شایانِ شان ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس پر غور و فکر کریں اور زندگی میں اس سے پورا فائدہ اٹھائیں۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا حَقُّ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ لَهٗ شَيْءٌ يُوْصِيْ فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ اِلَّا وَ وَصِيَّتُهٗ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهٗ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کسی مسلمان کے لیے جس کے پاس ایسا مال ہو جس کی وصیت کرنی ہو، یہ جائز نہیں کہ وہ دو شب اس کے بغیر گزارے کہ وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود نہ ہو۔''

تشریح: یعنی زندگی کا کیا بھروسہ۔ کیا خبر مہلتِ عمر کب ختم ہو جائے اور پھر وصیت لکھنے لکھانے کا موقع ہی ہاتھ سے جاتا رہے۔ ایک وصیت ہی نہیں جو بھی ضروری کام اپنے ذمہ ہوں ان کو پورا کرنے میں کبھی بھی تساہل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ حضور ﷺ کی اس وصیت کی اہمیت اور قدر و قیمت کا ہر شخص کو احساس ہونا چاہیے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍؓ قَالَ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: اَلصَّلٰوةُ اَلصَّلٰوةُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِيْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت علی ابن ابو طالبؓ بیان کرتے ہیں کہ آخری کلام جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ یہ تھا: نماز، نماز اور اللہ سے ان کے بارے میں ڈرتے رہو جو تمھاری ملک میں ہوں۔"

تشریح: نماز کا اہتمام کس درجہ ضروری ہے کہ دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے بھی زبان پر نماز کی تکرار ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ نماز ہی اصل زندگی ہے۔ نماز نہ ہو تو زندگی بے معنی ہو کر رہ جائے۔

دوسری چیز دنیا سے رخصت ہوتے وقت جس کی آپؐ نے تاکید فرمائی وہ یہ کہ غلام لونڈی ہوں یا جن پر بھی ہمارا اختیار ہو اور جو بھی ہمارے ماتحت ہوں ان کے ساتھ ہمیں حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے۔ اور اس سلسلہ میں خدا سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ جب نبی ﷺ کی وفات کا وقت آ گیا تو آپ ایک ساعت کے لیے بے ہوش رہے پھر ہوش میں آئے اور اپنی آنکھ چھت کی طرف لگائی اور فرمایا: اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی (اے اللہ، بلند رفیقوں کے ساتھ کر دے)۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہی آخری کلمہ تھا جو آپؐ نے فرمایا۔ (مسلم)

معلوم ہوا کہ دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے آپؐ نے جو آخری وصیت فرمائی وہ نماز کی پابندی اور لونڈی اور غلام وغیرہ زیر دستوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت تھی۔ اور وفات کے وقت جو آخری کلمہ آپؐ نے فرمایا وہ تھا: اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی۔ "اے اللہ، مجھے بلند رفیقوں کے ساتھ کر دے۔"

خدا کی امان میں

(۱) عَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْیَانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ صَلَّی الصُّبْحَ فَهُوَ فِیْ ذِمَّةِ اللّٰهِ، فَانْظُرْ یَا ابْنَ اٰدَمَ لَا یَطْلُبَنَّکَ اللّٰهُ مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَیْءٍ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جندب بن سفیانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے صبح کی نماز پڑھی وہ خدا کی امان (حفاظت) میں آ گیا۔ لہٰذا اے ابن آدم دیکھ خدا تجھ سے اپنی امان کے متعلق کوئی باز پرس نہ کرے۔"

تشریح: اس حدیث سے نماز کے ایک خاص پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو خدا کا اس سے خاص تعلق ہو جاتا ہے۔ یہی تعلق ہے جس کی وجہ سے خدا اسے اپنی امان میں لے

لیتا ہے۔ اب بندہ اس کا مستحق ہو جاتا ہے کہ خدا دنیا اور آخرت دونوں میں اس کی حفاظت فرمائے۔ اب اگر کوئی اسے کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے تو اسے جاننا چاہیے کہ وہ کس کو نقصان پہنچانے جا رہا ہے۔ اسے خدا کی باز پرس سے ڈرنا چاہیے۔

صبح سے دن کی ابتدا ہوتی ہے اس لیے صبح کی نماز کا ذکر فرمایا، گویا دن شروع ہوتے ہی بندہ اپنے رب کی امان میں آ گیا۔ جس شخص کے دن خدا کی امان میں گزریں اس کی سرفرازی اور سربلندی میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔

نازک پوزیشن

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ الْعَبْدَ یَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِّضْوَانِ اللّٰهِ لَا یُلْقِیْ لَهَا بَالاً یَّرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَاتٍ وَاَنَّ الْعَبْدَ لَیَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لَا یُلْقِیْ بَالاً یَهْدِیْ بِهَا فِیْ جَهَنَّمَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندہ کوئی بات خدا کی رضا اور اس کی پسند کی کہتا ہے، اسے اس کی پروا نہیں ہوتی، اللہ اس کی وجہ سے اس کے درجات بلند کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس بندہ کوئی بات خدا کی ناراضی کی کہتا ہے، اسے اس کی پروا نہیں ہوتی، اس کی وجہ سے وہ جہنم میں جا گرتا ہے۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ دنیا کی زندگی میں انسان کی پوزیشن نہایت نازک ہے۔ اس کی وجہ رشتہ کی وہ نزاکت ہے جو وہ اپنے رب کے ساتھ رکھتا ہے۔ کوئی بات اگر اس کی زبان سے ایسی نکلتی ہے جو خدا کی رضامندی کی ہے، خدا خوش ہو کر اس کے درجات بلند کر دیتا ہے حالاں کہ بات کہنے والے کو اپنی بات کی قدر و قیمت کا خاص احساس بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح کبھی کسی شخص کی زبان پر خدا کی ناراضی کی بات آ جاتی ہے، اسے اپنی بات کی قباحت کا خیال بھی نہیں ہوتا حالاں کہ اس کی وجہ سے وہ جہنم میں جا گرتا ہے۔ باشعور سچے مومن وہی ہیں جن کو اپنی ذمہ داری کا پورا احساس ہوتا ہے اور وہ جو کچھ بھی کہتے اور کرتے ہیں اس میں خدا کی خوش نودی اور اس کی رضا کا انھیں پورا خیال رہتا ہے اور وہ خدا سے ہر حال میں ڈرتے رہتے ہیں۔

آگے کا مرحلہ
(عالمِ برزخ)

〈۱〉 عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا مَاتَ اَحَدُکُمْ فَاِنَّہٗ یُعْرَضُ عَلَیْہِ مَقْعَدُہٗ بِالْغَدَاوۃِ وَالْعَشِیِّ فَاِنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَمِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَ اِنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَمِنْ اَھْلِ النَّارِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص مرتا ہے تو صبح و شام اسے اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے۔ اگر وہ اہل جنت میں سے ہے تو اسے جنت اور اگر دوزخی ہے تو اسے دوزخ دکھاتے ہیں۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ کسی کے مرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ بالکل فنا ہو گیا۔ مرنا درحقیقت آدمی کے ایک دوسرے عالم میں داخل ہونے کا نام ہے، جسے عالمِ برزخ کہتے ہیں، وہاں سے وہ لوٹ کر دنیا میں نہیں آسکتا۔ قیامت کے روز تک اسے اسی عالم میں رہنا ہوگا۔ عالمِ برزخ میں خدا کے فرماں بردار بندوں کو صبح و شام ان کا آخری ٹھکانا یعنی جنت دکھائی جائے گی تاکہ برزخ کی زندگی ان کے لیے بے کیف نہ ہو۔ اس کے برعکس خدا کے نافرمانوں اور اہل کفر کو صبح و شام دوزخ دکھائیں گے جو ان کا آخری ٹھکانا ہوگا۔

دنیا کی زندگی میں آدمی کو یہ یقین ہونا چاہیے کہ مرنے کے بعد زندگی اپنے دوسرے مرحلے میں داخل ہو جاتی ہے۔ خدا کے یہاں اس کے لیے دو ہی ٹھکانے ہیں یا تو اس کے حصے میں جنت آئے گی یا وہ دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا۔ اب یہ ہم پر ہے کہ ہم اپنے لیے کیا پسند کرتے ہیں جنت یا دوزخ۔ جنت حاصل کرنے کے لیے دنیا کی زندگی میں ہمیں اہل جنت کے اوصاف و اعمال اختیار کرنے ہوں گے۔

الفردوس

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: قَالَ اللّٰہُ اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالاَ عَیْنٌ رَّاَتْ وَلاَ اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلاَ خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ فَاقْرَءُ وْا اِنْ شِئْتُمْ فَلاَ تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا۔ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَھُمْ مِنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ۔ (کوئی متنفس اسے نہیں جانتا آنکھوں کی جو ٹھنڈک ان کے لیے پوشیدہ رکھی گئی ہے)۔''

تشریح: یہ جنت کی بہترین تعریف ہے۔ جنت میں نیک بندوں کی راحت کا جو سامان اور ان کے لیے سرور و شادمانی کی جو چیزیں فراہم ہوں گی ان کی قدر و قیمت کا آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کتنے خوش بخت ہیں خدا کے وہ بندے جو خدا کی ان ناقابلِ تصور نعمت ہائے فراواں کے مستحق ہوں گے۔

﴿۲﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِذَا دَخَلَ اَھْلُ الْجَنَّۃِ الْجَنَّۃَ وَاَھْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ یَقُوْمُ مُؤَذِّنٌ بَیْنَھُمْ یٰٓاَھْلَ النَّارِ لَا مَوْتٌ وَ یٰٓاَھْلَ الْجَنَّۃِ لَا مَوْتٌ خُلُوْدٌ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب اہلِ جنت جنت میں اور اہلِ دوزخ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو ان کے درمیان ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا کہ اے دوزخ والو، یہاں موت نہیں اور اے جنت والو یہاں موت نہیں۔ یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔''

تشریح: دوزخ میں کسی کو بھی موت نہ آئے گی کہ وہ خدا کے عذاب سے نجات پا سکے۔ اہل جنت بھی مستقل طور پر جنت میں رہیں گے۔ وہاں نہ انھیں موت کا اندیشہ ہوگا اور نہ وہاں انھیں کوئی غم لاحق ہوگا۔ خدا سے اصل طلب کرنے کی چیز اس کی جنت ہی ہے۔ دوزخ سے اللہ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ ہلاک ہوا وہ شخص جس کا ٹھکانا دوزخ ہوا۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ اِلْخُدْرِیِّؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اِنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ لِاَھْلِ الْجَنَّۃِ یٰٓاَھْلَ الْجَنَّۃِ فَیَقُوْلُوْنَ لَبَّیْکَ رَبَّنَا وَ سَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ فِیْ یَدَیْکَ فَیَقُوْلُ ھَلْ رَّضِیْتُمْ فَیَقُوْلُوْنَ وَمَا لَنَا لَا نَرْضٰی یَا رَبِّ وَ قَدْ اَعْطَیْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِکَ فَیَقُوْلُ اَلَا اُعْطِیْکُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِکَ فَیَقُوْلُوْنَ یَا رَبِّ وَ

اَیُّ شَیْءٍ اَفْضَلُ مِنْ ذٰلِکَ فَیَقُوْلُ اُحِلُّ عَلَیْکُمْ رِضْوَانِیْ فَلاَ اَسْخَطُ عَلَیْکُمْ بَعْدَهٗ اَبَدًا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اہل جنت کو آواز دے گا، اے جنت والو! وہ جواب میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب، ہم حاضر ہیں تیری خدمت میں اور بھلائی تیرے ہی ہاتھوں میں ہے، اللہ فرمائے گا کہ کیا تم لوگ راضی اور خوش ہو؟ وہ کہیں گے کہ اے رب، ہم کیوں راضی نہ ہوں گے جب کہ تو نے ہمیں وہ چیز عطا کی جو اپنی مخلوق میں کسی کو عطا نہیں کی۔ اللہ فرمائے گا کہ کیا میں اس سے بہتر چیز نہ دوں؟ وہ عرض کریں گے کہ اس سے بڑھ کر کون سی چیز ہو سکتی ہے؟ اللہ فرمائے گا کہ میں تم سے راضی رہوں گا، اب اس کے بعد کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ اہل جنت کے حصے میں صرف دائمی حیات ہی نہیں آئے گی بلکہ خدا کی خوشی اور رضامندی بھی ہمیشہ کے لیے ان کے حصے میں آئے گی۔ خدا ان سے کبھی ناراض نہ ہوگا۔ وہ اپنے رب سے راضی ہوں گے، ان کا رب ان سے راضی ہوگا۔ یہی سب سے بڑی کام یابی ہے۔ کاش دنیا میں لوگوں کو اس کا صحیح احساس ہو سکتا۔

دیدارِ حق

(۱) عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: کُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَنَظَرَ اِلَی الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّوْنَ فِیْ رُؤْیَتِهٖ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَلَّا تُغْلَبُوْا عَلٰی صَلٰوةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا ثُمَّ قَرَاَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا.

(بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے چاند کی طرف دیکھا، چودہویں رات تھی۔ پھر فرمایا: ''یقیناً تم اپنے رب کو صاف طور پر دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اُس کے دیکھنے میں تمھیں

کوئی زحمت نہ ہوگی، تو اگر تم سے ہو سکے تو سورج کے طلوع اور اس کے غروب سے پہلے نماز کے مقابلہ میں کوئی چیز تمہیں مغلوب نہ کرے، تو ضرور ایسا کرو۔ پھر آپؐ نے پڑھا: وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا۔ ''اور تسبیح کرو اپنے رب کے حمد کی سورج نکلنے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے۔''

تشریح: خدا کے دیدار سے بڑھ کر کسی نعمت کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ خدا کے دیدار کی آرزو ہر ایک دل میں پائی جاتی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ تمھاری یہ آرزو پوری ہوگی۔ تم قیامت کے روز بغیر کسی پریشانی اور زحمت کے اپنے رب کے دیدار سے شاد کام ہو گے۔ دنیا میں خدا کی رویت (دیدار) ممکن نہیں لیکن خدا اہلِ جنت کو دیگر خصوصیات اور امتیازات کے ساتھ اس کی قوت اور صلاحیت بھی عطا کرے گا کہ وہ اپنے رب کا جلوہ دیکھ سکیں۔ بخاری و مسلم ہی کی ایک روایت ہے کہ لوگوں اور ان کے رب کی طرف دیکھنے میں کوئی چیز حائل نہ ہوگی سوائے کبریائی کی چادر کے۔ یعنی اہلِ جنت اور ان کے رب کے درمیان دیدار کے وقت کوئی پردہ نہ ہوگا، صرف خدا کی عظمت اور اس کے جلال کا پردہ ہوگا۔ خدا اہلِ جنت کو تابِ دید عطا فرمائے گا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ تم دیدار باری تعالیٰ کی آرزو رکھتے ہو تو صبح و شام نماز کا اہتمام کرو۔ دنیا کی زندگی میں نماز ہی رویتِ حق کا بدل ہے۔ جو دنیا کی زندگی میں صبح و شام خدا کی جناب میں حاضر ہوتے اور اس کی حمد و ثنا میں مصروف ہوتے ہیں، خدا لازماً ان سے چھپا نہیں رہے گا وہ انھیں اپنے قرب اور دیدار سے سرفراز فرمائے گا۔ آخرت کی زندگی درحقیقت دنیا کی زندگی ہی کا فطری نتیجہ و اثر ہے۔